سیرت نبی میں سیاست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میں سیاست

زاھد علی ھندی (جلال پوری)

نشریات : ادارہ بقیة اللہ جلال پور فیض آباد یوپی ہند

تعارف

کتاب کی تدوین حوزہ علمیہ قم، بمناسبت سال رسول اعظم ﷺ مشتمل صفحات ۲۴۰، خاص خاص سرخیاں: سیاست کی تعریف واہمیت اور مختلف نظریات۔ مرسل اعظم کی سیرت ﷺ طیبہ۔ اسلام میں سیاست، الٰہی اور شیطانی سیاست، دونوں کے امتیازات اور مصادیق۔ دہشت گردی یا محاربہ، نفاذ ولایت ہی سیاست ہے۔ غلط سیاست کا اتخاذ، منافقت اور سچی سیاست۔ اسلامی تحریک، سیاست وظیفہ ہے۔ شیعہ حکومت، اسلامی سیاست عالمی اور دائمی ہے۔

کتاب ...... سیرت نبی میں سیاست

مؤلف ...... زاہد علی ہندی (جلال پوری)

کمپوزنگ ...... علی ابراہیم شباب

ناشر ...... ادارہ بقیۃ اللہ جلال پور فیض آباد یوپی ہند

اشاعت ...... ایک ہزار جلد

تاریخ ...... ۱۴۲۷ھ۔ مطابق ۲۰۰۷ء

ملنے کا پتہ:

حوزہ علمیہ بقیۃ اللہ، نیو بازار، جلال پور، فیض آباد یوپی ہند۔

کوڈ نمبر ۲۲۴۱۴۹۔ موبائل نمبر: ۰۰۹۱-۹۷۹۵۱۲۹۲۲۷

جمہوریہ اسلامی ایران، قم، خیابان امام موسیٰ صدر، ش نمبر ۵۱، شہید محسن

حیدری پلاک ۵۵، ٹیلی فون نمبر۔ ۰۰۹۸ ۲۵۱ ۶۶۳۵۷۴۲

mail: zahidali786110@yahoo.com

فہرست مضامین

سیرت نبی میں سیاست

فکر آفریں سخن

دانشمند معاصر علامہ محمد رضا رجب نژاد

(نمائندہ ولی فقیہ دہلی ہندوستان)

اس عدیم المثال انسان کے بارے میں کیا کہوں جس نے اپنی انسانی شکل میں ایک دنیا سمیٹ رکھی ہے۔ دنیا کی ہر فکر وفضیلت اس کے جاوید عقائد وفضائل کے سامنے ہیچ ہے۔

دنیا والوں میں سے کسی کی زندگی پیغمبر اسلام کی زندگی کی طرح موثر و پر پیچ اور نشیب وفراز کی حامل نہیں رہی ہے۔ وہ حیرت انگیز زندگی جسمیں حیرت آمیز، پراسرار اور ولولہ انگیز مناظر کی کثرت دکھائی دیتی ہے۔ دنیا کے پسماندہ عوام کے درمیان سے اٹھنے والے اس عزیز بے مثل کی طرح دنیا کے کسی دوسرے انسان کے دین نے ایسی باعظمت تہذیب وتمدن اور شان وشوکت کی تخلیق نہیں کی ہے۔

پیغمبر عظیم الشان کی طرح دنیا کا کوئی دوسرا انسان تاریخ، مفکرین اور انسانی معاشروں کی توجہ کا مرکز نہیں رہا ہے اور آنحضرت کی طرح دنیا کے کسی دوسرے انسان کے بارے میں اتنی کتابیں نہیں لکھی گئی ہیں یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف مغرب ومشرق کے مؤرخین کر چکے ہیں۔

جس زمانے میں عربستان کے علاقے میں انسانی عقل وفطرت کے خلاف خرافات آداب وروایات اور ثقافتی سرگرمیوں کا دور دورہ تھا اور غیر انسانی ووحشیانہ مظالم کی وجہ سے انسانیت کا دم گھٹ رہا تھا خداوند عالم کے قوی ارادہ کے نتیجے میں ۵۷۰ء میں سعادت وخوش نصیبی کی صبح کا ایک چمکدار ستارہ رونما ہوا اور نور مولود نے اس

دنیا میں آنکھ کھولی جس کا نام ''محمد'' رکھا گیا جبکہ اس نومولود کے والد ''حضرت عبداللہ'' بچے کی ولادت سے پہلے ہی اس دارفانی سے رخصت ہو چکے تھے۔

۶۱۰ء میں ۴۰ سال کی عمر میں خداوند عالم کی جانب سے اس عبد خدا پر وحی کا نزول ہوا، خدا اس کے کامل ترین دین کے اور آخری رسول کی حیثیت سے انھیں عہدہ رسالت پر فائز کر دیا گیا۔ قرآن ان کا معجزہ جاوید اور ان کی نبوت کی دلیل ہے جو کسی معمولی تحریف کے بغیر گذشتہ ۱۴۰۰ سال سے باقی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اس سے قبل حضرت ابراہیم خلیل خداوند عالم کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے توحید و وحدانیت کا پرچم لہرا چکے تھے لیکن خود ان کی زندگی میں اور بعد کی صدیوں کے دوران لوگوں نے خود ساختہ مذہب کی پیروی شروع کر دی اور اسی میں سرگرم تھے جو ان لوگوں کے ذہن کی تخلیق تھی۔ ایک جماعت کے لوگوں نے خداوند عالم کو اس کی مخلوقات کا مشابہ قرار دیدیا اور خداوند عالم کے لئے مختلف اعضاء کے معتقد ہو گئے۔

بعض افراد نے خداوند عالم کے نام میں تصرف سے کام لیا جس میں حجاز کے بت پرست مشرکین جنھوں نے ''اللہ'' کو لات اور عزیز کو عزی کا نام دیدیا۔

بعض لوگ جو اصطلاحاً دانشور کہلاتے تھے چاند، سورج، جن اور ستارہ کی پرستش کرنے لگے لیکن اس زمانے کی اکثریت نے اپنے قبائل اور خاندانی بتوں کے علاوہ ۳۶۰/ سال کے دنوں کی تعداد کے برابر موجود بتوں کی پرستش شروع کر دی اور ہر روز رونما ہونے والے فطری حوادثات کو ان بتوں سے منسوب کرنا شروع کر دیا۔ ابتدائی مرحلہ میں اس زمانے کی بت پرستی کو عبادت کی حیثیت حاصل نہ تھی بلکہ ابتداء میں بتوں کو اپنا شفیع مانتے تھے۔ دھیرے دھیرے یہ لوگ آگے بڑھتے گئے اور ان بتوں کو صاحب قدرت تصور کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مذہب بت پرستی کی ترویج عمل میں آ گئی اور طرح طرح سے لوگوں کے درمیان اس کا اثر رسوخ بڑھتا چلا گیا۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی بعثت کا اہم ترین اور بنیادی مقصد لوگوں کو توحید و وحدانیت خداوندی کی طرف مدعو کرنا انسان کی خوابیدہ فطرت کو پیدا کرنا اور روئے زمین پر عدل و انصاف کی بالادستی قائم کرنا تھا۔

پیغمبر اسلام نے لاکھوں انسانوں کے قلوب کو روشن و بیدار کر دیا۔ یہ اس الٰہی اور اسلامی بیداری کا کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے۔ ظہور اسلام سے قبل لڑکیاں زندہ در گور کر دی جاتی تھیں اور ظہور اسلام کے بعد خواتین کے حقوق کے

دفاع پر غیر معمولی زور دیا جاتا ہے اور یتیم بچوں کیساتھ رحمدلی اور مہربانی پر غیر معمولی تاکید دکھائی دیتی ہے۔

کہاں خواتین کا علانیہ قتل اور کہاں ان کے ساتھ انتہائی مشفقانہ سلوک کا پیغام؟

کہاں اسلام سے قبل رائج لوٹ گھسوٹ اور کہاں بعد از اسلام قربانی وفداکاری کی تعلیم؟

اسلام سے قبل لکڑی اور پتھر کے بتوں کی پرستش کہاں اور کہاں بعد از اسلام ایسے مہربان وقادر وواحد خدا کی عبادت جس سے انسانی عقل وفطرت پوری طرح ہم آہنگ ہے؟

پیغمبر عظیم الشان کے احکام کا سرچشمہ وحی خداوندی ہے لہذا اس میں کسی قسم کی غلطی یا کمی وکوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسلام حق اور انسان کی آزادی کا علمبردار ہے اور مساوات وعدالت کی بھرپور حمایت کا حامی ہے۔

اسلام جاہلانہ تعصب، نسلی امتیازات اور طبقاتی اختلافات وکشمکش کی بھرپور مذمت کرتا ہے۔ اسلام دین عقل وفطرت ہے۔ اسلام کامل ترین آخری دین ہے جس کو خالق کائنات نے دنیا والوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ پیغمبر اسلام نے انسان کے جملہ ذاتی اور سماجی شعبوں کے لئے مکمل اور نورانی احکام جاری کئے ہیں اور طبی وسلامتی بدن کے اعتبار سے بھی اسلام نہایت غنی اور انسان ساز صفات کا حامل ہے۔ پیغمبر اکرم کے احکام ان کے زریں اور مؤثر اقوال وارشاد میں پوشیدہ اور انسان کی دنیا وآخرت کی نجات کا حقیقی اسلام کی پیروی میں مضمر ہے کیونکہ خالق کائنات نے نظام آفرینش کو خلق کیا اور تمام نیکیوں، ضرورتوں اور صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہے۔ یہ کتنی عمدہ اور دلکش بات ہے کہ انسان احکام نبوی سے واقف اور ان کا پیرو ہو جائے۔ آج قرآن جو خداوند عالم کی ہمیشہ باقی رہنے والی کتاب ہے، اپنے اسی رنگ وروپ میں ہم لوگوں کے درمیان موجود ہے جس شکل وصورت میں خداوند عالم نے اس کو اپنے پیغمبر اکرم پر نازل فرمایا ہے خدا کی یہ مقدس کتاب آج اپنے حقیقی رنگ وروپ میں انسانوں کی دسترس میں ہے حقیقی اسلام محمدی نے جس خدائے مہربان کا تعارف پیش کیا ہے اس سے محبت کرو یہ وہی خدا ہے جو انسان کی فطرت سے پوری طرح ہم آہنگ اور لائق درک وفہم ہے ایک جملے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ احکام نبوی کہ تخلیق نظام آفرینش کے خالق کی طرف سے ہوئی ہے اور وہ انسان کی صلاحیتوں اور ضرورتوں سے بخوبی آگاہ اور جمال کی آخری بلندی پر فائز ہے اسی وجہ سے وہ انسانی حسن وجمال کی طرف دعوت دیتا ہے چونکہ

خداوند عالم خود جمیل ہے اسی وجہ سے اس کو یہ اچھا لگتا ہے کہ اس کے بندے بھی زیبا و دلکش ہوں بالکل اسی انداز میں جوان کا معشوق چاہتا ہے۔

مذکورہ کتاب ''سیرت نبی میں سیاست'' اسی عظیم انسان کی زندگی کا مختصر بیان ہے جن کی ذات عالم بشریت کے لئے مکمل نمونہ ہے۔ محقق محترم جناب زاہد علی ہندی جلال پوری حوزہ علمیہ قم ایران کے فارغ التحصیل اور لکھنؤ یونیورسٹی کے دانشور ہیں، موصوف نے اس کتاب کو عہد حاضر کی ایک ضرورت سمجھتے ہوئے تالیف کیا ہے۔ یقیناً اس موضوع پر بہت کم کام ہوا ہے، خاص طور سے ہمارے دینی رہنماؤں کی سیرت پاک سے سیاست کا مقدس اور مبارک پہلو اجاگر کرنا، نیز ایسے وقت میں اس موضوع پر قلم اٹھانا اہمیت کا حامل ہے، جبکہ سامراج اسلام کو اس کی حقانیت اور معنویت سے جدا کرنے پر کوشاں ہے، سادہ لوح لوگوں کے اذہان کو دین سے دور کرنا، ساتھ ہی حضرت رسول اکرم ﷺ کی سنت مٹا کر آنحضرت کی شخصیت کو مجروح کیا جا رہا ہے...ہماری دعا ہے کہ پروردگار عالم اس کوشش کو قبول فرمائے، موصوف کو اپنی بے پناہ رحمت سے نوازتا رہے اور علوم اہل بیت علیہم السلام کی خدمت کی دن دونی رات چوگنی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد رضا رجب نژاد

۷/ذی الحجہ/۱۴۲۷ھ

دہلی نو ہندوستان

کلمات تشکر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اَصْطَفٰی مُحَمَّدٍ وَ آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ. رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَ احْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ

انسان کی خلقت؛ معرفت الٰہی سے سرشار ہے، جو فطری بھی ہے، کسی خاص تفسیر کے بغیر قابل درک ہے۔ آدم سے لیکر خاتم، اور خاتم الانبیاء کے بعد خاتم الاوصیاء، اور خاتم الاوصیاء سے حضرت بقیۃ اللہ تک سب نے ہدایت ورہنمائی کے ذریعہ لوگوں میں الٰہی صفات کو اجاگر کیا اور انسانی کرامت وشرافت مسخ کرنے والے عناصر سے حفاظت فرمائی، جس کو اہل باطل روز اول سے انسان کی الٰہی شخصیت ومعنویت کو دنیاوی مادیت میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں لیکن حقائق کے مقابلے میں اپنا مکروہ چہرہ چھپا نہیں پاتے۔ اس وجہ سے اہل حق سے عداوت وعناد ہے۔ خاص طور سے مرسل اعظم نبی اکرم ﷺ کی سیرت پاک، حقانیت، کرامت اور عظمت کی تاسی میں جو انسانی قافلہ بڑھتا رہا ہے، لہذا ضروری ہے کہ آنحضرت کی حیات طیبہ کے ہر پہلو کا مطالعہ کریں اور اپنی زندگی کو انہی کے نقش قدم پر چل کر آگے بڑھائیں۔ مرسل اعظم محمد بن عبداللہ ﷺ کی ذات مبارک پر نبوت کا خاتمہ ہوا ہے، جسکا اعلان گذشتہ صحائف اور بڑے رسولوں کی زبانی ہو چکا تھا۔ جس بنیاد پر آخری نبی تمام اقوام عالم کیلئے نمونہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو پرچم توحید کے تلے رسولوں اور اماموں کی رسالت اور ولایت کو امامت سے متصل کردیا ہے، جسکو رسول اللہ کی حیات طیبہ ہی سے دیکھا جاسکتا ہے یہ اور بات ہے کہ ہر شئے کے مقابل اس کی ایک ضد ہوتی ہے، جیسے حق کے

مقابل باطل، امام عادل اور امام ہدیٰ کے مقابل امام گمرہ اور امام جائر ولایت الٰہی کے مقابل ولایت شیطانی کا وجود ہمیشہ رہا ہے، لہذا کیسے ممکن ہے کہ ان سب کی معلومات حاصل نہ کی جائے جبکہ دونوں پہلو کو بخوبی جان لینے کے بعد ہی حق کا درست تعارف بھی ہوسکتا ہے۔ اس مطلب کو ہم دو بنیادی افکار کا عنوان دے سکتے ہیں:

(۱) الٰہی سیاست

(۲) شیطانی سیاست

دونوں سیاست میں فرق

خدائی سیاست میں لوگوں کا فطری میلان آسمانی آئین اور انسانی وجدان کے مطابق ہوتا ہے۔ اس سیاست کا سارا فائدہ بندوں کو ہی پہنچتا ہے، اللہ کی ذات والا صفات کو یا اس کے حقیقی نمائندوں کو نہیں کیونکہ ان کا انسانی خدمت کرنا ہی بنیادی وظیفہ ہوتا ہے۔

شیطانی سیاست کا فائدہ خود شیطان اور اس کے نمائندوں کو پہنچتا ہے۔ بندگان خدا، محروم اور پسماندہ کمزور طبقہ کے لوگوں کو اس سیاست کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔

الٰہی سیاست میں خداوند عالم اور اس کے سارے نمائندے ہمیشہ بندوں کو نجات، سعادت اور خوش بخت زندگی کی جانب بڑھاتے ہیں، یہاں تک کہ جو لوگ اس ولایت حقہ کی پیروی نہیں کرتے ہیں، ان کی بھی ہدایت اور استعانت کرنا عین فریضہ سمجھاتے ہیں:

شیطانی سیاست میں ایسا نہیں ہے، شیطان اور اس کے نمائندے ہمیشہ اپنے پیروکاروں کا قتل چاہتے ہیں ۔قرآن نے اس کا اشارہ کیا تھا چنانچہ آج بھی ان دونوں سیاستوں کو دنیا کے کسی بھی استعماری ملک اور سماج میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِینَ آمَنُوا یُخرِجُهُم مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّورِ وَالَّذِینَ کَفَرُوا اَولِیَائُهُمُ الطَّاغُوتُ

یُخرِجُونَهُم مِنَ النُّورِ اِلَی الظُّلُمَاتِ اُولئکَ اَصحَابُ النَّارِ هُم فِیهَا خَالِدُونَ.

اہل ایمان کا ولی، سرپرست اور مولا اللہ ہے، وہی ان کو ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے، اور کافر جو شیطان کے والی ہیں، وہ انھیں نور سے نکال کر ظلمت کی طرف لے جاتا ہے، یہ لوگ جہنمی ہیں اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس سے الٰہی اور شیطانی، ساتھ ہی دونوں کے نمائندوں کی سیاست کا مقصد روشن ہے اور اس کتاب میں خاص طور سے رسول اعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں نمایاں سیاسی گوشوں سے بحث کریں گے۔ آخر میں ایک فریضہ سمجھتے ہوئے اپنے محسن، اساتید، دوستوں اور عزیزوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جنھوں نے کسی طرح کا بھی تعاون فرما کر ہم پر احسان و کرم کیا ہے۔ خاص طور سے ادارہ بقیۃ اللہ جلال پور فیض آباد یوپی ہندوستان کے ذمہ دار، قم ایران کے اساتید آیات عظام حضرات، زہراؑ اکادمی قم میں تربیتی اور تحقیقی امور کے مسئولین کا بھی شکریہ اور اپنے اہل خاندان والد مرحوم، اور اپنے عزیز طالب علموں کیلئے بھی خداوند عالم کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ ہم سب کو علوم اہل بیت علیہم السلام سیکھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کے نشر و ابلاغ کی توفیق میں ہمیشہ اضافہ فرماتا رہے۔

خداوند عالم جمہوری اسلامی ایران کے مخلص مسئولین خاص طور سے اسلامی انقلاب کے قائد حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کو طول عمر، صحت و سلامتی اور توفیق دے، تاکہ ہمارے مولا علی مرتضیٰ، نفس رسول اللہ امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے وضع کردہ نظام حکومت کی روشنی میں فرزند رسول اللہ حضرت بقیۃ اللہ (عج) کی عالمی حکومت کیلئے مقدمات فراہم کرنے میں پیش قدم رہیں، انشاء اللہ المستعان۔ آمین یارب العالمین، بحق محمد و آلہ الطاہرین۔

وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

زاہد علی ہندی جلال پوری

شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

سیاست کیا ہے؟

لفظ سیاست نہایت پیچیدہ مفہوم اور مشکل مطلب کا حامل ہے،

کیونکہ دنیا بھر میں ہر سماج کے لوگ، عالم، جاہل، عوام، خواص، دیندار، بے دین، دانا اور نادان سب اپنے اپنے طور پر سیاست کا جداگانہ مفہوم ذہنوں میں بیٹھائے ہوئے ہیں اور اسی کے مطابق اپنی روزمرہ گفتگو میں استعمال بھی کرتے رہتے ہیں، مثال کے طور پر ملک کی سیاست اچھی ہے، حکومت کی سیاست غلط ہے، سیاست بالکل صاف، شفاف اور روشن ہونا چاہئے۔ وہ تو فلاں کی سیاست کے زیر اثر ہے، فلاں کی سیاست دین واخلاق اور اصول پر مبنی ہے، فلاں کی سیاست بے دینی اور گمراہی پر مبنی ہے۔

سیاسی مسائل میں پڑنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، سیاست کا مطلب محض جھوٹ ہے، سیاست یعنی عوام فریبی، سیاست یعنی حکومت، سیاست فقط مال و مقام کے استحصال کا ذریعہ، سیاست یعنی عزت و شہرت، سیاست یعنی دوسروں کے حقوق پر قبضہ جمانا، سیاست ایسا ہنر وفن ہے کہ جس سے لوگوں کو رام کر کے مملکت کو ادارہ کیا جا سکے،... ہم یہاں پر مختلف مکاتب فکر کے دانشمندوں کی تعریف و تشریح کو نقل کر کے مختلف زاویہ سے اس موضوع پر بحث کریں گے تاکہ قارئین کے اطمینان خاطر کا سبب بن سکے اور سیاست کے صحیح مفہوم کو معلوم کیا جا سکے جو ہر سماج کیلئے مفید اور قابل عمل ہو، خاص طور سے ہم کوشش کریں کہ عالمی پیمانے پر جو سیاست حاکم ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کی اخلاقی، معنوی، انسانی اور فطری سیرت پر عمل ہو اور اگر انسان دین و دنیا کی سیاست میں رسول اعظم ﷺ کی سیرت کو بنیاد نہیں بنائے گا، تو اس کو راحت و سعادت اور کمال حاصل نہیں ہوگا۔

موضوع پر بحث کی وجہ

آج زمانہ میں جبکہ سیاست عام طور پر عوام الناس اور خاص طور سے پڑھے لکھے طبقے میں بین الاقوامی پیمانہ پر ایک خاص اہمیت کی حامل بن چکی ہے، دنیا کے دور و دراز ممالک کے انسانوں کا آپس میں اتنا گہرا تعلق ہو چکا ہے کہ گویا آپس میں ایک شہری زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ بہت سی حیاتی، مذہبی، حقوقی اور ملکی سیاسیات میں مشترک ہدف رکھتے ہیں۔ ان کا آپس میں جدا نہ ہونے والا ایسا گہرا رابطہ ہو چکا ہے کہ جس سے کسی کو چھٹکارا نہیں ہے۔

ایسے مخلوط اور پیچیدہ ماحول میں جب کہ شرق و غرب کے مشرک، بے دین، صہیونی اسرائیلیوں کا بنیادی مقصد ہے کہ معارف اسلامی توحید، نبوت، خلافت، عدالت اور ولایت کا سچا اعتقاد رکھنے والے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے!

اس سے بڑھ کر ایک عالمی منصوبہ کے تحت پورا عالم ادارہ کرنے کی جو کوشش جاری ہے تاکہ دنیا کی بڑی قوموں میں اسلام کو کوئی حیثیت نہ دی جائے، ستم بالائے ستم کہ اسلام اور مسلمان کا ایسا مکروہ اور غیر متمدن چہرہ دکھایا جا رہا ہے تاکہ دوسری قومیں متنفر ہو جائیں، اسلامی عقائد میں شبہات پیدا کر کے اس کی اہمیت کو کم کیا جا رہا ہے، روئے زمین پر دینی اور الٰہی حکومت کے تصورات کی بیخ کنی کر دی جائے۔

آپ نے کبھی غور و فکر، تجزیہ و تحلیل کیا ہے کہ جو کچھ اس دنیا میں ہو رہا ہے وہ کہاں تک درست ہے؟

ملاحظہ فرمائیں! امریکہ نے منصوبے کے مطابق ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو دنیا کے سب سے بڑے تجارتی ٹاور کو خودکش حملے سے تاراج کیا جس کے بعد عالمی پیمانہ پر مخالفین، بے دفاع مرد و زن اور معصوم بچوں کو قتل کروایا جا رہا ہے۔

ٹاور واشنگٹن کے جوف شہر میں واقع تھا، جو امریکہ کی ایک ناقابل تسخیر قوت ہے، اتنی اہم تنصیبات جہاں

پرندے پر نہیں مار سکتے تھے، سائنس اور جدید ٹکنالوجی سے لیث ٹاور پر حملہ ہونا دو حال سے خالی نہیں، (۱) ساری مشینری فعل ہوگئی تھی اور اس کا مطلب امریکہ جیسی یک قطبی سپر طاقت بھی قابل تسخیر ہے (۲) یا کہ سب منصوبے کے تحت ہوا ہے۔ جیسا کہ قرائن موجود ہیں کہ منصوبہ کے تحت سب کچھ انجام دیا گیا ہے۔

اس سانحہ کے فوراً بعد امریکہ کے صدر جارج بش، برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیئر اور ہمارے پردھان منتری بار بار معذرت خواہی کے طور پر یہ اعلان کر رہے تھے کہ یہ جنگ اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس اعلان کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی، وہ بات جو ''نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر'' (۱)

اس حادثہ کے فوراً بعد عالمی پیمانہ پر اپنے مخالفوں کو قتل کرنا اور بے دفاع مرد و زن اور بچوں پر حملہ کرنا، خاص خاص ملک و مسلک کے لوگوں پر ظلم و جارحیت کر کے ملکوں اور شہروں کو تاراج کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

''عالمی سطح کی سیاست پر نگاہ ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ کئی اسلامی ممالک اپنے حق و انصاف اور آزادی کا مطالبہ کر رہے ہیں تو بڑی بڑی طاقتیں ان کی سرکوبی کے لئے مختلف قسم کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ امریکہ کی یہ کوشش رہی ہے کہ ابھرتی ہوئی مسلم طاقتوں کو کچلا جائے۔ وہ اس تاک میں ہے کہ کس طرح ان ملکوں پر دہشت گردی کی مذموم اصطلاح کی آڑ میں فسطائی طاقتیں مسلم مملکتوں کا استحصال کیا جائے...

''امریکہ نے گوریلا فوج اور اسامہ بن لادن کو سی. آئی. اے. کے ذریعہ بہترین تربیت دی تھی اور روس کے خلاف انھیں جدید اسلحہ سے لیث کیا اور ہر قسم کا تعاون فراہم کر کے جنگی کاروائی کا محاذ کھولا تھا... خاص کر مسلم ممالک اس دور سے گزر رہے ہیں، جہاں ان سے زندگی کا حق چھین لینے کی سعی جاری ہے'' (۲)

۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو عالمی پیمانے کا عظیم ٹاور منہدم کر دیا گیا تا کہ پوری دنیا کی توجہ کو اسلام کے خلاف مبذول کرا سکیں اور اس حادثہ کو سند بنائیں کہ اسلام تعصب، قتل و دہشت گردی کا دین ہے۔

۱۔ ڈاکٹر خاور ہاشمی: دنیا دہشت کے سایے میں، ص ۸۶۔

۲۔ محمد مرغوب عالم دہلی یونیورسٹی: دنیا دہشت گرد کے سائے میں، ص ۸۱۔۸۲۔

اسی مطلب کو لیکر کارن آرمسٹرانگ نے ’’کتاب محمد‘‘ رسول اکرم ﷺ کی سوانح حیات پر مشتمل کتاب لکھی ہے۔ مؤلف نے ۱۱ر ستمبر کے ایک مہینہ بعد کتاب کا مقدمہ لکھا، وہ بڑا حساس وقت تھا، اسلام پر نکتہ چینی کرنے والوں نے قرآن سے متعلق ایسی آیت پر تکیہ کیا کہ اس میں جنگ وانتقام کی ترغیب دلائی گئی ہے اور افراطی جذبات کو تقویت دی گئی ہے۔ جبکہ

حضرت مسیح کو صلح طلب متعارف کرایا گیا، اگرچہ انجیل میں بہت سی آیتیں ہیں جس میں جنگ وجدال اور مقابلہ کی تشویق دلائی گئی ہے۔ ایک جگہ تو کہا میں صلح کیلئے نہیں بلکہ جنگ کیلئے آیا ہوں۔ کسی نے اس کا تذکرہ اس وقت نہیں کیا جب صربوں کے ہاتھوں بوسنیائی آٹھ ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ اس وقت کسی نے مسیحیت کو سرکش اور خطرناک نہیں کہا کیونکہ لوگوں کی معلومات دین کے بارے میں زیادہ نہ تھی اور کسی کی یہ مجال بھی نہ تھی۔

اب اہل غرب اسلام اور دین سے فہم ومعلومات حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ قرآن، اسلام سے متعلق کتابیں منجملہ مؤلف کارن آرمسٹرانگ کی کتاب امریکہ اور یورپ میں بہت زیادہ بک رہی ہیں جبکہ ۱۲ رسال پہلے بہت کم لوگ مائل تھے اور اب لوگوں میں حضرت محمد ﷺ، قرآن اور اسلامی کتابوں کی معلومات کا اشتیاق بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ مزید لکھا کہ حضرت محمد کا قتل ودہشت کے سلسلہ میں ایسا کوئی نظریہ ہو، یہ بالکل درست نہیں ہے۔ آگے لکھا کہ جہادی نظریہ ایک ارتقا کا وسیلہ، ان کی پیغمبری کا ایک درجہ تھا... حضرت محمد ﷺ مرد جہاد تھے لیکن حقیقت میں ایک صلح طلب تھے کیونکہ صلح مکہ کے وقت اپنے قریبی دوست واصحاب اور ان کی جانوں کو ضمانت کے طور پر دیدیا تھا تاکہ اتحاد اور میل جول بغیر کسی خونریزی کے انجام پاسکے۔

’’حضرت محمد (ﷺ) قتل وخونریزی کے بجائے بحث وگفتگو اور صلح کی فکر میں رہا کرتے تھے۔ جس کو سورۂ فتح میں بخوبی دیکھ سکتے ہیں کہ بغیر خونریزی کے بہت بڑی فتح حاصل ہوئی‘‘ (۱)

یہ سب مظالم ایسے وقت میں ڈھائے جارہے ہیں جبکہ غربیوں کی افتخار آموز ڈموکراسی دم توڑ رہی ہے۔ دنیا کے ہر گوشہ وکنار میں سلطنت طلب حاکموں کی آمریت، بربریت، سفاکیت اور قوموں کے حقوق کی غارت گری

۱۔ گشایش۔ ویژہ پیامبر رحمت ص ۱۸۹ سے ۱۹۲۔

فتنہ وفساد کا انکشاف بڑھتا جا رہا ہے۔ یہی ملک اپنی ڈیموکراسی کے پرچم تلے کچھ بادشاہوں کی حفاظت، حمایت اور عوام الناس پر حکومت کرنے کیلئے ہر طرح کی مدد کر رہے ہیں۔ جبکہ وہ میڈل ایسٹ میں افغانستان، ایران، فلسطین اور عراق جیسی بے مثال جمہوریت کی مخالفت کر رہے ہیں اور انھیں کے پڑوسی ملکوں میں شاہی نظام کی حفاظت کر رہے ہیں، یہ ہے غربیوں کی منافقانہ اور دوغلی سیاست!

غربیوں نے افغانستان، عراق اور فلسطین میں انتخابات کروایا لیکن غرب کی نوکری کرنے والی جماعت کی ناکامی ہوئی تو آئے دن ان پر قاتلانہ حملہ کروایا جا رہا ہے جبکہ عراق، افغانستان اور فلسطین میں اقوام متحدہ کی نگرانی میں جمہوری انتخاب ہوا ہے اور انتخاب درست ہونے کی تائید بھی خود کی تھی، پھر بھی ان پر سارے مظالم کیوں؟

ایک بام دو ہوا؟

عراق امریکہ کا بڑا حامی ملک تھا، عراق کا صدر صدام امریکہ کا چہیتا تھا "غربیوں نے صدر صدام حسین کے ذریعہ ۱۹۸۰ء میں شط العرب کے مسئلہ پر عراق ایران دونوں ملکوں کو لڑا دیا۔ ۱۹۹۰ء عراقی افواج نے ۲ر اگست کو کویت پر حملہ کر دیا۔ ۶ر اگست کو اقوام متحدہ کی جانب سے عراق پر اقتصادی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں" (۱)

"ان پابندیوں کے بارے میں کیوں نہیں کچھ پوچھا گیا؟ جس کے نتیجے میں تقریباً پانچ لاکھ عراقی بچے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ۱۹۸۲ء میں لبنان پر اسرائیلی حملے کے نتیجے میں ۱۷۵۰۰ شہری ہلاک ہو گئے۔ (۲۰۰۶ء میں اسرائیل نے اچانک لبنان پر حملہ کر دیا اور لاکھوں باشندوں کا قتل، ہزاروں گھروں کو تاراج کر دیا، آخر شکست کھانی پڑی) مشرق وسطیٰ میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں کو نظر انداز کرنے پر ایک قوم و ملک کے خلاف تو کچھ نہیں کیا گیا مگر دوسروں کے ایسا کرنے پر فوری پابندیاں عائد کر دی گئیں" (۲)

سالک دھام پوری کے بقول:

"روس نے اچانک ساری دنیا کی آنکھوں کے سامنے افغانستان میں اپنی فوجیں داخل کر دیں اور دس سال

۱۔ حافظ عاکف سعید، عراق: سرزمین انبیاء ص ر ۱۸۷۔

۲۔ نوم چومسکی [illegible]

تک وہاں کے افغانی عوام کا قتل کرتا رہا، اس وقت یہی امریکہ محض اپنی سیاسی حکمت عملی کے طور پر روس کی مخالفت میں ان طالبان کو مجاہد کہا کرتا تھا اور یہ طالبان امریکہ ہی کے تربیت یافتہ ہیں'' (۱)

غربیوں نے شط العرب کے مسئلہ پر عراق کو جنگی ساز و سامان دیکر مسلح کیا؟

عابدہ سمیع کا جملہ: شط العرب کا مسئلہ چھڑا۔ آیۃ اللہ خمینی نے امریکہ کو سب سے بڑے شیطان کا خطاب دیا، ایران کے مقابلے پر عراق کو جنگی ساز و سامان سے کس نے لیث کیا؟ امریکہ! نے کیا ہے۔

''عراق یوروپی تسلیحات کی منڈی بن گیا۔ یہاں ایک بار پھر ملاحظہ ہو جمہوریت اور مطلق العنانیت کا سنگم، صدام حسین کی آمریت کے اجزائے ترکیبی اس وقت بھی وہی تھے جن کا آج امریکا بدترین دشمن ہے'' (۲)

صدر صدام جیسے مطلق العنان کی غرب نے خوب حوصلہ افزائی کی اور بلا قید و شرط بڑھاوا دیتے رہے۔

اخبار بلز ویک: ''ہٹ ولک کے بقول''

''اہل مغرب نے صدام کو پیدا کیا''

''رابرٹ فیسک'' (انگریزی خبر نگار) وہ ہم (اہل مغرب) تھے کہ صدام کو ایک فرانکشتاین (ہیولائ ساختہ بشر) کی صورت میں بنا رکھا تھا، کہتا ہے: ''صدام کی پھانسی کا حکم غربیوں کی دوغلی سیاست ہے''

''امریکہ، انگلینڈ اور فرانس کو (صدام کی پھانسی کے حکم پر) شرم و حیا کرنی چاہئے'' (۳)

خود عراق کے بیدار، متدین لوگوں کی نسل کشی کرواتے رہے۔ چنداں ہزار بڑے پایہ کے دانشوروں، بے مثال دانشمند، آیۃ اللہ شہید محمد باقر صدر جیسے نابغہ زمانہ جن کی علمیت کا کوئی جواب نہ تھا، جن کی فیلاسفی سے غرب حیراں و انگشت بدنداں تھے، ایسے فقیہ نامدار کو صدام نے غربیوں کی خوشنودی کیلئے شہید کر دیا، آپ کی بہن شہیدہ بنت الہدیٰ کی بھی بے حرمتی کر کے شہید کیا گیا۔ آیۃ اللہ محسن حکیم جیسے بڑے پایہ کے مرجع تقلید اور ان کے پورے علمی خاندان کو سفاکانہ قتل کر دیا گیا۔ امریکہ عراق میں امن بحال کرنے، لوگوں کو ان کے حقوق دلانے آیا تھا لیکن

۱۔ سالک دھام پوری: دنیا دہشت گرد کے سائے میں، ص ۲۸۶۔۲۸۷

۲۔ عابدہ سمیع: دنیا دہشت گرد کے سائے میں، ص ۱۱۳۔ (بعد میں ضمیمہ کیا)

۳۔ اخبار: کیہان صفحۂ اول، بروز چہار شنبہ ۱۷ آبان۔

چند سال ہو گئے اہل عراق کا قتل و غارت، پورے پورے خاندانوں کی رسوائی، گھروں کی تاراجی، شہروں کی بربادی، لوگوں میں تفرقہ اندازی، مساجد و مقدس مقامات کا انہدام اور بہت سے غیر انسانی سلوک، جس کو دنیا نے مشاہدہ کیا۔ جو کوئی بھی غیرت مند، دیندار اور شریف معاشرہ تحمل نہیں کر پائے گا۔ جو لوگ گذر چکے ان کی باتیں جدا جو زندہ ہیں انھیں عزیزوں کا غم فراق دن بہ دن زندہ رہ کر مردہ بنائے ہوئے ہے، جن بچوں نے والدین کو نہیں دیکھا ہے، ان کے انتظار میں آنکھیں پتھرا گئیں ہیں، اب صورت حال کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ کہتے ہیں:

اس درجہ مصائب کے جہنم میں جلا ہوں   اب کوئی بھی موسم ہو پسینہ نہیں آتا

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہی نکلا کہ معاملہ اصول اور قانون کا نہیں مفاد کا ہے، دین و دنیا کے سرمائے کی لوٹ مار ہو رہی ہے۔ کیا ایسے حالات میں تمام لوگوں کو نہیں چاہئے کہ وہ اپنے گرد و نواح اور کوائف کے حالات کی اطلاع رکھیں، ہر شہری کو پتہ رہے کہ ملک کے حکمراں، سیاست دان، ملک کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟

انگریزوں کی مغرضانہ سیاست کا سابقہ

اپنے اس قدر تمند اور وسیع ملک ہندوستان کو دیکھ لیجئے، فرنگیوں نے دیکھا بہت جلد ایک بڑی طاقت بن جائے گا، اپنی دوغلی سیاست کے جال بچھانے لگے۔ وہ تو کہئے ملک کے باشندوں نے سمجھ لیا کہ ہماری حیثیت کو غیر ملکی طاقتیں برباد کر رہی ہیں لہذا جب انگریزوں کو یقین ہو گیا کہ سرزمین ہندوستان سے عنقریب جما ہوا پیرا کھڑ جائے گا پھر تو ایک دیرپا منصوبہ بنایا اور اپنی سازش کے تحت آزادی سے پہلے ہی وسیع وعریض ملک ہندوستان کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی بنیاد ڈال دی گئی۔ نتیجہ سامنے ہے! ہندوستان پاکستان اور بنگلہ دیش جنھیں ایک ملک ہونا چاہئے تھا مگر اب نہیں ہے اور صرف یہ کہ اس سے ہندوستان کی طاقت منتشر ہوگئی وہ تین ٹکڑوں میں بٹ گیا بلکہ مذہب علاقے اور زبان کے تعصب نے آپسی اختلافات کو اس درجہ بڑھایا کہ گذشتہ تقریبا ۶۰ برس ہندوستان پاکستان کے درمیان نفرت کے سائے میں گزرے۔

"ہمارا وہ سرمایہ اور انسانی نفوس جو ہماری ترقی کا باعث بن سکتی تھیں پستی اور کمزوری کا سامان بن گئیں، نفرتوں کا یہ سلسلہ آج بھی پوری طرح ختم نہیں [illegible]

آج اس تعصب کی بنیاد پر ایک وسیع قبرستان میں بدلتا جارہا ہے۔ گولیوں کی آوازیں اور زندہ انسانوں کی چیخیں اس زمین پر رہنے والوں کا مقدر بن گئی ہیں''(۱)

سامراج نے ملکوں میں طبقاتی نظام قائم کرکے لوگوں کا اقتصادی بائیکاٹ تو نہیں کردینا چاہتا ہے، یہ لوگ بڑے بڑے ایگری مینٹ سے اپنی جھولیاں بھر رہے ہیں، آزادی کے نام پر دینی عقائد کو سلب کیا جارہا ہے لوگوں کے حقوق پامال کئے جارہے ہیں، ملک کا بیشتر سرمایہ ایک خاص طبقہ کے قبضہ میں ہے۔

اسلامی ریاستوں پر قبضہ اور اسلامی مملکت کے دنیا پرست سربراہ، کرسی اقتدار سے چپکے رہنے کی خاطر اپنے ملک میں بھی استعمار کے نفوذ کا وسیلہ بنے ہوئے ہیں اس وجہ سے لوگوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہر میدان میں حاضر ہوں تا کہ دشمن وطن، خائن ملک وملت خیانت نہ کرسکیں، ملک اور قوم کے وقار، آزادی اور ذخائر کے دیگر منابع کی سودہ بازی نہ کرسکیں۔ کیا نہیں دیکھا کہ حریت، سکولرزم اور جمہوریت کے خوشنما فریب آور نعروں نے ملک اور قوم کو کس تباہی تک پہنچا دیا ہے، کس بہانے سے قوموں میں نفوذ کرکے ان کی حیثیت کو تباہ و برباد کیا ہے۔

استعمار کی اس شاطرانہ، منافقانہ سیاست کی قرآن حکیم نے کیا خوب وضاحت کی ہے:

﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾(۲)

جب ان اہل فتنہ وفساد سے کہا جاتا ہے کہ زمین (دنیا کے مختلف ملکوں، شہروں) میں فساد مت پھیلاؤ، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔

صدام تو برا تھا ہی لیکن امریکہ لوگوں کو نجات دینے آیا تھا اور جو ہوا وہ دنیا دیکھ رہی ہے چالیس لاکھ کے قریب عراقی بے وطن ہوگئے، جس دن سے یہ متحدہ افواج عراق میں داخل ہوئی ہیں ہر دن قتل، غارت، فتنہ، فساد و ویرانی ...دشمن کا جدید فتنہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں سے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی شخصیت اور قرآن جیسی معجز نما کتاب کو چھین لے اور اسلامی سیاست کو بدل ڈالیں، جس طرح خود اپنی دینی اور روحانی حیثیت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، مسلمانوں کو بھی تہی دست بنانا چاہتے ہیں۔ اسی مقصد کی تکمیل میں سلمان رشدی سے شیطانی آیات جیسی کتاب

۱۔ روزنامہ راشٹریہ سہارا۔ ۱۱/۱۶ مارچ ۲۰۰۷ ص ۱۱۔

لکھوائی گئی اور رسول اعظم ﷺ کی شخصیت کی اہانت بھی اسی طرح کی سازش تھی۔

﴿وَاِذْ یَمْکُرُبِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْیُخرِجُوْکَ وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُاللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ﴾(۱)

جب کافر آپ کی نسبت یہ مکر و تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو قید کرلیں یا آپ کو قتل کردیں یا آپ کو جلاوطن کردیں، وہ تو اپنی تدبیر کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور وہ سب سے اچھی تدبیر کرنے والا ہے۔

یہ اسوقت کا بیان ہے جب رؤسائے مکہ نے ایک رات دارالندوہ میں سازش رچی اور طے کیا کہ مختلف قبیلوں کے جوان ملکر آنحضرت کو قتل کردیں تاکہ ہم میں سے کسی کو ان کے بدلے قتل نہ کیا جائے، فقط دیت دیکر جان چھوٹ جائے، اس کے بعد آنحضرت کو راتوں رات محاصرہ میں لیا، لیکن امام علیؑ کے ایثار سے رسولؐ بچ گئے۔

امریکہ اپنے مظالم بھول گیا

''کے عنوان سے ''نوم چومسکی'' لکھتے ہیں کہ ۱۱ ستمبر کو امریکی شہروں پر کئے جانے والے حملوں کو انتہائی سنگین مظالم کا نام دیا جاسکتا ہے، اگرچہ متاثرہ افراد کی تعداد کے اعتبار سے یہ دیگر واقعات کی سطح تک نہیں پہنچتے۔ مثال کے طور پر کلنٹن کے عہد صدارت کے دوران سوڈان پر کی جانے والی بمباری، جس کے نتیجے میں نہ صرف اس کی ادویاجات نصف سے زائد مقدار میں تباہ ہوگئی بلکہ سیکڑوں ہزاروں افراد لقمہ اجل بن گئے تھے، جن کی تعداد آج تک معلوم نہ ہوسکی، وجہ یہ ہوئی کہ امریکہ نے اقوام متحدہ کی جانب سے کسی بھی تحقیقات پر پابندی عائد کردی تھی چنانچہ کسی کو بھی اس میں دلچسپی نہیں رہی'' (۲)

اسلام دہشت گردی روکتا ہے

اسلامی ادب میں ایک لفظ کلمہ ''فتک'' غفلت سے قتل کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ فقہ اسلامی میں اس کا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ بے گناہ انسان کو قتل کرنا، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے روایت نقل ہے:

۱۔ سورۂ انفال، آیت ۳۰۔ حاشیہ قرآن کریم، ترجمہ و تفسیر، آل سعود ص ۴۸۷۔

۲۔ [illegible]

﴿الاسلامُ قَیدُ الفتکَ﴾ (۱)

اسلام نے مکروفریب اور غفلت سے قتل کرنے کو منع کیا ہے۔

ہر فرقہ و مذہب میں ہر جگہ بے گناہ قتل کرنا حرام ہے، سوائے جو کسی جرم کا مرتکب ہو اور دلیل سے اسکا جرم ثابت ہو جائے۔ عبید اللہ ابن زیاد جب کوفہ میں جناب ہانی بن عروۃ کی مزاج پرسی کیلئے آپ کے گھر آیا تو جناب ہانی نے حضرت مسلم بن عقیل سے کہا کہ ابن زیاد جو دشمن اہل بیت ہے اور آپ کو قتل کرنے کے درپے ہے، موقع غنیمت ہے، اس کو قتل کر دیجئے۔ فرمایا کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا ہے، اگرچہ وہ ایک حیلہ کے تحت آیا ہے۔ جب اسلام اپنے دشمن کو دھوکے سے قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا تو پھر محاربہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ غربیوں نے ٹرورزم کے نام پر محاربہ اور مبارزہ شروع کیا ہے، لگتا ہے کہ اسلام اور مسلمان ہی ٹرورزم کے مترادف ہیں۔ یہ اسلام کے خلاف سازش رچی گئی ہے، واقعیت کو چھپاتے ہیں، جھوٹا الزام لگا کر اسلام پر لوگوں کو تحریک کرتے ہیں ٹرورزم کا ایک عالمی مسئلہ بنا کر مختلف ملکوں پر حملہ، خونریزی اور سرکشی کرنے سے پہلے ضروری تھا کہ اہل غرب ٹرورزم کا مفہوم عربی، غربی اور اسلامی ادبیات میں معلوم کر لیتے پھر کوئی عاقلانہ قدم اٹھاتے۔

ڈیویڈ آرون شوارٹز نے اپنے مقالہ ''عالمی ٹرورزم اور اسلامی حقوق'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''جو نیا مسئلہ ابھرا ہوا ہے، اسے غربیوں کو ادبیات کے ایک معنی میں منحصر نہیں کرنا چاہئے۔ غرب پہلے مکمل تحقیق کرے، اسلامی حقوق کا کیا نظریہ پیش کیا گیا ہے تاکہ نتیجہ میں عالمی ٹرورزم پر کنٹرول ہو، شریعت اسلام نے ٹرورزم اور خشونت کا کیا مفہوم لیا ہے اور اس کا کیا جواب دیا ہے'' (۲)

''یہ جمہوریت اور دہشت گردی کے مابین جنگ نہیں ہے، اصل میں اس کا سلسلہ بہت دراز ہے۔ اس میں وہ امریکی میزائل بھی شامل ہیں جنھوں نے فلسطینیوں کے گھروں کو تباہ کیا ہے، وہ امریکی ہیلی کاپٹرز جنھوں نے ۱۹۹۶ء میں لبنانی ایمبولینس پر میزائیل فائر کئے اور امریکی شیل جنھوں نے ''قانا'' نامی گاؤں کو تباہ کر دیا اور لبنانی

۱۔ محمدی ری شہری: منتخب میزان الحکمۃ، ج۹ ص ۴۵۰۸، ص ۴۵۰۹۔

۲۔ سیاست خارجی: سال ہفتم ۱۳۷۲/۲/۷، شمارہ ۲ و ۳، ص ۴۳۰/۔

ملیشیا پر امریکہ نواز اسرائیلیوں کے حملے جس کے نتیجے میں کیمپوں میں پناہ گزیں ہلاک ہوئے" (۱) لبنان کے نبطیہ علاقہ پر کئی دنوں تک اسرائیلی بمباری اور وحشیانہ قتل کا راز بھی شامل ہے۔

غربیوں کے جنگی عزائم

گذشتہ صدی سے سامراج کی عیارانہ، حاسدانہ، شاطرانہ اور متعصّبانہ قسم کی سیاست کو دنیا نے دیکھ لیا کہ اصلاح کا ڈھنڈھورا پیٹ کر اسلامی ملکوں میں براہ راست مداخلت کر کے اعلان جنگ کر دیا اور چند دنوں میں اس ملک وملت کی حیثیت، نظم اور امنیت کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ اپنی غلط سیاست کا بھرم رکھنے کیلئے انتخاب کروانا پڑا لیکن جب نئی حکومت نے اپنے تہذیب وتعہد کے مطابق چارج سنبھال کر کام کرنا شروع کیا جب بھی غربیوں کو نہ بھایا اور اس نئی حکومت کو گرانے کے لئے بغاوت، قتل وغارتگری پھیلانا شروع کر دیا۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ افغانستان میں کیا کم تباہی مچائی تھی، لاکھوں انسانوں کا بہیمانہ قتل اور ان کے گھروں کو ٹینکوں اور میزائلوں سے تاراج کر دیا گیا۔ عراق میں غیر قانونی حملہ ہوا، جن ناجائز اسلحوں کے بہانے حملہ کیا تھا وہ تو مل نہ سکا اور جو کچھ دستیاب بھی ہوا وہ خود انھیں کا ساختہ اور پرداختہ تھا۔

جب مسلسل جرم وظلم اور بہیمانہ سفاکیت سے منھ کالا کر لیا، مزید نہاں جرم عیاں ہوا تو مفروضہ دہشت گردوں کی تلاش وجستجو کے بہانے اعلان جنگ کر دیا گیا ہے۔

وہ دہشت گرد بھی انھیں کے گماشتہ اجینٹ ہیں، خیر اب تو دنیا پر واضح ہو گیا ہے کہ یہ سب ڈرامائی بازیگری کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ واقعاً اگر یہ سچے ہوتے تو کیا ان کے ملکوں میں آئے دن بغاوت، شورش اور ملکی سیاست کے خلاف لوگ احتجاج نہیں کرتے؟ روزانہ کتنے جرائم ہوتے رہتے ہیں، ان کے خلاف کتنی بغاوت ہوتی ہے، آخر اپنے ملکوں کے جرائم کو کیوں نہیں روکتے؟ معلوم ہوا کہ "پس پشت مقصد کچھ اور ہی ہے"

منجملہ اسلامی ممالک خاص طور سے میڈیل ایسٹ پر قبضہ جما کر مالی اور معنوی قدرت پر قبضہ جمانا ہے۔ ساتھ ہی اپنے ناجائز اسلحوں کی فروخت، ایران وسوریہ پر حملہ کی دھمکی اور اس کے علاوہ اپنے دشمنوں کو ایک

۱۔ نوم چومسکی: دنیا دہشت گرد کے سائے میں، ص ۱۴۲

نہ ایک بہانے سے ختم کرنا، دہشت گردی کے بہانے سے ملکوں کا استحصال کرنا، شہروں اور مقدس مقامات کی بے حرمتی کرنا، عورتوں کی عزت ریزی، ابوغریب اور گوانتانا موجیسے قید خانوں میں وحشیانہ درندوں کی طرح قیدیوں کو ضرب وشتم کرنا اور سب سے وحشت ناک انسانی عزت وکرامت کا مسخرہ اڑانا، جسکو کوئی غیرت مند شریف انسان برداشت نہیں کرسکتا ہے۔ دنیا نے بوسنیا کے مسلمانوں پر صربوں کا کون سا ظلم وستم سفاکیت قتل اور غارت گری نہیں دیکھی تھی؟ غرب کو کم ازکم اپنی ڈموکراسی اور حقوق بشر کا بھرم رکھنے کیلئے صربوں کو محکوم کرنا چاہیئے تھا!

آئے دن فلسطین کے شہروں پر طیاروں اور میزائلوں سے حملہ کر کے پورا پورا شہر ویرانے اور خرابے میں بدل دیا ہے، حقوق بشر کا نعرہ لگانے والے اسرائیل کی ہر ممکن حمایت کر رہے ہیں، ستم بالائے ستم یہی فلسطینی اپنے جائز حق کا مطالبہ کرتے ہیں تو ٹینکوں، میزائیلوں اور ہوائی حملوں سے ان کو تباہ وبرباد کر دیا جاتا ہے، ان کے رہبروں کو کھلم کھلا چن چن کے قتل کر دیا جاتا ہے۔ بربریت، دہشت، قتل وغارت، ویرانی، تباہی، عزت ریزی خونخواری اور درندگی اسرائیل اور اس کے ہمنواؤں کی طبیعت کا جزء بن گیا ہے۔ یہ اہل غرب کی مختصر منفور سیاست کے جرائم ہیں جسے دنیا سالہا سال سے دیکھتی چلی آرہی ہے۔

ان کے جانکاہ مظالم نے اہل حق وانصاف کو گریہ کناں کر دیا ہے، لگتا ہے غربیوں کی یہی تہذیب وثقافت ہے جو آئے دن ایک نہ ایک قوم پر یہ افتاد پڑ رہی ہے اور عربی ملکوں کے حکمراں بھی سیاسی اور حکومتی بندھن میں اسیر اپنے آقاؤں کی گستاخیوں کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔

حقوق کی دستیابی

جہاں تک سیاست اہل علم، ہنر اور ماہرین سے مخصوص ہے وہیں پر سارے لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے حقوق کی دستیابی ملک کی آزادی اور استقلال کے لئے متعلقہ تمام معلومات کی جانکاری رکھیں۔ کب ان پر ظالم درندوں کی جانب سے کوئی افتاد آپڑے، کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ مترقی مغرب کی نظر میں انسانیت کا کوئی پاس ولحاظ اور اہمیت نہیں ہے، یہ دنیا جاہ طلبی، ملک گیری اور دنیاداری کے اسباب کی دستیابی میں لگے ہوئے ہیں، جسے وہ ہر ممکن طریقہ سے حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔ اگرچہ قدرت، آمریت کے بل بوتے پر کیوں نہ ہو، آپ ملاحظہ فرمائیں:

۱۹/مارچ کو اسرائیلی وزیر اعظم شیرون نے ایک اخباری بیان میں کہا:
''ہر جگہ طاقت کا استعمال امریکہ اور اسرائیل کی مشترکہ پالیسی ہے''(۱) ملاحظہ فرمائیں کیا مسلمانوں کو دیگر ممالک کی طرح علمی ٹیکنالوجی اور نیوکلیر (nuclear) انرژی میں خود کفیل نہیں ہونا چاہئے؟

عالم گیر مظاہرے

''فروری/۲۰۰۳ء کے دوران پوری دنیا میں امریکہ کے جنگی عزائم کے خلاف ہر ملک میں جو احتجاجی مظاہرے ہو رہے تھے، وہ ۱۵/فروری کو اپنے عروج پر پہنچ گئے۔ تاریخ انسانیت میں جنگ کے خلاف اتنا بڑا عالمگیر مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا جس میں ہر مذہب و نسل کے لوگوں نے سینکڑوں شہروں میں سوا کروڑ سے زائد افراد نے امریکہ کے جنگی عزائم کے خلاف امن کے حق میں اجتماعی آواز بلند کی، مظاہروں کا سلسلہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے شروع ہو کر امریکہ تک پھیل گیا۔ لندن میں ۲۰/لاکھ، برلن میں ۵/لاکھ، پیرس میں ساڑھے تین لاکھ، دمشق میں دو لاکھ، ڈبلن میں ایک لاکھ، میڈرڈ میں ۲۰/لاکھ، اٹلی میں ۳۰/لاکھ افراد نے زبردست مظاہرے کئے، جن کو تاریخ نے سب سے بڑا مظاہرہ قرار دیا ہے''(۲)

خودغرضی کی انتہا

غربیوں کی خودغرضی اتنی بڑھ گئی کہ اپنے مفاد کے آگے انھیں کچھ نہیں دکھائی دیتا ہے۔ دنیا کے دیگر ممالک لاکھ احتجاج اور استغاثہ بلند کرتے رہیں، لیکن اہل غرب کو غیر از خود کوئی انسان ہی نہیں نظر آتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ پرندوں کی انفلوئنزا (Bird Flue) جیسی بیماری سے دنیا بھر میں ۱۰۰/لوگ بھی نہیں مرے ہوں گے لیکن اس واقعہ سے اہل مغرب بلبلا اٹھے، دنیا بھر میں واویلا مچایا اور بڑی ہمدردیاں جتائی لیکن فلسطین، افغانستان، لبنان اور عراق میں لاکھوں، کروڑوں بے گناہ بوڑھے، بچوں کے قتل پر ان کے کانوں میں جوں تک نہیں رینگتی۔

۱۔ حافظ عاکف سعید، عراق سرزمین انبیاء، ص/۱۹۴۔

۲۔ حافظ عاکف سعید، عراق: سرزمین انبیاء ص/۱۹۱۔

اس غلط سیاست میں کچھ ملکوں کی حکمراں جماعت اپنی دیرینہ کدورت وعداوت اور حرص حکومت کے باعث شریک جرم رہی ہیں اور اسلام و مسلمان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے منصوبہ میں برابر کے شریک رہے۔

ان میں خاص طور سے میڈیل ایسٹ کی زرخیز زمین جو مادی اور معنوی سرمایہ سے مالا مال ہے، ان اموال پر قبضہ جمانا اور یہاں کے لوگ جو مکتب اہل بیت ؑ کی پیروی کرنے والے، ان کی محبت، اطاعت اور ولایت کی دولت ایمان چھین لینا چاہتے ہیں۔ انھیں پتہ نہیں قتل وغارتگری سے یہ دولت نہیں چھین سکیں گے کیونکہ یہ ان کی سرشت میں رچ بس گئی ہے۔ دشمنوں سے اس کے تحفظ کا واحد راستہ پیغمبر اعظم ﷺ کی سیرت پر عمل کرنا ہے، اور آنحضرت کے اہلبیت ؑ سے محبت، ان کی اطاعت اور خاص طور سے امام حسین -اور شہداء کربلا کے راستہ کی سچی پیروی کرنا ہے۔ جس کے لئے ہمیں رسول اکرم ﷺ کی ان سیاسی سیرت کا مطالعہ کرنا ہوگا جس کے تحت رسول اللہ ﷺ نے (جبکہ پورا کفر و شرک اور نفاق کا مشترکہ محاذ مخالفت کررہا تھا) اسلام کے آئین کو معاشرہ میں نافذ کیا اور لوگوں نے جان کی بازی لگا کر اسکا استقبال کیا۔

صہیونزم کے عزائم

مذکورہ باتوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ دشمن کی نظر میں بین الاقوامی اور عالمی منشور کی کوئی اہمیت نہیں ہے، بلکہ وہ جو چاہیں کرسکتے اور کربھی رہے ہیں، افغانستان کی طرح عراق پر حملہ کرنے کیلئے اقوام متحدہ کے منشور کی اجازت کو بھی ضروری نہیں سمجھا اور جرائم ومظالم ان کا مشغلہ بن چکا ہے۔

صہیونزم نے ہمیشہ عالم اسلام کو تقسیم اور تنازع میں ڈالنے کی کوشش کی ہے تاکہ مسلمان آپس میں دست و گریباں رہیں اور ان کی قدرت گھٹتی رہے۔

جب بھی عالم اسلام کو متحد دیکھتے ہیں ان کی روح کانپ جاتی ہے۔ رسول اعظم ﷺ کی اہانت کا مسئلہ سامنے آیا، دیکھا عالم اسلام کے جذبات بھڑک گئے، سب متحد ہوگئے ہیں تو فوراً سامرہ میں دو امام کے حرم مطہر کو منہدم کردیا کیونکہ اس شہر کے باشندے زیادہ سنی ہیں اور پورے شہر پر غربیوں کا کنٹرول تھا، لہٰذا چاہا کہ شیعہ سنی مسلمانوں کو آپس میں لڑادیں اور اہانت رسول اعظم ﷺ سے جو یہودیت کا مسلمانوں کے اتحاد سے نقصان

پہنچنے والا ہے، مسلمانوں کے اس جوش وخروش اور انتقامی جذبہ کو کم کردے گا۔

ایران سے غربیوں کا غم وغصہ

یقیناً ہزاروں سال سے اسلام مخالف منصوبہ بناتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے آئے ہیں، ان کا مقصد پوری دنیا پر اپنے پنجے مضبوط گاڑ کر ایک عالمی حکومت بنانا ہے۔ انھیں اس بات کا یقین ہے کہ یہ کام صرف اسلام انجام دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ قرآن نے اس کا دعویٰ بھی کیا ہے، اسلئے کفار، مشرکین اور منافقین ہمیشہ رکاوٹیں پیدا کرتے رہے ہیں، آج بھی اسلامی قدرت کا ایک نمونہ دیکھا، انقلاب ایران نے ''ولایت فقیہ'' کی نظارت میں اسلامی حکومت ادارہ کرکے واضح کردیا کہ ایک چھوٹے سے ملک میں اتحاد وانسجام پیدا ہوجائے تو سامراجی بڑی بڑی طاقتیں خود بدم رہ جاتی ہیں۔ انھوں نے درک کیا کہ یہی آئیڈیالوجی پورے عالم پر حاکم ہورہی ہے کیونکہ تین دہائی سے ایران کی حکومت ''ولی فقیہ'' کی نظارت میں شش جہتی ارتقائی مرحلوں سے بحسن وخوبی گذر رہی ہے، دوسری طرف غرب کی حکومتیں دم توڑتی دکھائی دے رہی ہیں، ان سب سے غربیوں کی حیرت اور حساسیت بڑھتی جارہی ہے۔ پڑوسی ملک افغانستان وعراق میں امنیت بحال نہیں ہونے دیتے کیونکہ وہ مالک بھی اسی آئیڈیالوجی سے ملحق ہوجائیں گے۔ دوسری وجہ ایران نے اسرائیل کی غیر اصولی باتوں پر گفتگو کرنے کی عالمی برادری کو دعوت دی، جس بنیاد پر اسرائیل وجود میں آیا ہے، یہ تو دنیا جانتی ہے صیہونیزم ''ہولوکاسٹ'' کے جھوٹے عزائم کے ذریعہ ایک حکومت بنانے کا منصوبہ تھا جس میں وہ کامیاب ہوئے۔

ایرانی صدر ڈاکٹر محمود احمدی نژاد نے ''ہولوکاسٹ'' کی تاریخی حیثیت پر دانشوروں کو آزاد تحقیق کرنے کا مطالبہ کیا تو (چونکہ اس سے اسرائیل کے ناجائز وجود کا مخفی، سیکریٹ راز عیاں ہورہا تھا، اس وجہ سے) سارے متحدہ محاذ جو اسرائیل کو تحفظ فراہم کرنے والے ہیں، واویلا مچادیا۔

اسلامی معاشرہ کے ارتقا، قرآنی معروفات اور منہیات، جہاد، استقلال، حکومت جیسی تعلیمات کو غرب مٹانے پر تلے ہیں اور اسلامی جمہوری ایران سب کو فروغ دینا چاہتا ہے، جس کی افادیت سارے اسلامی ملکوں تک پہنچ رہی ہے۔ اس کی اگر حکمراں جماعت نہیں تو لوگ بہرحال تاسی کررہے ہیں۔ چونکہ اہل غرب اپنے

خودساختہ نظام سے تھک چکے ہیں وہ بھی اسلام کی طرف مائل ہیں اور تہذیب وثقافت میں آگے بڑھ رہے ہیں۔

یک قطبی (Uni polar) سپر طاقت

جب سیکمیونسٹ (Commubist) کا اتحادی جماہیر منقسم ہوا ہے اس کی طاقت کم ہوگئی۔اسی وقت سے دنیا کی کیپٹلزم (Capltalism) جیسی اکلوتی سپر طاقت یک قطبی طاقت بن گئی پھر کیا تھا، کمزور ملکوں کا کیا ذکر ہے کرہ شمالی سے لیکر دنیا بھر کے گوشہ وکنار خاص طور سے میڈل ایسٹ کے ممالک امان میں نہ رہے، روز بروز مظالم کی افزائش ہوتی جارہی ہے۔افغانستان کی مظلومیت کا نہ پوچھئے، یوں تو مسلسل دنیا کی سپر طاقتوں نے ملکر اس ملک کا خون چوسا لیکن امریکہ نے اس سرزمین کومسلمان کشی کیلئے محاذ بنانے کی خاطر قبضہ جمایا اور اب ایسی ایسی مصیبت افغانستان پر تھوپی جارہی ہے جس کا کوئی دفاع کرنے والا نہیں ہے۔

پہلے امریکہ کا حریف کمیونسٹ تھا، قدرے سکون اور امن تھا کیونکہ دونوں طرف کے ایجنٹ ملک میں موجود اپنے اپنے مفاد حاصل کرنے میں ایک دوسرے پر چھینا جھپٹی میں مصروف تھے،ایک طرف سے غرب کے نمائندے نجیب اللہ ربانی پر سبقت لے جانا چاہتے تھے دوسری طرف اس کے برعکس، آخرکار حکومت گر گئی۔جرم کیا تھا اعلان کردیا تھا کہ افغانستان کی حکومت اسلامی اور اس کے پرچم کا آرم خدا اور اسلام ہوگا۔

اس موقع پر غربیوں نے چال چلی اور جیسا کہ سامراج اکثر ممالک میں ایک متحرک ڈھڑے کوسپوٹ دیکر اپنے مفاد کو کسی بھی ظلم وبربریت کے باوجود حاصل کرتا ہے، افغانستان میں طالبان جیسی شدت پسند پارٹی بنا کر انھیں ہر طرح کے مادی امکانات اور اسلحہ فراہم کیا، انھیں کے ذریعہ سے ربانی کی حکوت کو گرایا گیا۔شاہ احمد مسعود جیسے چوٹی کے سنی سنجیدہ لیڈر کو دھوکہ سے قتل کیا، شیعہ کشی ہوئی، بامیان ومزار شریف کی شیعہ طاقت کافی کمزور کی گئی، ان سب کے باوجود طالبان (جو امریکہ کی تربیت یافتہ تنظیم ہے) نے امریکہ کے مفاد کیلئے کیا کچھ نہیں کیا تھا، لیکن جب حکومت بنائی، کچھ استقلال وحریت کا مظاہرہ کیا، اسلامی احکام کو نافذ کرنا چاہا، جو امریکہ کے حق میں مناسب نہ تھا، تو بڑی بے رحمی سے ان کے ٹھکانوں پر حملہ کرکے انھیں کچل ڈالا اور ابھی اسی فکر میں ہیں کہ آئندہ حکومت ظاہر خان جیسی شخصیت کی ہو، کس کی ہو؟ جس پر مکمل اعتماد ہو، یعنی جن کے ذریعہ سے استحصال ممکن ہو۔

بالکل یہی حال عراق اور فلسطین کا ہوا، انتخاب کا بہانہ کیا، انتخابات صحیح سالم اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہوا، حکومت بن گئی، حکمراں جماعت انتخاب کے ذریعہ عمل میں آئی اور انتخابی حکومت کام کرنے لگی، دیکھا مسلمان بیدار ہیں، منتخب حکومت مستقل کام کرنا چاہتی ہے، خود اپنی بنائی حکومت کو کام نہیں کرنے دیا بلکہ حکومتی کارکنوں، مجلس کے نمائندوں اور پارٹی رہبروں کو چن چن کر اسرائیلی اسیر کرنے لگے۔ شہروں پر جارحانہ بمباری کر کے تباہ کیا جانے لگا۔ ہر بہانے سے قتل وخونریزی اور فرقہ وارانہ تعصب پھیلایا گیا۔ کئی مقامات پر غربی فوج اور جاسوس پکڑے گئے روز بروز ان کی سیاست سے لوگ واقف ہوتے گئے تو خود میدان میں اتر آئے جس کے سامنے دشمن گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو رہا ہے لیکن اس کے بدلہ میں بہت زیادہ انسان قربانیوں کا خراج ادا کرنا پڑ رہا ہے

عزیز برنی: امریکہ کی دنیا میں مسلسل بربریت اور سفاکیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''افغانستان اور عراق کی تباہی کا معاملہ ہو یا ایران، شام، لبنان پر منڈلاتے خطرے کے بادل، سوویت یونین کا بکھراؤ ہو یا ہندوستان کی تقسیم، اصل ایشو صرف ایک ہے کہ دنیا کی سپر پاور رہنا ہے اور باقی سب کو صفر پاور رہنا ہے''(۱)

اس پورے خطہ میڈل ایسٹ پر قبضہ جمانے کے حوالے سے امریکی صدر بش نے بیان میں کہا ہے:

''عراق کو دوسرا اسرائیل بنانا ہے''

غربیوں کا بارہا اعلان کہ اس پورے خطہ کا نقشہ بدلنا ہے، جس سیاست کو کئی سالوں سے نافذ کر رہے ہیں۔ اسی سلسلہ کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پہلے ہی سے دینی آثار کو مٹایا جا رہا ہے، ضعیف اعتقاد رکھنے والے مسلمانوں کو خرید کر اسلامی سربراہوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے۔ نام نہاد مسلمان بقول امام خمینی کے اسلام امریکی کے ایجنٹوں کو حکومت ومنصب دیکر انسان کشی کی جا رہی ہے۔ اسلامی مملکتوں کے سربراہ جو غربیوں کی منفعت کیلئے بیٹھائے گئے ہیں، فلسطینی عراقی افغانی اور لبنانی مظلوموں کے جو خون بہائے جا رہے ہیں، یہ سارے حکمراں ضامن اور جواب دہ ہیں، یقیناً یہ سب اسرائیلی امریکی ظالموں اور قاتلوں کے ظلم وقتل میں برابر کے شریک ہیں، خداوند عالم ان سب سے ضرور انتقام لے گا۔

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین سیاست

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ جو آنحضرت کے رفتار، کردار، ارشاد، احکام اور اخلاق پر مشتمل ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کی ترقی کا ایک بنیادی سبب آنحضرت کی بہترین سیرت تھی۔ سیرت رسول کی پیروی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ صرف ان کی خوشی اور غمی کے چند مراسم میں شریک ہو جائیں، وقتی طور پر رضا کارانہ مختلف پروگراموں میں پیش پیش رہکر بڑی اچھی کارکردگی دکھا دیں، یا دینی، سماجی اجرائی کاموں میں نمایاں رہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ سیرت رسول واہلبیت ؑ ہم انسانوں کے اعضاء وجوارح، اعمال واعتقاد میں رچ بس جائے۔ انسان کا کردار، گفتار، اخلاق وعادات اور دیگر معاملات سب میں سیرت اہلبیت ؑ کے صفات کی تصویر دکھائی دے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے چند پہلو بیان کرتے ہیں جو انسانی ترقی میں سیاست کا نمونہ بنی ہے:

۱. آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی شہرۂ آفاق شخصیت کیوجہ سے دشمن بھی امین وصادق کہنے پر مجبور ہوئے۔

۲. لوگوں سے کشادہ روئی، محبت سے ملنا، سلام کرنے میں سبقت کرنا، مجلس میں دوزانو بیٹھنا...

۳. غلاموں پر نہایت مہربان ہونا، جو کھانا خود تناول فرماتے انھیں بھی کھلانا، جو کپڑے پہنتے ان کو پہناتے اور طاقت فرسا کام لینے سے پرہیز کرتے تھے۔ جو کام غلام کرتے اس کو خود بھی انجام دیتے تھے۔

۴. اصحاب وانصار اور سامنے کے لوگوں سے نرمی، مہربانی اور عفو وبخشش سے کام لیتے تھے۔ ان کی شخصیت کا احترام کرتے اور ان سے مشورہ کرتے تھے۔

۵. اصول زندگی میں نہایت سادگی اور درمیانی طبقہ کے لوگوں کے مساوی ومطابق زندگی بسر کرتے تھے۔

۶. عزم وارادہ میں کوہ گراں تھے، ایمان میں اتنا استقلال تھا کہ مشکلوں اور دشواریوں سے ذرہ برابر ثبات

قدم میں لغزش نہیں آتی تھی۔

۷. بیکاری، سستی سے سخت نفرت تھی، مسلمانوں کو مختلف کاموں اور کارکردگی کی تشویق دلاتے تھے، تعریف تملق اور چاپلوسی سے نفرت کرتے تھے۔

۸. پاکیزگی، صفائی، سچائی، خوش کلامی اور خوشبو کو بہت پسند فرماتے تھے۔

۹. اہل خانہ وخاندان پر مہربان رہتے، اگر بیویوں سے کوئی تلخی دیکھتے تو اس کو درگذر کردیتے تھے۔ فرزند یعنی نواسوں سے، بہت محبت کرتے، انھیں آغوش میں بیٹھاتے اور کاندھے پر سوار کرتے تھے۔

۱۰. رہبانیت، اہل خانہ وخاندان اور اعزاہ سے قطع رحم کے مخالف تھے۔

۱۱. معین کردہ فیصلہ پر مصمم رہنا، استعداد اور توانائی کی تربیت کرنا، دوراندیشی اور منصوبہ کے تحت کام کرنا، نقد واعتراض کو تحمل کرنا، کاموں کو منظّم شکل دینا، زور زبردستی اور جاہلانہ پیروی سے پرہیزتے تھے۔

۱۲. آنحضرت ﷺ قومی تعصب، اختلاف کے مخالف تھے، ہمیشہ کوشش کرتے کہ آپس میں کوئی تعصب وعناد کی آگ نہ بھڑک جائے، بلکہ محبت والفت کی فضا بحال رہے۔ تاکہ سماج میں اچھے اثرات مرتب ہوں۔

اسلام اخلاق سے پھیلا

اسلام کا مقصد انسانی تربیت، توانائی، تعلیم، تکریم کو تدریجا بڑھاوا دینا ہے جس سے ان کے اندرونی امتیازات اجاگر ہوں۔ یہی بنیادی مقصد ہے۔ جو عین فطرت اور طبیعت انسانی کی شان ہے۔ اسلام مخالف، فرقہ پرست، مفاد پرست اور شدت پسند تنظیموں کو اس بات کا باور ہونا چاہیے کہ ظلم وتجاوز سے ملک ومال پر وقتی قبضہ جمایا جاسکتا ہے لیکن روحانی امتیاز کو نہیں چھینا جاسکتا ہے اور جب بھی کوئی فتح وکامیابی تلوار یا میڈیا کے بل بوتے پر حاصل ہوتی ہے تو فاتحین کے سر پر ہمیشہ خوف وہراس اور دہشت کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ اگرچہ وقتا، فوقتا ظاہری فائدہ ہو جائے۔ اہل غرب خود ساختہ سیاسی قانون سے تھک چکے ہیں، اور اہل علم وتدین پر ہمیشہ الزام تراشی کرتے رہے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ ”لَا اِكْـرَاهَ فِي الدِّيْنِ“ جبکہ دین اسلام میں کوئی زبردستی اور اکراہ نہیں ہے۔ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا ہے اور اگر ایسا ہوتا تو خود بخود اسلام کا پورا نظام متزلزل ہوجاتا۔

رسول اعظم ﷺ کی اخلاقی سیاست

۱. رسول اکرم ﷺ کی ذاتی اخلاقی، اجتماعی، سیاسی اور سماجی خصوصیت کی بناء پر ابوسفیان و ابوجہل جیسے سخت دشمنوں نے رسول کی پاکیزگی، امانتداری اور اخلاقی جیسی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ جس سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اگر مسلمان معاشرہ اخلاق رسول سے اپنے کو سنوار لے تو اسلام پوری دنیا میں نفوذ کر جائے۔

۲. مرسل اعظم انسانی معاشرہ کو کم سے کم مادی امکانات میں بہتر طریقہ سے ادارہ کرتے تھے، جس سیرت پر اکثر عمل نہیں کرتے ہیں۔ خود اسلامی مملکت کی حکمراں جماعت اس کی رعایت نہیں کرتی۔

۳. ظلم کے خلاف مقابلہ اور نفاذ عدالت کی عملی تحریک میں بہت اہمیت کا قائل ہونا۔

رسول اکرم ﷺ کھلم کھلا کفر و شرک، اشراف گری، قوم پرستی، ظلم اور سرکشی کے مخالفت تھے۔ کمزور، مظلوم، ستم دیدہ لوگوں اور پسماندہ قوموں کی حمایت کرتے تھے۔

۴. قرآنی احکام کے نشر و ابلاغ کا وظیفہ جو فطرت سے ہم آہنگ ہو اور ایسے مکتب کی تبلیغ جس میں شعبہ حیات کے انفرادی، اجتماعی، سیاسی، ثقافتی اور عالمی دستور پائے جاتے ہوں، موجود تھے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول جیسی عظیم نعمت و ہدایت کو بھیج کر ہم پر احسان فرمایا ہے، جنھوں نے عالم بشریت کو دگرگوں کردیا، خاص طور سے مرسل اعظم کی شخصیت کے ایسے مطالب جس کو کماحقہ لوگ سمجھ نہیں سکے اور نہ ہی عمل کر سکے تھے، ان جملہ خوبیوں کو جو عالم مبدأ سے عالم آخرت تک پہنچاتا ہے۔

اسلام قرآن سے پھیلا

قرآن اسلام کی زبان حال میں گفتگو کرتا ہے، یہ پوری نوع انسانیت سے مخاطب ہے۔ جیسے جیسے آیات کا نزول ہوتا تھا، حضرت رسول اکرم ﷺ بلا قید و فرق تمام لوگوں کے لئے اس کی تلاوت فرماتے تھے۔ سننے والوں میں آیتوں کی بہت جلد تاثیر ہوتی اور سب کی امیدیں بندھ جاتی تھیں کیونکہ ایسی حکمت و دانش اور الہام بخش بات ہی ہوتی تھی، مزید اس میں کوئی نقص و عیب اور شبہہ نہیں پایا جاتا تھا رسول کی صداقت کے علاوہ قرآن سارے شک و شبہات سے پاک اور منزہ تھا، جو جتنا زیادہ دقت کرتا ہے اتنا ہی اس کی گہرائی سے مطلب حاصل کرتا ہے۔

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴾ (۱)

کافروں نے کہا اس قرآن کو مت سنو، اس میں جنجال پھیلاؤ، شاید غالب آجاؤ۔

جیسا کہ انگلینڈ کے ایک بلند مرتبہ حاکم نے کہا ہے:

جب تک مسلمانوں کے درمیان قرآن موجود ہے ان پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا لہذا قرآن سے ان مسلمانوں کو جدا کر دیا جائے، اور کر بھی رہے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ان کے محققین فائدہ بھی اٹھا رہے ہے اور دوسری طرف اس قرآن کی افادیت ختم بھی کر رہے ہیں۔

نبی کی تلاوت اور اسلام کی فتح

قریش نبی کی دلنشیں آواز کسطرح سنتے تھے، اس کو ابن اسحاق نے محمد بن مسلم بن شہاب الزہری سے نقل کیا ہے:

''ایک شب کا واقعہ ہے کہ ابو سفیان بن حرب، ابو جہل بن ہشام، اخنس بن شریق بن عمرو بن وہب ثقفی اور حلیف بنی زہرۃ ایک دوسرے کو بغیر اطلاع کئے گھروں سے باہر آئے، ہر ایک خانۂ رسول کے اطراف پوشیدہ ہوتے گئے تا کہ قرآن کی دلنشین آواز سن سکیں۔ صبح تک وہاں رہے، قرآن سنتے رہے، پھر متفرق ہوئے، واپسی پر ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی تو سرزنش کرنے لگے، مصمم ارادہ کر لیا اب نہیں جائیں گے لیکن دوسری اور تیسری شب کو بھی تکرار ہوا گویا ایک اندرونی طاقت و کشش تھی جو خانہ رسول کی طرف کھینچ رہی تھی'' (۲) دشمن ہر دن طے کرتے کہ اب نہیں جائیں گے لیکن دوسرا دن آتے ہی پھر پہنچ جاتے تھے:

توبہ کردم دیگر مئے نخورم

بجز امشب و فردا و شب ہای دیگر

۱۔ سورہ فصلت، آیت/۲۶۔

۲۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ، ج۱ص/۳۵۲۔

''طفیل بن عمرو دوسی (جو بنی غنم قبیلہ سے تھا) کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے تلاوت کی، واللہ ایسی دلنشین بات اور اس سے زیادہ عدل وانصاف پر مشتمل کوئی کلام نہیں سنا تھا، خود بھی اسلام قبول کرلیا اور اپنے اہل خانہ وخاندان کو بھی دعوت دی، جس کے اثرات سے بہت سے مسلمان ہو گئے'' (۱)

﴿فُتِحَتِ المَدِینَۃُ بِالقُرآن﴾ مدینہ منورہ قرآن سے فتح ہوا (۲)

دراصل آج کی مترقی دنیا میں مغربی مادی زندگی ہو یا مشرقی مشرکانہ توہم پرستی، ان سب سے لوگ اکتا چکے ہیں اور دنیا امن وآشتی اور فطرت بشری کی بناء پر اسلام سے ملحق ہونا چاہتی ہے۔ آج بھی کوئی دیکھنا چاہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے یا اپنی حقانیت کے سبب سے۔ نیوکلیر جیسے اسلحے کو دیکھ لیجئے، کیا کسی اسلامی ملک کے پاس ہے یا دیگر ممالک قدرت وجرأت رکھتے ہیں اور اہل مغرب اس بات کو برداشت کر پائیں گے کہ مسلمان ٹیکنالوجیز میں مہارت حاصل کر کے عالمی رقابت میں حصہ لیں؟ اہل اسلام کی اتنی مجبوری کے باوجود یورپی دنیا میں آزاد طبیعت کے لوگ امریکہ کی جیلوں میں مقید ہیں لیکن ان کا مطالبہ ہے کہ انھیں اسلامی لٹریچر اور قرآن شریف دیا جائے۔

آج جبکہ قدرت، دولت اور میڈیا یہودیوں کے اختیار میں ہے، اقوام متحدہ کے سربراہان مملکت جن کو دنیا کی تقدیر بنانے بگاڑنے کا ''ویٹو پاور'' حاصل ہے، ان پانچ ملکوں میں اسلامی ملکوں کی کوئی ایک نمائندگی بھی نہیں ہے۔ ان سب کے باوجود بھی اہل علم ومنطق اور غیر متعصب لوگ اسلام کے گرویدہ ہوئے جا رہے ہیں۔ اب یہ لوگ جن کا دنیا پر پورا پورا کنٹرول ہے، بتائیں قدرت اور اسلحوں کے زور پر اسلام پھیل رہا ہے؟

جواب معلوم ہے کیونکہ یہ تو ہزاروں سال سے تجربہ کرتے آرہے ہیں اور دنیا کی زیادہ تر ثروت، طاقت اور میڈیا انھیں کے قبضہ میں رہی ہے، پھر بھی اسلام کی حقانیت کا بڑھتا ہوا سیلاب روکنے سے قاصر ہیں۔ اپنی شاطرانہ چال اور دوغلی سیاست سے مسلسل اسلامی ملکوں کو کچلتے چلے آرہے ہیں۔

۱۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۳۸۲، ص ۴۰۷۔

۲۔ فتوح البلدان ص ۲۱۔

رسول اعظم ﷺ کی تعلیمات اور سیرت پاک کی جستجو روبافزائش ہے کیونکہ اسلام نے انسانوں کو اس کی کرامت، شرافت کا صحیح درجہ دیا ہے، انھیں اخوت، الفت، وحدت اور مساوات کی ترغیب دلائی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے زمانہ جاہلیت کی نسل درنسل جنگوں کو ختم کیا ہے، کالے گورے، امیر غریب اور عرب وعجم کی تفریق کو مٹایا ہے۔ اسلام میں مال ودولت سے زیادہ ایمان اور کرامت انسانی کو اہمیت دی ہے۔

رسول اسلام ﷺ کی سیرت پاک میں ملک گیری، ظاہری فتح کی اہمیت نہیں ہے بلکہ بندگان خدا کی تربیت، ان کی نجات کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ اگر دیکھا کہ جنگ کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے پھر اسلام کے عالمی قوانین کی رعایت کرتے ہوئے جنگ کی ہے، مثال کے طور پر:

فتح مکہ کا مسئلہ تھا تو لشکر اسلام کو مکہ کی شاہراہوں پر تائنات کرنے سے پہلے رسول خدا ﷺ نے سارے سرداروں، کمانڈروں کو بلایا اور فرمایا:

میری پوری کوشش یہی ہے کہ بغیر خونریزی کے مکہ فتح ہو لہذا غیر مزاحم افراد کو قتل کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

پیغمبر اسلام کے خطوط میں سہیل بن یوسف نے اپنے پدر اور اس نے عبید بن صخر کے ذریعہ خبر نقل کی ہے پیغمبر خدا ﷺ نے اپنے یمنی صوبائی ذمہ دار کو یہ خط لکھا:

''جس نے اسلام قبول کرلیا، وہ سود وزیاں میں ہمارے مساوی ہوگا جو دوسرے آئین پر اپنے جداگانہ دین پر باقی رہے، اس پر سختی نہ کرو۔ ہر فرد اپنی توانائی کے لحاظ سے ایک دینار یا بیشتر ادا کرے، جو ادا کرے وہ ہمارے ساتھ ہوگا، ہم اس کا دفاع کریں گے جو ادا کرنے سے انکار کرے گا وہ ہماری پناہ میں نہیں ہوگا (۱)

پھانسی کا حکم دینا

آنحضرت نے جہاں ایسے جنگی قوانین بنائے جس میں آشتی، طمانیت اور امنیت پائی جاتی ہے اس کے باوجود، دس افراد کیلئے تاکید فرماتے ہیں کہ یہ جہاں بھی ملیں انھیں پھانسی دیدی جائے، ان افراد کے نام یہ ہیں:

۱۔ ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ: نامہ ہا و پیمانہای سیاسی حضرت محمد و اسناد صدر اسلام،

''عکرمہ ابن ابی جہل، ہبار بن اسود، عبداللہ بن سعد ابی سرح، مقیس صبابہ لیثی، حویرث بن نفیل، عبداللہ بن خطل، صفوان بن امیہ، وحشی بن حرب (قاتل حمزہ)، عبداللہ بن الزبیری اور حارث بن طلاطلہ، اس کے علاوہ چار خاتون جس میں دو گانے بجانے والی خاتون تھیں۔ یہ رسول اللہ کی مذمت میں برے کلمات زبان پر جاری کرتی تھیں (جن میں زوجہ ابوسفیان بھی تھی) یہ تمام افراد مجرم سمجھے گئے تھے، غلط افواہیں پھیلاتے تھے لہذا رسول خدا نے ان کے قتل کا حکم دیا'' (۱)

ایسا عظیم المرتبت رسول جو اصول، قول و قرار پر آخری نفس تک استقامت کرتا ہے، جو بشریت کی خیر سگالی چاہتا ہے، جو ہر جنبہ سے اکمل و احسن نمونہ ہے، دشمن انھیں مٹانے پر تلا ہوا ہے۔ سال گذشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کا تمسخر اڑانا چاہا، جس پر مسلمانان عالم نے شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ مسلمانوں کی رگ حمیت کا اندازہ کرنے کی غرض سے دوسرے سال پھر اپنی دشمنی و عناد کا مظاہرہ کیا۔ یہ گاہے بگاہے رسول یا اہل بیت علیہم السلام کی بے حرمتی کر کے مسلمانوں سے دھیرے دھیرے ان کے ایمانی جذبات کو چھینا جا رہا ہے۔

مجرموں اور مفسدوں کی سزا

مذکورہ واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حاکم شرع غلط افواہ اور پروپگنڈہ پھیلانے والے کی تفتیش کرنے کے بعد اس کو سزا دے سکتا ہے۔ حضرت امام خمینیؒ نے جب دیکھا کہ کتاب خدا، رسول اللہ اور ازواج رسول اللہ کی ہتک حرمت کی جا رہی ہے تو آپ نے دلیلوں سے استفادہ کرتے ہوئے سلمان رشدی کے قتل کا فتویٰ دیا اور فرمایا:

''تمام دنیا کے غیر تمند مسلمانوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ آیات شیطانی کے مؤلف نے اسلام، پیغمبر اکرم اور قرآن کریم کی بے حرمتی کی ہے، ساتھ ہی جنھوں نے یہ مطالب جان بوجھ کر نشر کیا ہے، ان کیلئے پھانسی کا حکم ہے۔ غیر تمند مسلمانوں سے تقاضا ہے کہ جہاں بھی اس کو پائیں جلد از جلد پھانسی دیدیں تا کہ کسی اور مقدسات کی توہین کرنے کی جرأت نہ کر سکیں اور جو شخص اس راہ میں مارا جائے وہ شہید ہوگا'' (۲)

۱۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویہ، ج ۴/ ص ۵۴/، ۵۱۔

انھیں سیاست کے پیش نظر ایران کے روحانی اور سیاسی پیشوا حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ نے امسال (۱۳۸۵ش) کو سال پیغمبر اعظم ﷺ کے نام نامی سے منسوب کیا تا کہ مسلمانان عالم آنحضرت کی سیرت پر چلیں اور دنیا والوں کو درس عمل دے سکیں کہ اسلام درحقیقت انسانوں کو الفت ومحبت اور عقلانیت کیساتھ زندگی گذارنے کا نام ہے۔ اگر پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت پاک پر سارے لوگ چلنے لگیں تو بدعنوانی اور غلط کاری کا یکسرے سے خاتمہ ہوسکتا ہے۔

اگر چہ صدر اسلام کے کچھ زمانہ بعد سیرت رسول پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے قوم رفاہ وراحت کے اسباب کی طرف زیادہ مائل ہوگئی تھی، ابوحیان توحیدی نے لکھا ہے: صدر اسلام کا زمانہ خالص دین کا زمانہ تھا، بنی مروان کا دور ریاء، دھوکہ اور فتوحات میں اور عباسیوں کا عہد شہوت ولذت کی توسیع میں گزرا، جس کے بعد کچھ باقی نہیں بچتا(۱)

سادگی سے متعلق امیر المومنین علی بن ابیطالب فرماتے ہیں کہ اپنی زرہ کو اتنا رفو کیا کہ رفوگر کے پاس لیجانے سے شرم محسوس کرنے لگا کیونکہ کسی نے کہا اس کو پھینک نہیں رہے ہیں؟(۲)

اگر چہ وہ زمانہ بعد کے طولانی عہد میں اسی طرح نہ رہ پاتا، پھر بھی بہت سے مؤرخوں نے کہا ہے کہ امام کی شہادت کے بعد سفیانی مروانی حکمرانوں حجاج یوسف ...اور خلفاء راشدین کے وقت زمانہ پیغمبر کے اصول اور احکام متروک ہونے لگے تھے۔

ایسی صورت میں دنیا اسلام کی گرویدہ ہورہی ہے، یہ درحقیقت اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے، ورنہ جب تک مغربی دنیا کے لوگ سمجھ نہیں لیتے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاتے۔ جب خوب جانچ پڑتال کرلیا کہ مادی آسائش اور رفاہ وراحت وروحانی سکون نہیں پہنچا سکتی ہے، پھر وہ اسلام کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہیں اور یہی دنیا کے استعماروں کو سب سے زیادہ خلش ہے۔ یہ سب ایسی صورت میں ہورہا ہے جبکہ اہل مغرب اسلام دشمنی میں اسلام وقرآن کی محدودیت کیخاطر پوری دنیا میں سینسر بٹھائے ہوئے ہیں اور اپنے سیاسی اہداف وآئین کی ترویج کی غرض سے پورا عالمی میڈیا کام کررہا ہے۔

۱۔ تاریخ نہضت ہای دینی۔ سیاسی معاصر ص ر ۱۷۔

۲۔ نہج البلاغہ خ ر ۱۶۱۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ

مؤرخوں کا کہنا ہے کہ تین سے پانچ سال تک رسول اللہ مشرکوں کے شر سے محفوظ رہنے کی خاطر عام لوگوں کو دعوت نہ دیکر پوشیدہ طور پر مستعد افراد کو آسمانی دین کی دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ جب مسلمانوں کی تعداد تیس تک پہنچ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''ارقم'' کے مکان کو تبلیغ اسلام کا مرکز قرار دیا جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا۔ایک مہینہ سے زیادہ اس مکان میں رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی۔ بعثت کے ۱۱رویں سال مدینہ کے قبیلہ خزرج سے ایک جماعت نے حج کے موقع پر مقام عقبہ پر آنحضرت سے ملاقات کی، دوسرے سال بھی بارہ لوگ قبیلہ خزرج کے لوگ اسی جگہ جمع ہوئے اور بیعت کی اور یہی بیعت عقبہ تاریخ اسلام میں مشہور ہے۔

کعب بن مالک سے نقل ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سال بعد کھلی تبلیغ کی، ایام حج میں حاجیوں کے گھروں کو جا کر انھیں اسلام کی دعوت دیتے، اور کسی اہل قبیلہ سے پوچھ کر دوسرے قبیلوں تک جاتے تھے(۱)

قریش کا ردعمل

رسول اسلام کی اس پوشیدہ دعوت پر قریش کا کوئی ردعمل نہیں ہوا تھا کیونکہ ابھی تک یہ کوئی خاص تحریک نہیں جانی گئی تھی اور اس سے کسی خطرے کا احساس نہیں کیا تھا لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسی اثناء میں ایک نوع جماعت ''حزب اللہ'' کا بنیادی مرکز تشکیل دیا۔

۱۔ رسول جعفریان: سیرۂ رسول خدا۔

قرابت داروں کو دعوت

﴿ وَانْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾(۲)

اس آیت کے نازل ہوتے ہی امام علیؑ کے ذریعہ قریبی لوگوں کو دعوت دی تا کہ اس فریضہ کو ادا کریں چالیس یا پینتالیس لوگوں کے اجتماع میں جیسے ہی رسول اکرم ﷺ اٹھے اور چاہا کہ کچھ بیان کریں، ابولہب نے لوگوں کو بڑھکا دیا، رسول پر سحر و جادو کا بہتان باندھا اور مجمع کو درہم برہم کر دیا۔

دوسرے دن پھر رسول ﷺ نے کھانا کھلانے کے بعد بیان کرنا شروع کیا:

اے اولاد عبدالمطلب! بخدا جو چیز میں اپنی قوم کیلئے لایا ہوں، اس سے بہتر کسی عرب جوان کو نہیں دیکھا کہ ایسا کوئی آئین لایا ہو میں دنیا وآخرت کی بھلائی تمہارے لئے لایا ہوں۔ خدا نے مجھے ذمہ داری دی ہے کہ اس کی طرف میں تمہیں دعوت دوں۔ تم میں کون ہے جو میری مدد کرے تا کہ وہ تمہارے درمیان میرا بھائی، جانشین ہو؟

"فَاَيُّكُمْ يُوَازِرُنِىْ عَلى هَذا الامْرَ أن يَكُوْنَ اَخِىْ وَوَصِىْ وَخَلِيْفَتِىْ فِيْكُمْ ؟"

رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات کو تین مرتبہ تکرار کیا اور ہر مرتبہ حضرت علیؑ ہی اٹھے اور آنحضرت کی حمایت کا اعلان کیا۔ رسول خدا ﷺ نے بھی فرمایا:

"اِنَّ هَذا اَخِىْ وَوَصِيى فِيْكُمْ فَاسْمَعُوْالَه وَاَطِيْعُوْا "(۲)

اے لوگو! تمہارے درمیان یہ علی ابن ابیطالب میرے بھائی وصی ہیں لہذا ان کی باتوں کو سنو اور پیروی کرو۔

قرابتداروں کو ترجیح

۱. رسول اللہ ﷺ اپنے قرابتداروں کو دعوت دیکر تبلیغ کی تحریک کو مضبوط کرنا چاہتے تھے، یہی حکم خدا تھا۔ علاوہ ازیں جو مسائل آنے والے تھے، اس کو قدرتمند طریقہ سے انجام دینا اور صبر وحوصلہ سے دفاع کرنا، دشمن کی غلط سیاست اور پروپگنڈوں سے محافظت کرنے کی سخت ضرورت تھی۔

۱۔ سورہ شعراء، آیت ۲۱۴
۲۔ [illegible]

۲. رسول اکرم ﷺ اس تحریک کو ادارہ کرنے سے متعلق داخلی و خارجی سیاست سے بخوبی مطلع تھے۔

۳. پیغمبر اللہ ﷺ کی اس سیرت سے پتہ چلا کہ حضور نے بیرونی سیاست کے استحکام سے پہلے داخلی سیاست کو ترجیح دی ہے۔

۴. رسول کے قرابتداروں سے بڑھ کر مخلصانہ حمایت کرنے والا اور کوئی نہ تھا کیونکہ دعوت ذوالعشیرہ میں حضرت علی - نے آنحضرت کی حمایت کا اعلان کیا تھا، سب سے پہلے آنحضرت پر ایمان لائے۔امام علی- فاطمہ زہرا = دونوں نے سب سے پہلے اس امر کی تصدیق فرمائی۔ام المومنین حضرت خدیجہ = نے حمایت میں اپنا بے انتہا خزانہ رسول اسلام کی خدمت میں ہدیہ دیا۔ جس سے مسلمانوں کی فقر و تنگی اور معاشی مشکل دور ہوئی۔

۵. رسول اعظم ﷺ کیلئے امام علیؑ جیسی عظیم شخصیت کی مسلمانوں میں کوئی مثال نہ تھی۔اس کے علاوہ قرآن میں آنحضرت کو حکم بھی تھا: ''اے میرے حبیب! لوگ آپ کو اجر رسالت دے رہے ہیں، ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم لوگوں سے سوائے اپنے قرابتداروں کی محبت کے کوئی اجر و پاداش نہیں چاہتا''

﴿قُلْ لا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أجراً اَلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبىٰ﴾ (۱)

جو ایمان لائے ان سے کہہ دیجئے! میں تم سے اس کا کوئی اجر و ثواب نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ میرے رشتہ داروں سے محبت کرو۔

علماء اہل سنت نے ابن عباس سے اس کا اسطرح معنی کیا ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت ہے اس کو قائم رکھو۔ نبی اکرم کی آل پاک یقیناً حسب و نسب کے اعتبار سے دنیا کی سب سے زیادہ شریف اور پاکیزہ آل ہے۔

عام تبلیغ کا حکم

تیسرے مرحلہ میں محدودیت کو توڑتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کو عام دعوت کیلئے کہا گیا۔

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (۲)

ا۔ سورۂ شوریٰ، آیت ۲۳۔

اے میرے حبیب! ابھی آپ کی تبلیغ محدود تھی، اب آپ کو کھل کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اس کو کھل کر بیان کر دیجئے اور مشرکوں سے منھ پھیر لو۔ یعنی جو مشرکین تسلیم نہیں ہو رہے ان کی پرواہ کئے بغیر ہدایت کا کام جاری رکھئے اور اپنی جماعت الگ کر لیجئے۔

آنحضرت کے جواب میں ابولہب نے گستاخی کی اور کہا کہ افسوس، کیا اسی لئے ہمیں یہاں پر بلایا گیا ہے؟ خداوند عالم نے اسکی جسارت کو ظاہر کرنے کیخاطر آیت نازل فرمائی اور رسول اللہ کی توہین کرنے کی سزادی کہ قیامت تک لعنت کی طوق اس کی گردن میں پہنادی۔

﴿ تَبَّتْ يَدَا اَبِى لَهَبٍ وَ تَبَّ ﴾ (۱)

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہوگیا۔

وہ خود بھی ہلاک ہوگیا اور جس بل بوتے پر نظام خداوندی کی مخالفت کرتا تھا وہ بھی ختم ہوگئی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ مقابلہ سے عاجز آ گیا، تباہ و برباد ہوگیا اور سخت نقصان میں رہا، مسلسل خسارہ میں رہا (۲)

مقام عبرت ہے کہ قادر مطلق اللہ کی ذات اشارہ کردے تو ابولہب جیسے نہ معلوم کتنوں کے ہاتھ ٹوٹ جاتے لیکن یہاں تمام مخالفین کو درس دینا تھا، حج کے موقع پر عربستان میں دور و دراز ملکوں سے آئے ہوئے لوگوں کے درمیان پیغمبر مشغول تبلیغ رہتے، منجملہ مدینہ سے آئی ہوئی ایک جماعت اوس اور خزرج کو بھی دعوت دی، انھوں نے قبول کیا اور واپس مدینہ جا کر دوسرے لوگوں کو دعوت دی، لوگوں نے قبول کیا اسطرح مدینہ میں بھی اسلام پھیلتا گیا (۳)

۱۔ سورۂ مسد، آیت/۱۔

۲۔ لغات القرآن ج/۱ص/۳۷۲۔

۳۔ تاریخ [illegible] اسلام ص/۱۲۰

جزیرۃ العرب کی سیاست

جزیرۃ العرب میں جہاں نہ کوئی منطق، نہ اصول اور نہ ہی مناسب حالات تھے اور نہ ہی کوئی قانون حاکم تھا، بلکہ ہر قوم وقبیلہ کا ایک بزرگ اپنے افراد خاندان پر حاکم تھا،'' جسکو ملوک الطوائف'' کہا گیا ہے۔ اسوجہ سے قدرت منتشر تھی۔ اسلام ایسے حالات میں پنپ رہا تھا کہ سیاسی لحاظ سے قریش سے روبرو تھا، قریش بھی کئی گروہ میں بٹے ہوئے تھے۔ خاص خاص افراد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ کوئی مرکزی حکومت مکہ میں نہ تھی۔ بعض سرداروں کی پیروی کرتے تھے۔ مکہ میں اختلافات کے سبب آنحضرت کو تبلیغ کا موقع فراہم ہوا کیونکہ ایسے حالات میں اسلام کی خوبیاں دوسرے قبائل میں سرایت کرنے لگیں۔ مدینہ کی تشکیل حکومت نے بڑی مدد کی، افراد قبائل اپنے اختلافات حل کرانے کی خاطر سرکار انبیاء کے حضور میں آنے لگے۔

ایک خاص بات کہ جزیرۃ العرب میں کسی بیرونی طاقت کا نفوذ نہ تھا۔ بقول جاحظ کے کسی کو مکہ پر غلبہ پانے کی خاص دلچسپی نہ تھی (رسائل الجاحظ: ج ۱/ص ۱۸/۷، تحقیق عبدالسلام ہارون) لہذا رسول اللہ ﷺ نے بیرونی طاقت کے نہ ہونے سے مکمل استفادہ کیا اور نظامی وحکومتی قدرت کو مضبوط واستوار بنایا۔

ان کی زندگی قبائلی بنیاد پر استوار تھی لہذا کوئی تجاوز کرتا تو وہ قبیلہ خود ہی دفاع کرتا مگر جس کا کوئی حمایت کرنے والا نہ ہوتا تو اس پر ضرب وشتم ہوتا جیسے بلال، عمار اور خباب بن ارث، ان کا مکہ میں کوئی قبیلہ حمایت کرنے والا نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کیلئے بھی ایسا ہی تھا وہ تو کہئے بنی ہاشم اور خاص طور سے حضرت ابو طالبؑ کی شجاعت ودلیری اور فداکاری تھی کہ جس نے سرکار دو عالم کی پشت پناہی اور حمایت کی۔

کرتے اور اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے میں بھی اپنے سردار کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی کوشش سے حالات سازگار ہوئے اور اسلام کی طرف لوگوں کا میلان بڑھا، آنحضرت کی فکری، سیاسی سیرت نے دلوں میں جگہ بنائی اور فکری انقلاب پیدا ہو گیا اور لوگ حق بجانب راغب ہوئے۔

شہر مکہ کی مرکزیت

رسول نے اس وادی مقدس سے آغاز کیا جو دوسرے خطۂ ارض سے بے نظیر تھی۔ مختلف وجوہات کی بناء پر اس بات کی تحقیق کی جاسکتی ہے کہ کیونکر اسلامی تحریک میں یہ مؤثر ثابت ہوا ہے:

(۱) اس شہر کا سب سے مقدس مقام خانہ کعبہ جو اکثر امتوں میں محترم رہا ہے، پہلے سے امن اور عبادت کی جگہ تھی (۲) تجارتی شہر تھا، اہل مکہ ہر سال کئی بار شام وحبشہ اور یمن تجارتی غرض سے سفر کرتے تھے (۳) جغرافیائی لحاظ سے ایران، روم اور شرق وغرب کے وسط میں واقع تھا جو اسلامی تبلیغ میں دنیا کے ہر سو ایک اچھا کردار ادا کرسکتا تھا (۴) تمام جزیرۃ العرب سے مسلمان آتے تھے جن سے اسلام کی بہترین انداز میں تبلیغ ہوتی تھی (۵) اہل عرب عموماً زحمت کش ہوتے تھے اور یہ خصلت ایک قوم کی اصلاح، مشکلوں سے مقابلہ کرنے، دشمنوں کے مقابلہ میں طولانی جنگ وغیرہ کیلئے سازگار ہوتی تھی (۶) اصل میں عرب جو آنحضرت کے گرد جمع ہوئے تھے سرمایہ دار نہ تھے زیادہ تر محروم اور کمزور لوگ تھے، جن کیلئے اکثر رسول گرامی کو نان ونفقہ تہیہ کرنا پڑتا تھا(۱)

مکہ سے ہجرت

اسلام کی دو ہجرتیں بڑی مہم ثابت ہوئیں، جن میں ایک مرسل اعظم کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی ہجرت، جس سے قلعہ اسلام کی تعمیر ہوئی۔ دوسری آنحضرت کے نواسہ امام حسین کی مدینہ منورہ سے کربلا معلیٰ کی ہجرت، جس سے نانا کے بنا کردہ قلعہ اسلام کی حفاظت ہوئی۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنا اور وہاں پر اسلامی حکومت کا قیام ایک بہت اہم فیصلہ تھا۔ مرسل اعظم ﷺ کی اسلامی تبلیغ، انسانی نجات اور انسان ساز نظر تھی کہ ایسا موقف اختیار کیا جو اسلام کے لئے نیک فال نہایت بابرکت اور پابرجا ثابت ہوا۔

سیاست کا مختلف زاویہ

انگریزی میں سیاست politics شہر کو ادارہ کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے جو خود یونانی لفظ polis بمعنی شہر سے ماخوذ ہے۔

دوسرے لفظوں میں ,,The Ruls of Manegment Towns.،، بھی کہا گیا ہے۔

جیسا کہ ارسطو نے اپنی کتاب (سیاست) میں کہا ہے:

"انسان polisis کے حکم میں ایک ایسا وجود ہے جو کہ polis کی زندگی میں پیدا ہوا ہے"

فارسی لغت میں:

سیاست کے معنی حکم کرنا، ادارت، تدبیر، عدالت، تنبیہ، جزا اور حراست بتایا گیا ہے (۱)

دوسری لغات سے بھی چند معنی جو عموماً استعمال ہوتے ہیں، حسب ذیل معنی ذکر ہوئے ہیں:

سیاست یعنی تدبیر امور، تدبیر نفاذ امر و نہی، ولایۃ امر، پاس و لحاظ، حفاظت، حراست، رعایا پر حکم چلانا، حکومت، ریاست، قضاوت، مصلحت اور دور اندیشی کو کہتے ہیں۔

ڈاکٹر مہشید مشیری نے پانچ معنی ذکر کیے ہیں:

(۱) حکمرانی، امور مملکت کو ادارہ کرنا (۲) سزا، جزا، تنبیہ (۳) ملک کے داخلی اور خارجی امور کو ادارہ کرنے کا طریقہ کار (۴) چالاکی، ہوشیاری (۵) دوسروں کے ساتھ ملکر صحیح طریقہ پر زندگی بسر کرنا۔

فرہنگ فارسی میں سیاست

سیاست مداری یعنی امور مملکت کو ادارہ کرنے کا علم رکھنا، جس کو ڈپلومیٹ سیاسی کارکن کہتے ہیں۔

سیاست مدینہ

معاشرہ کو ادارہ کرنا تاکہ شہریوں کے مصالح اور لوگوں کے رفاہ و راحت کا سامان فراہم کیا جا سکے (۱)
اگرچہ مشاہدات بتاتے ہیں کہ جیسے جیسے نیچے درجات کے سیاسی لوگوں کو دیکھتے ہیں ان کی سیاست بھی بتدریج بے ڈھنگی اور خودغرضی بڑھتی جاتی ہے۔

سیاست مدینہ کے معنی

عوام الناس کے باہمی معاملات کی اصلاح اور ان کے امور معاش کی تنظیم کرنا (۲)

"سَاسَ، سِیَاسَۃُ القَومِ :دَبَّرَھُم وَ تَوَلّٰی اَمرَھُم"

قوم کے سیاسی امور نیز لوگوں کی زعامت کو اپنے اختیار میں لینا۔ سیاست ہانس ور کی نظر میں:
ساسَ: (sasa) سے ماخوذ ہے جسکے معنی حکومت کرنا، ادارہ کرنا، ہدایت اور رہبری کرنا ہے (۳)
دوسرے لفظوں میں: سیاست یعنی مدبر کا فعل، کاردان، کارگزار کو اہل سیاست کہتے ہیں۔

سیاست کی دوسری تعریف

"السیاسۃ: اَلقِیَامُ علیٰ شَیءٍ بِمَا یُصلِحُہ"، کسی مصلحت کیلئے قیام کرنے کو سیاست کہتے ہیں۔

"سُوِّسَ فَلَانٌ اَمرَ بَنِی فَلَانٍ ای کُلِّفَ سِیَاسَتُھم"

یعنی لوگوں کے امور کی تدبیر میں اٹھ کھڑے ہونا۔

۱۔ حسن عمید: فرہنگ فارسی عمید ج ۲۔

۲۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ ج ۱۱ ص ۴۸۳۔

۳۔ ہانس ور۔ فرہنگ معاصر (عربی فارسی) Isbn964-312 550.5

سیاست جوہری کی نظر میں:

"سُوِّسَ الرَّجُلُ أمُورَ النّاسَ،عَلی مَا لَم یُسمّ فَاعلِهُ اِذَا مَلّک أمرِهم"

اورحطیہؔ سے نقل ہوا ہے:

" لَقَد سُوِّسَت اَمر بینک حتّی تَرکتهم أدَق مِن الطَّحِین "

یقال:هُوَ یَسُوسُ الدّوَابَ اِذَا قَامَ عَلَیهَا وَ رَاضِهَا،وَ الوَالِی یَسُوْسُ رَعِیَّته.

جب جانوروں کی حفاظت اور دیکھ ریکھ کرنے پر کوئی مامور ہوتا ہے نیز والی حاکم اپنی رعایا کو منظّم و منسجم رکھنے کی تدبیر کرتا ہے۔

سیاست: سوس سے ماخوذ ہے۔لغت میں بمعنی ریاست، پرورش، تنبیہ وسزا، رعایا کے امور کو منظّم اور منسجم رکھنے کیلئے قیام کرنا ہے(۱)

سیاست فراء کی نظر میں:

سُوِّسَتْ خَطَاءٌ وَفُلانٌ مُجرّبٌ قَدْ سَاسَ وَ سِیْسَ عَلَیْهِ :ای اَمَرَ وَاُمِرَعَلَیْهِ

سُسْتُ الرَّعِیَۃَ سِیَاسَۃً اَمْرتُهَا وَنَهِیْتُهَا...وَ سُوِّسَ فُلانٌ اَمَرَ النَّاس...صَیّرَ مِلکاً (۲)

سیاست ابن زکریا کی نظر میں:

السوس، غذا، درخت یا اناج میں جو کیڑا، دیمک لگ جاتا ہے نیز سرشت اور نہاد وغیرہ کو بھی کہتے ہیں۔

سوس کے دو بنیادی معنی ہیں:

"فِیهَا أصلَانِ: اَحَدهُمَافَسَادٌ فِی شَیءٍ وَالآخر جِبلّة وَخَلِیقَ.

(۱) کسی چیز کا فاسد ہو جانا (۲) سرشت اور طبیعت کے ہیں۔

"فَالاَوَّلُ سَاسَ الطَّعَامَ یَسَاسُ وَأَسَاسَ یُسِیْسُ،اِذَا فَسَدَ بِشَیءٍ یُقَالُ لَهُ سُوْسَ"(۳)

۱۔ علامہ ابن منظور: لسان العرب، ج۶/ص۴۲۹۔

۲۔ القاموس المحیط، مادہ سوس، ص۷۱۰۔

۳۔ ابی الحسین احمد بن فارس بن زکریا، م۳۹۵ھ، مقاییس اللغۃ،

تھانوی کے مطابق سیاست:

"القَانُوْنُ المَوْضُوْعُ لِرِعَايَةِ آدَابِ وَ النَّصَائِح وَأَنْتِظَامَ ألامْوَال" (۱)

ایسے قانون جو آداب ونصائح اور لوگوں کے نظم اموال کی رعایت کے واسطے بنائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد معین کی نظر میں سیاست:

رعایہ پر حکم چلانا اور مملکت کے امور کو ادارہ کرنا ہے،

ریاست، عدالت، سزا، جزاء، تنبیہ، ملک کے حدود کی حفاظت، ملک کے داخلی اور بیرونی امور کا ادارہ کرنا۔

اصطلاح میں سیاست کبھی عام کارکردگی کے معنی میں استعمال ہوتی ہے جسمیں لوگ قانون کو ایجاد کرتے ہیں

سیاست کبھی خاص عنوان کے لحاظ سے چار مختلف مفاہیم میں وضاحت ہوتی ہے:

(الف) سیاست: حکومت کا ایک ہنر اور کارکردگی ہے:

سیاست کی کلاسک تعریف یہ ہے کہ حکومت کی کارکردگی ہی محور کو معین کرتی ہے لہذا اکثر لوگ، تنظیمیں اور اجتماعی کارکردگی سیاست سے خارج ہیں۔

(ب) سیاست: ایک عام کارکردگی ہے نہ کہ خصوصی افراد سے متعلق ہے (یہ ارسطو کا نظریہ ہے)

(ج) سیاست: اختلاف کے حل کا ایک خاص وسیلہ ہے لہذا نزاع اختلافات کو مذاکرہ سے حل کرنا چاہیئے۔

(د) سیاست: تولید، تقسیم اور حیاتی منابع سے استفادہ کرنا ہے یعنی سیاست قدرت کی تقسیم کے بارے میں رہنمائی کرتی ہے۔ فمیئیت اور مارکسیزم اسی تعریف کے حامی ہیں (۲)

سیاست فاضلہ

سیاست کی قسموں میں سے ایک سیاست فاضلہ ہے، جسکو امامت کہتے ہیں۔ جسکی غرض مخلوق خدا کو کمال و منزل سعادت تک پہنچانا ہے۔ اسی کو سب سے "اچھی سیاست بتایا گیا ہے اور دوسری امامت حقہ کے مقابلہ میں غلط

۱۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ ج/۱۱ص/۴۸۳۔

۲۔ علوم سیاسی، ش۲۴ص/۳۹،۱۳۸۲۔

سیاست ہے“

قرآنی اصطلاح میں اس امامت و قیادت کے دو معنی ایک امامت نور و ہدایت اور دوسری امامت نار و ضلالت میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی ”ایک اچھی امامت جو انسان کی ہدایت کر کے سعادت اور کمال کی طرف رہنمائی کرے اور دوسری ظلم و جور کی امامت ہے، جو جہالت، گمراہیوں اور جہنم کی طرف لے جاتی ہے“

﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ﴾ (۱)

اس امامت کی اللہ تعالیٰ خود حفاظت کرے گا خواہ کافروں کو گراں ہی کیوں نہ گزرے۔ عہد حاضر کے وہ امام جانشین رسول اللہ حضرت بقیۃ اللہ ہیں جن کو ہم یوں سلام کرتے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نُوْرَ اللّٰهِ الَّذِيْ يَهْتَدِي بِهِ الْمُهْتَدُوْنَ (۲)

اگرچہ گذشتہ قوموں میں بعض نے حقیقی نمائندہ کو نہیں مانا ہے جس کی وجہ سے وہ ذلیل و خوار ہوئے ہیں اور ان پر ظالم پادشاہوں نے حکومت کی ہے جیسے قوم حضرت موسیٰ اتنے جسور ہو گئے تھے کہ کہا اے موسیٰ! جاؤ تم اور تمہارا خدا دشمن سے لڑے ہم یہیں بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے۔ اگر ہم نے امام حق، اہلبیت رسول اللہ کی پیروی نہ کی تو ظالم پاشاہوں کی تلواریں ہمیشہ ہمارے سروں پر لٹکتی رہیں گی اور جسطرح رسول اللہ کے سب سے زیادہ عزیز اور پیارے نواسے کا خون بھی محفوظ نہیں رہ سکا ہے امت کی جہالت اور عدم اطاعت غفلت کے سبب ہی کربلا جیسا المیہ وقوع پذیر ہوا۔ عہد حاضر میں اگر امت خواب غفلت میں سوئی رہی پھر تو اسی طرح کا واقعہ رونما ہو سکتا ہے۔

۱۔ سورہ صف/آیت/۸۔

۲۔ محدث قمی، زیارت امام زمانہ روز جمعہ۔

کلام انبیاء میں سیاسی جھلکیاں

" كَانَ بَنُوْا أَسْرَائِيل يَسُوْسُهُم أَنْبِيَاءُ هُمْ :أى تَتَوَلّى أُمُوْرَ هُمْ كَمَا يَفعَلُ الأمُرَاءُ وَالوَلاةُ بِالرَّعِيّه" (۱)

بنی اسرائیل کے انبیاء لوگوں کے لئے تدبیر کرتے تھے یعنی ان کے امور پر نظارت رکھتے تھے، جسطرح بادشاہ اور حکمراں اپنی رعایا پر نظارت رکھتے ہیں۔

"اِنّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَدَّبَ نَبِيَّه فَاَحْسَنَ اَدَبَهُ، فَلَمّا اَكْمَلَ لَهُ الاَدَبَ" قَالَ:

﴿ وَاِنَّکَ لَعَلَیٰ خُلقٍ عَظِیْم ﴾ (۲)

"ثُمَّ فَوَّضَ اِلَيه اَمرَ النَّاس وَ الاُمَّة لِيَسُوْسَ عِبَادَه" (۳)

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے نبی کو بہترین ادب واخلاق سے آراستہ فرمایا اور کمال ادب کے بعد فرمایا:

"بیشک تمہیں ادب اور اخلاق کے عظیم مرتبہ پر فائز کیا ہے"

پھر لوگوں اور امت کو ان کے سپرد کیا تا کہ بندوں کے نظم امور کو ادارہ کرسکیں۔

حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کی توصیف میں بیان ہوا ہے:

۱۔ مجمع البحرین ج ۴ ماده سوس۔ لسان العرب ج ۶، ص ۴۲۹۔

۲۔ سورۂ قلم / آیت ۴۔

۳۔ [illegible]

"اَنتمُ سَاسَۃُ العِبَادِ"

آپ لوگوں کے امور سے متعلق، مدبر اور منتظم ہیں۔

دوسرے مقام پر آیا ہے:

"الامَامُ عَارِفٌ بِالسّیَاسَۃِ"

وقت کا امام، سیاست کی گہرائیوں سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔

ثُمّ فُوّضَ اِلیَ النّبیِ اَمَرَ الدّین وَالامُّۃ لِیَسُوسَ عِبَادَہ (لیسوس یعنی لِیدبر)

اللہ تعالیٰ نے امور دین کو حضرت رسول ﷺ کے سپرد کیا تا کہ اپنے بندوں کے مصالح اور خیر و بھلائی کی کوئی تدبیر اور ان کا معقول بندوبست نکالیں (۱)

"اَلعَدْلُ سَائِسٌ عَامٌ وَالْجُوْدُ عَارِضٌ خَاصٌ" (۲)

عدالت عام تدبیر وسیاست ہے اور سخاوت ایک خاص حالت ہے۔

روایات اور ائمہ کی دعاؤں میں سیاسی امور کو آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ حضرات معاشرہ کی ہدایت، تربیت کر کے عملی طور پر دنیوی واُخروی کامیابی کے لئے کس طرح ہمہ وقت کوشاں تھے جس کے بعد یہ احتمال باقی نہیں رہ جاتا کہ انبیاء اور ائمہ لوگوں سے متعلق سیاست اور نظام حکومت سے الگ تھلگ موقف رکھتے ہوں۔

دین و دنیا کے علوم وفنون کی طرح سیاست اور ادارت کا علم ان حضرات سے بہتر کس کو ہوسکتا ہے؟

"اَلامَامٌ مُضْطَلِعٌ بِاالامَامَۃِ عَالِمٌ بِا لسّیِاسَۃِ" (۳)

امام؛ قیادت میں قوی و پختہ اور سیاست کو بخوبی جاننے والا ہوتا ہے۔

امام علیؑ نے جو امامت کے سلسلہ سے فرمایا ہے:

۱۔ مجمع البحرین۔ ج ۴ مادہ سوس۔ اصول کافی ج ۱ کتاب الحجۃ

۲۔ نہج البلاغہ، ح ۴۳۷۔

۳۔ اصول کافی ج ...

"اَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّ اَحَقَّ النَّاسِ بِھٰذَ الاَمرِ اَقوَاھُمْ عَلَیہِ وَ اَعْلَمُھُمْ بِاَمْرِ اللّٰہِ فِیْہِ"(۱)

امام کے اس قول سے مراد ماورائے جسم،فکری،روحی اور سیاسی مسائل ہیں کہ جو امامت یا کسی قیادت میں ہونا ضروری ہے جیسا کہ آیۃ اللہ خوئی مذکورہ بحث میں امام کے کلام کی شرح میں لکھتے ہیں:

"اَقوَاھُمْ عَلَیْہِ:أکْمَلُھُمْ قُدْرَۃٌ وَ قُوَّۃٌ عَلَی السِّیَاسَۃِ المَدِیْنَۃِ وَ عَلٰی کَیْفِیَّۃِ تَدْبِیْرِ الحَرْبِ"

امامت کیلئے سب سے سزاوار و شائستہ شخص وہ ہے کہ جو شہر کو ادارہ کرنے کی سیاست میں قدرت و قوت رکھتا ہو، جنگ اور اس کے دفاع کی تدبیروں میں سب سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہو(۲)

کافی، شرائع میں قیم قرآن کون ہے؟اس بحث میں ذکر ہوا ہے:

"مَنْ قَیِّمَ الْقُرْآنَ ؟ قَیِّمَ الْقَوْمَ مَنْ یَقُوْمَ بِسِیَاسَۃِ اُمُوْرِھِمْ"

یہاں پر لوگوں کے لئے امور قرآن کا اقامہ اور نفاذ کون کر سکتا ہے،اس سے مراد جو اس کے ظاہر، باطن، مجمل، مؤول، محکم، متشابہ، ناسخ اور منسوخ کو وحی الٰہی یا الہام ربانی یا پھر تعلیم نبی کے ذریعہ جانتا ہو۔(۳)

امام جعفر صادقؑ حضرات اہلبیتؑ کے تعارف میں فرماتے ہیں:

"نَحنُ أخْیَارُ الدَّھْرِ وَ نَوَامِیْسُ العَصْرِ وَنَحْنُ سَاسَۃُ العِبَادِ وَ سَاسَۃُ البِلَادِ"(۴)

ہم زمانہ کی تمام نہ ہونے والی نیکیاں، زمانہ کو غفلتوں سے بیدار کرنے والے طبیب، انسانوں کے امور کی تدبیر کرنے والے اور شہروں کو ادارہ و آباد کرنے والے ہیں۔

اسلامی معاشرہ کی ادارت ایسے دینی رہبروں کو تفویض کرنا جو انبیا اور ائمہؑ کے علوم و اسرار سے واقف ہوں تا کہ لوگوں کی دینی و دنیوی مشکلوں کو دور کر سکیں، معاشروں کی سب سے بڑی مشکل یہ ہوا کرتی ہے کہ ان کے درمیان عدالت و انصاف کا فیصلہ نہیں ہوتا، اس لحاظ سے بھی ائمہ نے اشارہ کیا ہے:

۱۔ نہج البلاغہ، صبحی صالح، خ/۱۷۳۔

۲۔ علامہ مرزا حبیب اللہ الہاشمی الخوئی: منہاج البرائۃ فی شرح نہج البلاغہ، ج/۱۰۔

۳۔ السید محمد کاظم قزوینی: موسوعۃ الامام الصادق علیہ السلام، ج/۷/۱۳ حاشیہ کتاب۔

" مِلاکُ السّیَاسَةِ العَدْلُ "

سیاست کا معیار اور محور عدل وانصاف کرنا ہے۔

دوسری جگہ: "جَمَالُ السِّیَاسَةِ العَدْلُ فِی الاَمرِہِ وَالعَفو مَعَ القُدْرَةِ

حسن سیاست عدل وانصاف سے کام لینا اور قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دینا ہے (۱)

امام معصوم کے بقول: " نِعْمَ السّیَاسَة الرِفقُ وَ بِئسَ السّیَاسَة الجور"

نرم لہجہ، مہر والفت بہترین سیاست اور ظلم وجور بدترین سیاست ہے۔

ظلم، سیاست کی آفت اور " آفَةُ السِّیَاسَةِ ضَعْفُ السِّیَاسَةِ"

کمزوری اور عدم تدبیر، سیاست کی کمزوری شمار کی گئی ہے (۲)

ایک طولانی روایت شیخ مفید سے نقل ہوئی ہے، جس میں بیان ہوا ہے کہ:

کچھ لوگ امام کی شہادت سے ایک روز قبل خدمت امیر المومنین- میں آئے اور اس بات کی سب نے توثیق اور گواہی دی کہ امام نے وافر مقدار میں لوگوں کو اموال دیا اور فرمایا کہ میں لوگوں (مادی دنیا میں لوگوں کے طریقہ کار) کی دنیا سے تھک گیا، احکام دین کے اجرا میں لوگوں سے کوئی رشوت نہیں لی، بیت المال سے ساربان کے حق کے برابر بھی کوئی اجرت نہیں لی، یہاں تک کہ اپنے حق کو قوت لا یموت سے زیادہ تناول نہیں فرمایا، اس بات کی بھی سب نے گواہی دی کہ لوگوں میں جنکا دور دور تک کوئی پرسان حال نہیں ہوتا تھا وہ امام کے اخلاق و برتاؤ سے اپنے آپ کو امام سے بہت قریب سمجھتے تھے (۳)

ایسی زندگی بسر کرنے کی کوئی مثال اہل دنیا کے پاس نہیں ہے جس میں لوگوں کی خدمت ہمدردی اور محبت کا ایسا بے لوث کوئی جذبہ ہو، وہ رسول اللہ کے اہل بیت سے ہی مخصوص ہے۔

۱۔ میزان الحکمة ج ۴، ص ۵۸۴۔

۲۔ غرر الحکم ج ۳، ص ۳۸۴۔

۳۔ شیخ مفید، الاختصاص [illegible]

اہل غرب کی سیاسی نظر

(۱) لاسول: علم سیاست ایک تجربی نظام کی صورت میں ہے، جو بتاتا ہے کہ کس طرح سے قدرت وحکومت کو درست تشکیل دی جائے کہ سب میں قدرت سہیم ہو جائے (۱)

(۲) دیوید الیستون: سیاست معاشرہ میں value کا آمرانہ طریقہ سے تقسیم کرنا ہے (۲)

(۳) ہارولد .ژ.ھ لاسکی:

انگلینڈ یونیورسٹی میں علم سیاست کے استاد، ورکر پارٹی کے لیڈر نے لکھا ہے:

سیاست ایک ایسا علم ہے کہ جو ہمیں سکھاتا ہے کہ کون لے گیا؟

کیا لے گیا؟ کہاں لے گیا؟ کسطرح لے گیا؟ کیوں لے گیا؟ (۳)

فرہنگ لیترہ: (Littre) متوفی: سال ۱۸۷۰ء کے بقول

سیاست: ملکوں پر فرمانروائی اور حکومت کرنے کا علم ہے۔

فرہنگ روبر (Robert) م: سال ۱۹۶۲ء کا اس سلسلہ میں کہتا ہے کہ

۱۔ رابرٹ دال، تجزیہ وتحلیل جدید سیاست، ص ۸/۷۔

۲۔ عبدالرحمٰن عالم، بنیادہای علم سیاست، ص ۲۹/۔

۳۔ رم مک ایور، جامعہ وحکومت، ترجمہ ابراہیم علی کنی، ص ۲۶۴/

سیاست: تمام انسانی معاشرہ پر فرمانروائی کا ایک فن اور عمل ہے(۱)

برتران دوژونل، پیرس یونیورسٹی میں معاشرہ کی سیاست شناسی کے استاد نے جو سیاست میں صاحب نظر ہیں، ایک طولانی تعریف کی ہے، ان کی نظر میں سیاست:

''قدرت کے نفاذ اور اس کے طریقہ عمل کی جڑوں تک چھان بین کرنا ہے، ان کی نظر میں جس نے بھی دوسرے کو کسی کام کے لئے مہمیز کیا ہے یا کسی عمل سے باز رکھا ہے تو اس نے قدرت کا عمل دخل کیا ہے''

uvenel(berterand de) de la politique pure,paris 1966.

جی موسکا:

سیاست، انسانوں پر فرمانروائی اور حکومت کرنا ہے۔

نولی: سیاست کی تعریفوں میں سے چند کی شرح کی ہے۔

عبدالرحمٰن نے بنیاد ہای علم سیاست میں کہتے ہیں:

سیاست: جملہ امکانات سے فائدہ اٹھانے کا ایک ہنر ہے۔

اکثر و بیشتر سیاسی کارکنوں کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ اپنے سبھی اہداف تک پہنچ جائیں لہذا بلند پروازی کو اپنے حیطۂ قدرت کے ساتھ متناسب تال میل رکھتا ہے تا کہ کوئی بھی اپنی قدرت سے زیادہ سیاست میں نفوذ نہ کر سکے۔

سیاست: قدرت و سلطنت کیلئے جدو جہد اور پوری پوری سعی و کوشش صرف کرنا ہے۔

مذکورہ تعریفوں پر تبصرہ

سب سے اہم تعریف، غرب کے سیاسی متفکروں کے نزدیک حسب ذیل ہے:

معاشرہ میں قدرت اور نفوذ کے لیے جدو جہد اور سعی بلیغ انجام دینا ہے۔

دوسرے لفظوں میں سیاست یعنی یہ جاننا کہ:

۱۔ موریس دوورژہ، اصول علم سیاست،

کون لے گیا،

کیا لے گیا،

کسوقت لے گیا،

کیسے لے گیا،

اور کیا لے گیا،

اسی طرح،

سیاست: یعنی (value) کا آمرانہ تقسیم کرنا ہے (دیوید الیستون)

آخر میں نولی اپنی سیاست کی تعریف پیش کرتا ہے:

وہ تمام فعالیت و کارکردگی کہ جس میں کسی بھی ذریعہ سے حکومت یا قدرت حاصل کی جا سکے۔ اس حکومت و فرمانروائی میں قدرت سے استفادہ بھی ساتھ ہو (okwudiba noli)

اگر چاہیں ان سب کی ایک جامع تعریف کریں تو اسطرح کہیں گے:

سیاست؛ ملکی پیمانہ پر عوام، احزاب اور حکومتی کارکنوں کے مابین صلح آمیز قیادت ہے۔ جس میں ایک حکومت کا دوسری حکومتوں سے عالمی پیمانہ پر (داخلی امور اور حکومتوں کی مصلحتوں کیلئے) رابطہ برقرار کیا جاتا ہے (۱)

غرض مذکورہ بیان کے مطابق تمام امور کا صحیح ادارہ اور معاشرہ سے ہم آہنگ ہونا جو معاشرہ کے ارتقائی درجات اور سعادت کا علم ہے۔ وہی معاشرہ میں حاکم ہو جو سماجی ارتباط کی تنظیم کا قانون و پروگرام ہے پھر بھی دنیاوی اعتبار سے توسیع، تعلیم، تعمیر، اصلاح اور افادیت کے لحاظ سے درست ہوگا لیکن اس میں اغفال، نیرنگ Deception اور فریب نہ ہو۔

فرہنگ لیترہ اور فرہنگ روبر کی تعریف پر تبصرہ

جیسا کہ دونوں تعریفوں میں ایک صدی کا فاصلہ اور دونوں کی تعریفوں میں فرق بھی ہے لہذا اس پر قدرے تبصرہ

کریں گے۔اس میں خاص بات یہ دیکھی گئی ہے کہ:

(۱) دونوں تعریفوں میں حکومت وفرمانروائی کا لفظ مشترک آیا ہے اور اسی کو موضوع سیاست بھی قلمداد کیا گیا ہے۔آگے جیسا کہ بیان ہوا ہے

(۲) پہلی تعریف میں: سیاست علم ہے اور دوسری تعریف میں فن اور عمل بتایا گیا ہے۔

(۳) لیترہ کے مطابق سیاست کا میدان عمل ملک ہے۔

روبر کے نزدیک سیاست کا میدان عمل انسانی سوسائٹی ہیں۔

پہلے نکتہ کے مطابق سیاست حکومت سے متعلق ایک امر جانا گیا ہے یا کہ ایک ایسا وجود جس کی قدرت سے وابستگی ہو۔ خاص طور سے حکومت اور اس کے ساز وسامان میں ہر وہ جگہ جہاں قدرت کا وجود ہو وہاں قدرت کو سیاست کا موضوع یا حکومت کے تمام جوانب سے اس کو جانا گیا ہے۔

ممکن ہے حکومت اور ملک کے حدود میں قدرت سب سے بڑی شکل اور اسکا ساز وسامان ہو۔

درانحالیکہ قدرت تمام معاشرہ میں فقط ابتدائی شکل ہوتی ہے۔

ان سب کے باوجود سمجھ میں یہ آتا ہے کہ سیاست پورے سماج میں قدرت کے نفاذ اور تطبیق پر مزید امکان فراہم کرتی ہے(۱)

B.B.C. English Dictionary

Politics:(1)politics is the actions or activities which people use to achieve power in a country,society or organization.

سیاست: ایسی فعالیت یا کارکردگی کہ جس کو لوگ ملک، معاشرہ، یا تنظیم میں قدرت یابی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

۱۔ موریس دوورژہ: اصول علم سیاست، ۹۶۴۔

Your politics are your belief about how a country shuld be governed.

ملک کوادارہ کرنے کے سلسلہ میں آپ کی سیاست آپ کا اعتماد ہے۔

politics is the study of the way in which a country governed.

سیاست: اس طریقہ کار کا مطالعہ ہے کہ جس کے ذریعہ کسی ملک میں حکومت کی جاتی ہے۔

بی بی سی ڈکشنری کی تعریف کے ذریعہ سیاست کے نتیجہ میں کہا جا سکتا ہے کہ سیاست:

قدرت اور حکومت تک پہنچنے کے سلسلہ میں ایک طریقہ کار کا مطالعہ ہے۔

یہ تعریف بھی تقریبا اوپر ذکر شدہ تعریف کے زمرے میں آئے گی۔

سیاست کا تجزیاتی موازنہ

اسلام نے ہمیشہ پورے انسانی معاشرہ کا لحاظ کرتے ہوئے سیاست بنائی ہے لیکن اہل غرب کی آخری سعی وتلاش مخصوص قوم وقبیلہ اور طبقہ تک رہتی ہے۔ اسلام بیشتر انسانی معاشرہ کی سعادت وکمال کو مدنظر رکھتا ہے اور اہل شرق وغرب اپنے افراد خاص یا جماعت خاص سے مخاطب ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل بیان میں اس کی کچھ وضاحت ہو سکے گی:

(۱) شیطانی سیاست

سماج کو ادارہ کرنے کی ایسی سیاست جس میں حصول ہدف کے لئے دھوکہ فریب Deception اور ہر طرح کے جھوٹے وسائل اور غلط میڈیا کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسی سیاست اسلام میں ہر گز جائز نہیں ہے اور اسلام کے حقیقی نمائندوں نے اس نوع سیاست سے نفرت اور بیزاری کا اعلان کیا ہے، بطور مثال معاویہ بن سفیان نے امام حسن علیہ السلام کیساتھ صلح اور اس عہد نامہ پر دستخط کرنے کے بعد مسجد کوفہ میں منبر پر جا کر کہتا ہے:

,,اے لوگو! میں نے نماز، روزہ وغیرہ کیلئے تم سے جنگ نہیں کی ہے، میں جانتا ہوں کہ تم اپنے واجبات کو انجام دیتے ہو اور اپنے خالق کے اوامر کی اطاعت کرتے ہو، میرا مقصد تم پر حکومت اور فرمانرائی ہے، جس میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ پھر اس عہد نامہ کو جس پر امام حسن علیہ السلام کے ساتھ معاہدہ کی دستخط تھی، زیر پا رکھ کر لوگوں سے یوں مخاطب ہوا کہ آج کے بعد تین امر میں واجب الاطاعت ہونا پڑے گا:

(۱) مالیات وقت سے ادا کرنا (۲) معین وقت پر سپاہیوں کو بھیجنا (۳) جس وقت بھی لازم ہوگا میرے

دشمنوں سے لڑنا ہوگا (۱) جو سراسر آمریت اور امت کیساتھ خیانت کی دلیل ہے۔ان سب باتوں سے دین میں رخنہ پیدا ہوا، جس نے بہت سے پرہیز گار اصحاب کو قتل کرایا۔اس خیانت کے متعلق رسول اعظم ﷺ نے فرمایا:

''جو مسلمانوں پر حکومت کرے اور ان کے ساتھ خیانت کرے تو وہ جہنمی ہوگا'' (۲)

غربی ممالک بھی جس سیاست کا اتخاذ کر رہے ہیں، کچھ اسی طرح کی سیاست ہے، جو بین الاقوامی قوانین کا پاس و لحاظ رکھے بغیر دوسرے ملکوں میں نفوذ کرنا مقصود ہوتا ہے، تاکہ اپنے مفادات کے پیش نظر اختلاف ایجاد کر کے سیویلین افراد پر جارحانہ قتل وغارت کیا جائے اور اپنی پسند حکمراں جماعت کو کرسی اقتدار پر بٹھایا جا سکے۔

ایسی سیاست جس میں حاکم فقط معاشرہ کی مادی ضرورتوں کو حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ مکاری، چال بازی اور شاطرانہ طریقے سے حکومتی امور کو اپنے اختیار میں لینا ہے۔اس میں معاویہ بن ابی سفیان کی حکومت کی مثال دینا بجا ہوگا کیونکہ معاویہ کا مطمع نظر فقط اقتدار اور حکومت تھا، بہت سے اہل سنت بعد رسول خلفا کو جانشین تو مانتے ہیں لیکن آسمانی اور الٰہی صفات سے فاقد جانتے ہیں۔اگر عوام الناس کو باور کرانے کیلئے خلافت وحکومت کو صحیح کہا بھی ہے تو صرف ''خلفاء راشدین''، یعنی ابوبکر، عمر بن خطاب، عثمان اور امیر المومنین امام علی۔تک کو راشدین کہا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بعد والوں کو اگر خلیفہ کہا بھی جائے گا تو ضروری نہیں ہے کہ وہ راشد وہدایت یافتہ ہی ہوں، گمراہ، ظالم بھی ہو سکتے ہیں، اہل سنت خلافت کیلئے عدالت کو شرط بھی نہیں جانتے ہیں سامراج صدیوں سے دنیا بھر کے لوگوں کو خاص طور سے اسلام کے پیروکاروں کو مادی لہو لعب، دنیاوی زرق و برق اور جنسی خواہشات میں الجھائے ہوئے ہیں۔ان کی یہ دیرینہ سیاست رہی ہے کہ اسلامی ہویت، معنویت اور وقار پر مادیت کا کھول ہو، معنویت ختم ہو، مسلمان صرف دنیاوی شادمانی وخوشنمائی اور خودنمائی میں مشغول رہیں۔ غرض ہم ساری دنیا پر قدرتمندانہ حکومت کر کے ان کے اموال وافکار پر قابض ہو جائیں۔اس امر کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے کہ ایشیا اور میڈل ایسٹ کے ملکوں میں کوئی ملک آزاد نہیں ہے کہ یہ سامراج وہاں نفوذ نہ رکھتے ہوں۔

۱۔ شیخ مفید: ارشاد، ص/۱۶۹۔

۲۔عبد العظیم بن عبد القوی المنذر الشامی: الترغیب والترھیب۔ من الحدیث الشریف، ج/۳، ص/۱۷۶، تحقیق مصطفیٰ محمد عمارۃ۔

(۲) مقدس سیاست

مادی اور معنوی ضرورتوں کو پورا کرنے کی مکمل کوشش وتلاش کرنا ہے۔اس سے اسلامی حاکمیت، مادی امکانات میں شگوفائی کا اقدام واہتمام کیا جاتا ہے اور اخلاق وسیرت نبوی اور صفات الٰہی کی پرتو میں لوگوں کی تربیت اور تعلیم کا بندوبست ہوتا ہے تاکہ انسانی عزت وکرامت اور شرافت کی حفاظت ہوسکے۔

﴿أَنِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ﴾(۱)

لوگو! فقط اللہ کی عبادت کرواور دیگر تمام طاغوتوں سے بچو

وَلَاتَكُنْ عَبْدَ غَيْرِكَ وَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ حُرّاً(۲)

غیر خدا کے بندے نہ بنو، اللہ نے تمھیں آزاد بنایا ہے۔

لہذا یہود ونصاری کا زنہار دست نگر یا بازیچہ نہیں بننا چاہئے۔اس نظریہ پر خاص طور سے مسلمانوں کے امامیہ فرقہ نے اپنے اماموں کی پیروی کرنے کا دعوی کیا ہے۔ان کے علاوہ کسی اور کی اطاعت نہیں کرتے اور پیروی بھی ان کی کرتے جو عدل وانصاف اور سچائی میں بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔اگرچہ یہودی سیاست میں بہت سے بھولے مسلمان پھنسے ہوئے ہیں، حالانکہ قرآن نے بتادیا تھا: وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُوْدُ حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ،

اہل غرب کے نظریات کا خلاصہ

ان کے سیاسی نظریہ کا خلاصہ فقط (objectivism) مادی رفاہ وراحت، برتری، قدرت اور حکومت ہے۔اس میں انسان کی قدر ومنزلت، دینی اہمیت وفضیلت کا نظریہ شامل نہیں ہے۔جس کی وجہ سے فلسفہ وحدانیت اور الوہیت کا رنگ ڈھنگ نہیں پایا جاتا جو فطرت کا بھی تقاضہ ہے یہی وجہ ہوئی کہ فکری تشدد اور متعدد خداؤں کے چکر میں پڑ گئے اور کوئی مستقل نظام نہ ہونے کے سبب مختلف تعریف، خرافات اور انحرافات میں پڑتے جارہے ہیں۔ نتیجہ میں دنیاوی لحاظ سے بھی انسانی شرافت کا کوئی مقام ومرتبہ نہیں مل سکا اور حیوانی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

۱۔ سورہ نحل آیت/۳۶۔

۲۔ نہج البلاغہ/ن/۳۱۔

اسلامی نظریات کا خلاصہ

ان سب نظریہ کی تعریف میں ممکن ہے الفاظ میں قدرے اختلاف ہوں لیکن مطالب اور مفاہیم تقریباً ایک جیسے ہیں، وہ یہ کہ انسان کی سعادت، فلاح و بہبودی کی رہنمائی، ارتقائی نشو نما اور عدالت کے نفاذ پر نظارت کرنا ہے۔ عدالت کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے اور قدرت، حکومت، سیاست کو عدالت کے زیر سایہ ہونا چاہئے۔ منجملہ (۱) قدرت اہل غرب کی تعریف میں سیاست کا سب سے اہم مقصد اور محور جانا گیا ہے، جس قدرت کو اسلامی سیاست میں کوئی خاص حیثیت نہیں ہے سوائے اثبات حق اور اجرائے قانون کیلئے قدرت کا بیان آیا ہے اور اس ظاہری قدرت سے زیادہ ضمیر و اعتقاد اور ایمان و ایقان کو سراہا گیا ہے (۲) دوسرا بنیادی لفظ حکومت کا ہے، جس پر اہل غرب نے کچھ زیادہ ہی تکیہ کیا ہے جیسے ہر وہ امر سیاست ہے جسکا حکومت سے کوئی ربط ہو۔

رسول اسلام نے فرمایا: جب حکام نیک ہوں، دولتمند بخشش کرنے والے ہوں اور تمہارے درمیان سماجی امور مشورے سے انجام پائیں تو روئے زمین تمہارے لئے زیر زمین سے بہتر ہوگی اور جب تمہارے حکام برے ثروتمند بخیل ہوں اور تمہارے امور تمہاری عورتوں کے ذمہ ہوں تو زیر زمین روئے زمین سے بہتر ہے (۱) یعنی سعادت و نیک بختی کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ انسان سماجی نشیب و فراز اور مختلف رسم و رواج میں اسیر ہو کر رہ گیا ہے، اس کا امتیازی شرف Arastucrat سلب کر لیا گیا جبکہ یہ افکار و معلومات بھی ایک وسیلہ ہیں جو خدائی نظام میں سعادت و رحمت اور کرامت کو ترسیم کرتے ہیں، اگر کسی حکومت کا نظام سیاست ان مقاصد سے فاقد ہو، خواہ ظاہری حکومت کا نظم و ضبط بہتر اور بڑا خوشنما ہی کیوں نہ ہو اسلام میں ایسی حکومت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں امیر المومنین علی ابن ابیطالب شاہکار عدالت، اسوہ شجاعت نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

"وَاللّٰهِ مَا مُعَاوِيَةُ بِأَدْهىٰ مِنّي وَلٰكِنّه يَغْدِرُ وَيَفْجِرُ وَلَوْلَا كَرَاهِيَةُ الغَدْرِ لَكُنْتُ مِنْ أَدْهىٰ النّاسِ وَلٰكِنّ كُلّ غُدْرَةٍ فُجْرَةٍ وَكُلّ فُجْرَةٍ كُفْرَةٍ" (۲)

۱۔ ابن شعبہ الحرانی: تحف العقول عن آل الرسول ص ۳۶، تحقیق علی اکبر غفاری۔

۲۔ نہج البلاغہ ۳۱۸/ خ ۲۰۰؛ بحار الانوار ۳۳: ۱۹۷/ ۴۸۳ ح ۱۹۳:۴۰ ح ۳

خدا کی قسم معاویہ مجھ سے زیادہ زیرک اور چالاک نہیں، مگر وہ حیلہ گر، فاجر ہے اگر حیلہ گری بری نہ ہوتی تو میں لوگوں میں سب سے ہوشیار ہوتا لیکن ہر قسم کا حیلہ مکر و فریب گناہ اور ہر گناہ کفر اور کفر ایمان سے خارج ہونے کا سبب بنتا ہے۔

اسلامی حکام کیوں نہ ہوں جان لیں کہ اس سیاست کو دماگوزی (Demagogy) عوام فریبی کی سیاست کہتے ہیں یعنی ہدف تک پہنچنے کے لئے اپنے آپ کو لوگوں کا حامی بتایا جاتا ہے، جو اسلام میں درست نہیں ہے۔

معاویہ کا ڈرامائی کردار

طلحہ اور زبیر کی بیعت شکنی میں معاویہ نے بہت بڑا ڈرامائی رول ادا کیا تھا، دونوں کو اکساتے ہوئے کہتا ہے:

"(معاویہ) میں نے تمہارے لئے اہل شام سے بیعت لے لی ہے اور طلحہ کو تمہارا جانشین بنا دیا ہے۔ زبیر کو یقین ہو گیا اور اپنی زندگی کا راستہ بدل دیتا ہے۔ کیا معاویہ کو زبیر نے نہیں پہچانا تھا؟ کیا زبیر اتنا احمق انسان تھا؟...اور کون سے اسلام نے ایسا جھوٹ معاویہ کے لئے تجویز کیا تھا؟ (۱)

وہ معاویہ جو ایک لحہ اپنی حکومت میں حضرت علی ابن ابیطالب کو برداشت نہیں کر سکا تھا..اس میں کوئی شک نہیں، معاویہ کی شاطرانہ چال تھی جو مقصد تک پہنچنے کیلئے ہر کسی چیز کو بھی وسیلہ بنایا اور طلحہ و زبیر کو ڈرامائی انداز سے اپنے ہدف کی طرف کھینچ لیا۔ معاویہ اپنی حکومت کی پائداری کیخاطر لاکھوں انسانوں کے قتل پر راضی ہو گیا، جنمیں امیر المومنین علی ابن ابیطالب بھی شامل تھے، کیسے ممکن ہے کہ حکومت کو دو شخص طلحہ اور زبیر کے حوالے کر دے۔

بقول جلال الدین مولوی: "روم کے حاکم کے ذریعہ امام علی علیہ السلام کو قتل کرنے کا راستہ کھول دیا تھا"

معاویہ کی وہی شیطانی سیاست آج بھی حکومتوں کا سیاسی طریقہ کار بنا ہوا ہے اور لوگوں کو غفلت میں رکھ کر ان کا استحصال کر رہی ہیں اور آمرانہ طور سے کرسیٔ اقتدار سے چپکے ہوئے ہیں، خواہ جس طرح بھی ممکن ہو اور اس کا خراج کچھ بھی ادا کرنا پڑ رہا ہو۔ انھیں سب وجوہات کی بنا پر اسلامی نام و نمود کی حکومتیں بھی آزاد نہیں ہیں۔

۱۔ محمد تقی جعفری: ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ ج ۳ ص ۲۲۔

ڈموکراسی کیا ہے

ہندی زبان میں ,, پرجاتنتر ،، یا ,, لوک تنتر ،، کو ڈموکراسی ، جمہوریت
(Democracy) حکومت کہتے ہیں۔
کلمہ ڈموکراسی یونانی قدیم دو کلمہ سے ماخوذ ہے،
(۱) الشعب 'Domos' (۲) کراتوس Kratos
جس کا مرکب ہوا ,, سلطۃ الشعب ،، اردو میں لوگوں کی حکومت (اور ہندی زبان میں راج تنتر) کہتے ہیں
ہیرودوتس ، یونانی مؤرخ نے اسے اکثریت کی حکومت بتایا ہے۔
" قِیَامُ الحَاکِمِیْنِ بِمَسْؤلِیَاتِهِمْ فِیْ الحُکمِ أوْ تَکْلِیْفِ مِنْ الشَّعْبِ
عَنْ طَرِیْقِ الانْتِخَابِ أوْ الاسْتِفْتَاءِ بِصُوْرَۃِ وَ نَظْمِہِ اَلْمُخْتَلِفَۃِ"
لوگوں کی دو نوع ذمہ داری کے لئے حکومت کا قیام،
تمام شہریوں کو ان کے حقوق میں مساوات ، جس طرح دوسرے باشندوں اور ذمہ دار افراد کو ان کا حق ملا
ہے۔ قانونی طور سے شہریوں کے لئے اس کی شخصی حریت اور اپنے عقیدہ ، افکار اور سماجی حدود میں آزاد ہے۔

ڈموکراسی کی خصوصیت

(۱) انفرادی اور اجتماعی حریت ، جس میں آزادی بیان ، آزادی تحریر اور سیاسی حزبوں کی آزادی شامل ہے۔

یحی حسن درویش ، ڈاکٹر امام سلیم ، ڈاکٹر عبد المنعم شوقی ، علی فواد احمد : السیاسۃ الاجتماعیۃ ، ص/۲۱۔

قانون اور اختیار کے ذریعہ سے اس کی ضمانت دینا ہے۔

(۲) سیاسی اور سماجی معاملات میں مساوات کا حق دینا۔

(۳) شخص واحد یا جماعت واحد میں قدرت کا تمرکز نہ ہونا۔

(۴) سیاسی، اجتماعی ثبات واستحکام کا مہیا کرنا ہے۔

(۵) سیاسی ارتقا کا مناسب زمینہ ایجاد کرنا، جس میں خلاقیت، شکوفائی، استعداد، اقتصادی، ثقافتی افکار اور اس کے طریقہ کار کا بڑھاوا دینا۔

جمہوری اور ڈموکراسی حکومت میں تمام افراد سیاسی حقوق میں برابر ہیں، سبھی لوگ انتخاب کرنے اور ہونے کا حق رکھتے ہیں۔

ڈموکراسی پر ایک تبصرہ

سیاست مدار باوجودیکہ عالمی پیمانہ پر ڈموکراسی کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں کہ ملکوں کو ادارہ کرنے کا یہ بہترین نظام سیاست ہے لیکن اس میں بہت سے کمزور پہلو اور نقائص پائے جاتے ہیں:

(۱) کوئی جامع تعریف اور نہ ہی کسی ایک اصل پر اتفاق ہے۔

(۲) پروپگنڈہ اور میڈیا کے غلبہ سے اصل آزادی، حقائق اور اختیارات سلب ہو گئے ہیں۔

(۳) عوامی سطح پر مادی اقتصادی سہولیات میں نابرابری ہے۔

(۴) رائے دہندگان کی فہم وفراست اور اصل کار میں بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈموکراسی حکومت کی کمیت کو اہمیت ہے، کیفیت کی کوئی اہمیت نہیں ہے!

بالفاظ دیگر پڑھے لکھے، اہل استعداد، اہل فن وصنعت اور جاہلوں میں فرق نہیں سمجھا گیا ہے!

(۵) خدا محوری کے بجائے خود محوری شامل ہو جاتی ہے (اومانیسم، یعنی جس میں انسان کا ارادہ ہی بنیادی زندگی کا محور ہوتا ہے، اس طرح کے بہت سے عیوب ونقائص پائے جاتے ہیں) (۱)

۱۔ حسین جوان آراستہ: مبانی حکومت اسلامی، ص۷۵۔

نتیجہ

قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ سامراج کا ایک خاص مقصد اس ڈموکراسی کے ذریعہ دنیا کے ملکوں کو کمزور بنانا، ان پر اس بہانے کنٹرول جمانا، طاقت ور اور ثروت مند ملکوں کی طاقت تقسیم کر کے اپنے موافق جماعت کی حمایت کرنا اور اپنی سیاست کا نفاذ کرنا ہے۔ آج جو عالمی پیمانہ کی قیادت کا مسئلہ زیر بحث ہے، اسکا اصل مقصد قدرت کی بقا و استحصال کا مسئلہ ہے اور جن کے اختیار میں دنیا کا بیشتر حصہ ہے، وہ پانچ ملک ہیں، جب وہ چاہیں کسی کے حق کی تائید کریں اور جب چاہیں اپنے ویٹو پاور سے محروم کریں۔

اگر چہ ظلم کی نوعیت بدلی ہوئی ہے لیکن دراصل ہے وہی ڈکٹیٹر اور من مانی راج۔ انھیں یہ قدرت کس نے دی ہے کہ چاہیں تو کسی ظالم و متجاوز کی حمایت کریں، چاہیں تو دوسرے ملکوں پر ویٹو پاور سے دہشت گردی کا الزام لگا دیں، جس کو چاہا ٹرورزم کہہ دیا اور اپنے منافع و مفاد کیلئے دوسرے ملکوں کو تاراج کر کے اس کے خزانوں کا استحاصل نیز وہاں کے لوگوں کا آشیانہ اجاڑ کر آبرو ریزی کریں، کیا یہی اہل غرب کی ڈموکراسی ہے؟

اس کے مقابلہ میں انبیاء الٰہی نے ہمیشہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف کرنا سکھایا۔ رسول اعظم ﷺ نے مدینہ منورہ میں حکومت تشکیل دی تو مسلمان اور غیر مسلمان کے حقوق میں کرامت انسانی کی بنیاد پر عدل و مساوات کا برتاؤ کیا۔ اس کے بعد امیر المومنین علی ابن ابیطالب - نے رسول خدا کی درست صاف شفاف سیاست کا رواج پیدا کیا، تقریبا پانچ سال کی مدت میں حکومت الٰہی کا جو نمونہ پیش کیا ہے، اس میں دشمن کو بھی انکار کی گنجائش نہیں ہوئی ہے، خوارج (جو معاویہ کے فریب میں آکر امام علی علیہ السلام کی اطاعت سے روگردانی کی) جیسے دشمنوں سے فرمایا کہ تمہارا میرے اوپر تین حق ہے:

۱) مسجد کی رفت و آمد میں کوئی روک ٹوک نہیں کروں گا،

۲) بیت المال سے تمہارا وظیفہ نہیں کاٹوں گا کبھی بھی

۳) اور تم سے جنگ کرنے میں پہل نہیں کروں گا (۱)

۱۔ المغنی ج ۸، ص ۱۰۸۔ بحوالہ علوم سیاسی فصلنامہ تخصصی، ص ۱۲۰۔

اہل ڈموکراسی

صرف لوگوں کے رفاہ وراحت کا نعرہ (لوگوں کی حکومت ،لوگوں کے ذریعہ اور لوگوں کے لئے) بلند کرتے ہیں ، ان کی نظر میں اصل بحث کا محور لوگ ہیں ، دین وخدائی تصور اور اعتقاد کی دور دور تک جھلک نہیں دکھائی دیتی ہے۔ زندگی کی ماہیت ، کیفیت اس کی ضرورت کو ڈموکراسی معین کرتی ہے ، جبکہ ڈموکراسی کے قانون چند افراد خواہ وہ متعصب ، مفاد پرست ، سودجو ، مال ومقام کے حریص لوگ بنائیں۔

ڈموکراسی کی اکثریت ، اقلیت کی اہمیت اور اس کے حدود کو تنگ کردیتی ہے اور ایک طرح کی آمریت کو رضایت دیتی ہے۔

اسلام اس فکر کو قبول نہیں کرتا ہے کیونکہ اکثریت بھی اگر آئین خدا ، عدل وانصاف کی پابند ہو ، تو محترم ہے ورنہ اکثر کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

﴿مَا يَتَّبِعُ اَكثَرُهُمْ اِلَّا ظَنّاًاَنَّ الظَّنَّ لا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (۱)

ان میں سے اکثر لوگ صرف شک وگمان کی پیروی کرتے ہیں یقیناً گمان ، حق کی معرفت میں کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچاتا ۔ اس لئے اکثریت کی رائے ایسے وقت میں قابل قبول اور اہمیت کی حامل ہوگی جبکہ خدائی قانون عقلی اصول کی روشنی میں ہوگی ۔ اس خدائی قانون اور اصول عقلی میں جدا نہ ہونے والا رابطہ ہوتا ہے۔

خلاصہ

ڈموکراسی کے ماہرین انسانی حقوق کے تحفظ کیلئے اقوام متحدہ میں قانون جعل کرتے ہیں جبکہ انسان پیدا ہوتے ہی اللہ کی طرف سے اپنے کچھ حقوق ساتھ لیکر آتا ہے۔ ہزاروں حدیثیں حقوق کی مراعات کے سلسلہ سے کتب احادیث میں ذکر ہیں ، زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے مسائل کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ غرضکہ قرآن و حدیث نے ایک اچھے معاشرہ سے متعلق رہنمائی کی ہے اور شریعت کی باتیں خارج از حقیقت نہیں ہوا کرتی ہیں۔

۱۔ سورۂ یونس آیت ۳۶

لائیک

لائک یا لائیسم (Laiicisme) یہ لفظ انگریزی (laicus) جو امور خدا کے مقابلہ میں بندوں کے امور سے ماخوذ ہے۔ جسکا مقصد حسب ذیل ہے:

مذہبی معاشرہ کو سیاسی قدرت سے الگ تھلگ رکھنا، حکومتی کارکنوں کا کفر والحاد کے رسم ورواج پر تاکید اور مذہبی امور سے پرہیز کرنا، دینی نظریات سے دوری اختیار کرنا ہے۔ اس نوع حکومت میں حکمراں جماعت اور باشندے ملحدانا عقیدہ رکھتے ہوں تو انھیں لائیک کہتے ہیں جیسے فرانس کی حکومت ۱۹۰۵ء سے رسمی طور پر لائک ہوگئی اور ترکیہ کو ۱۹۲۲ء میں لائیک حکومت بنادیا گیا جبکہ اس ملک کے باشندے دین پر اعتقاد رکھنے والے ہیں (۱)

ترکی دارالاسلام کے حکم میں آتا ہے، اسلئے کہ اکثریت سے وہاں کے لوگ مسلمان ہیں اور وہاں جانی، مالی اور عقیدتی آزادی تھی لیکن چند دہائی سے حکمراں جماعت نے سامراج کی خوشنودی میں یورپی تہذیب وثقافت امت مسلمہ پر تھوپ دی ہے، چنانچہ وہاں کی سب سے بڑی مشکل یہی ہے کہ لوگ دین چاہتے ہیں اور حکمراں سیاسی جماعت غربیوں کی خوشنودی چاہتے، خود میں اتنی صلاحیت نہیں کہ اپنے ملک کی ضرورتوں کو خود پورا کرسکیں۔

یہ ہے عہد جدید کی ڈموکراسی جو حقوق بشر کی سب سے بہترین ضامن ہے، اسی کو عالمی مقبولیت بھی حاصل ہے جس میں ''انسان اور گدھا دونوں لباس انسانیت پہن لیں تو چھوٹے سے فرق کے بھی قائل نہیں ہوتے کیونکہ لوگوں کی تعداد کا فقط معیار مانتے ہیں، ان کی کیفیت کا لحاظ نہیں کرتے ہیں (۲)

۱۔ افق حوزہ سال ۳ شمارہ ۱۰۸/ص ۷۔

۲۔ تاریخ نہضت دینی سیاسی معاصر ج ۱/ ص ۲۷

سازش اور موقعیت سے استفادہ

اگر پرہیزگاری، دینداری، شرافت اور کرامت انسانی کا مسئلہ نہ ہوتا تو امام علی -سب سے بڑے سیاسی ہوتے یہی سب چیزیں مانع تھی کہ کبھی موقعیت یا کسی کی مجبوری سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ اصول دینی اور فلاح انسانی کے تحت عمل کیا۔ جس وقت طلحہ اور زبیر خدمت حضرت امیرالمومنین -میں آئے اور عرض کیا آپ کی بیعت اس شرط پر کرتے ہیں کہ حکمراں جماعت میں شریک کرلیجئے تو فرمایا:

"لاوَلٰکِنّکُمَا شَرِیکَانِ فِی الْقُوَّۃَ وَالْاِسْتِعَانَۃِ وَعَوْنَانِ عَلٰی الْعَجْزِوَالاوَدِ" (۱)

نہیں! تم صرف مدد کرنے اور ہاتھ بٹانے میں شریک اور مشکل وسختی کے موقع پر مددگار بن سکتے ہو۔

یعنی امام -ہرگز تغافل، موقعیت اور شاطرانہ طور سے فائدہ اٹھانے کو سیاست نہیں سمجھتے اور نہ تو اس طریقہ سے حکومت ہی حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن آپ کے علاوہ دیگر مکاتب اور سیاست دانوں نے کبھی سیاست کو علم قدرت جانا اور کبھی علم، مطالعہ و دولت اور کبھی معاشرہ پر علم حکومت سے تعبیر کیا ہے۔ سامراج کی تہذیب اور دیانت میں کامیابی کی راہیں دولت، قدرت، سلطنت اور حکومت کی تحصیل ہے۔ وہ ماوراء طبیعت، معنویت، سعادت اور راحت نفس جیسی باتوں سے دور ہیں، دوسرے ملکوں کے افکار اور ان کے مادی ذخائر پر ناجائز اقتدار جمانے کے درپے ہیں۔ وہ جہاں اپنی جھولیاں بھرنے کیلئے قوموں اور ملکوں میں نفوذ کرکے دنیا کی تسخیر میں مصروف ہیں، وہیں پر اسلام کی تہذیب وثقافت اور اصل ہیئت کو بگاڑنے کی پوری پوری کوشش کررہے ہیں۔

اسلام کی نظر میں ہر کوئی نظام ڈموکراسی ہو یا جمہوری، اگر اس کی حاکمیت اور ادارت کا سرچشمہ خدائی اصول سے جدا ہو تو وہ اسلام کی نظر میں معتبر نہیں ہے۔ اسلام کے علاوہ جو بھی نظام ہیں ان کے حکام لوگوں پر حکومت اور قیادت اپنے نظریاتی مفاد کے مطابق تحمیل کرتے ہیں، خود کو حاکم اور دوسروں کو محکوم سمجھتے ہیں جو اسلام کے اصول سے میل نہیں کھاتا ہے۔

سرکار دوعالم رسول اللہ ﷺ کے بعد عدل و مساوات کی حکومت کے علمبردار اور اس کے محافظ امیر المومنین امام علی ؑ کا ایک جملہ جس میں بہت بڑا پیغام مضمر ہے، اس سلسلہ میں آپ بھی غور کریں:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ اَنَّهُ لَمْ یَکُنِ الَّذِی کَانَ مِنَّا مُنَافَسَةً فِی سُلْطَانٍ وَلَاالْتِمَاسَ شَیْءٍ مِنْ فُضُوْلِ الْحُطَامِ وَ لٰکِنْ لِنَرِدَ الْمَعَالِمَ مِنْ دِیْنِکَ وَ نُظْهِرَ الْاِصْلَاحَ فِی بِلَادِکَ فَیَاْمَنَ الْمَظْلُوْمُوْنَ مِنْ عِبَادِکَ وَ تُقَامَ الْمُعَطَّلَةُ مِنْ حُدُوْدِکَ"(۱)

خدایا! تو بہتر جانتا ہے کہ میں نے جو کچھ بھی انجام دیا ہے وہ نہ سلطنت کے لئے تھا اور نہ ہی متاع دنیا کی ذخیرہ اندوزی کیلئے بلکہ اس لئے انجام دیا کہ تیرے دین کی نشانیوں کو واپس لاؤں اور تیرے ملکوں میں اصلاح وہدایت کو آشکار کروں تا کہ تیرے مظلوم بندے امن وسلامتی اور آزادی کی زندگی بسر کریں، وہ قوانین جو بھلادئے گئے ہیں دوبارہ زندہ ہوں۔

مزید فرماتے ہیں: خدایا میں نے بس تیری طرف رخ کیا، تیرے احکام کو سنا اور قبول کیا، تیری بندگی میں رسول کے علاوہ کسی نے مجھ پر سبقت نہیں کی ہے۔

"جنگ جمل میں کچھ سردار قبیلہ حضرت علی ؑ کی شدت عدالت سے مایوس ہونے کے بعد امام ؑ سے اجازت چاہی تا کہ حج عمرہ انجام دینے کیلئے مکہ روانہ ہوں۔

امام نے فرمایا: تم حج عمرہ کے لئے نہیں جارہے ہو! ان دونوں نے قسم کھائی کہ حج عمرہ کے علاوہ کوئی اور ارادہ نہیں ہے، آخر کار امام علی ؑ نے جانے کی اجازت دیدی۔ جب وہ دونوں باہر چلے گئے امام نے حاضرین سے فرمایا:

۱۔ نہج البلاغہ، خ ر ۱۳۱۔

ان دونوں کو اس کے بعد نہیں دیکھو گے کیونکہ ایک جھڑپ میں مارے جائیں گے۔

حاضرین نے کہا: یا امیر المومنینؑ پھر حکم دیجئے تا کہ ان دونوں کو واپس بلوا لیا جائے۔

امامؑ نے فرمایا:

''انھیں اپنی راہ جانے دو تا کہ قضاء الٰہی (جسکا زمینہ خود انھوں نے فراہم کیا ہے) ان پر نازل ہو''(۱)

یہ دونوں مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے اور جو بھی ملتا کہتے کہ علی ابن ابیطالبؑ کی کوئی بیعت ہماری گردن پر نہیں ہے، جن لوگوں کو طلحہ و زبیر کا جھوٹ اور مکر معلوم ہوا کہا خدا اپنی رحمت ان سے دور کرے۔

۱۔ علامہ محمد تقی جعفری: ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۲۱/۳۲۔ ۱۶/۱۷

شرح نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۲۳۱/۲۳۳: ابن ابی الحدید۔

اسلام کا سیاسی نظریہ

مسلمانوں کی تاریخ میں سیاست وتدبیر اور ملک کو ادارہ کرنے کا عمل صدر اسلام سے دیکھا گیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ کسی مستحکم اور پائدار سوسائٹی (establish society) کے لئے چند چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) اس چیز کا ویلو (valu) جو مقصد زندگی کو معین اور معاشرہ کے افراد کو اس کی طرف ہدایت کر سکے۔

(۲) جو قاعدہ یا اصول مدنظر امور کی اہمیت کے تحت معاشرہ کے لئے مددگار ہو سکتا ہے۔

(۳) ایک طرح کا نظم وتشکیل (orgnized) اور لوگوں کا کردار ہی معاشرہ کے نظام کو درست اور فعال رکھتا ہے ہر سماجی نظام کو اپنے اس ہدف کے محفوظ ومستمر رکھنے کیلئے یہ کام کرنا پڑتا ہے، کسی نظام کی حفاظت اور اجتماع سے روابط اور اختلاف کا حل، مقصد تک پہنچنا اور شرائط کا منطبق ہونا، ہر معاشرہ کے سیاسی نظام میں یہ چار وظائف انجام دینا ضروری ہوتا ہے۔

دوسرے ایسے احکام، اصول، اشارے، کنائے، واقعات اور دلائل ہیں جن سے سیاسی امور کی شکل یا اس کے اصول مرتب ہوئے ہیں جیسا کہ بعض انبیاء (ملوک بھی گذرے ہیں، ان) کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور ایک اسلامی ریاست کو ادارہ کرنے کی بنیادی تدبیریں بتائی گئیں ہیں (۱)

﴿وَ اَمْرُهُمْ شُوْرَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (۲) ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔

۱۔ شبلی وسلیمان ندوی: سیرۃ النبی، ج ۲/ ص/ ۵۵۔

۲۔ سورہ شوری، آیت/ ۳۸۔

مرسل اعظم ﷺ فرماتے ہیں: "أنه ما مِنْ رَجُلٍ يُشاوِرُ أحداً ألا هُدى الرُّشد"
کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ اپنے کاموں میں مشورہ کرے اور درست ہدایت نہ مل پائے۔

پیغمبر اکرم ﷺ عقل کل پیغام وحی سے متصل ہونے کے باوجود سماجی، اجرائی، جنگ و صلح اور دوسرے اہم کاموں میں مشورہ کرتے اور ان کے نظریات کی قدردانی کرتے تھے (۱)

اس کے علاوہ آیت و روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر چہ قرآن میں لفظ سیاست کا صراحت کے ساتھ بیان نہ بھی ہوا ہو لیکن بہت سارے اجتماعی، حکومتی، قضائی، حقوقی، نظامی، آبادانی، دفاعی، اجرائی، میراثی، جنگی، ثقافتی ایسے امور ہیں جن کو سیاست ہی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

کلام ائمہ میں دیگر بہت سے احکام، اشارے، کنائے وغیرہ استعمال ہوئے ہیں کہ جن سے سیاست کے مفاہیم کو آسانی سے استخراج کیا جا سکتا ہے جیسے خلافت، نبوّت، رسالت، امامت، وراثت، ملک، ادارت، قضاوت اور جنگ سے متعلق امور، حدود و قصاص، کا جاری کرنا، مسلمان کا کافر و مرتد ہو جانا، ظلم کے خلاف بیزاری اور مظلوموں کی ہمدردی، قوم کے پسماندہ لوگوں کی حمایت ایسے بہت زیادہ مفاہیم قرآن میں موجود ہیں جو سیاست اور اس کے مترادف الفاظ پر دلالت کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر: ﴿يَادَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابَ﴾ (۲)

اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ (نمائندہ) بنایا تم لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ کرو اور خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرو، ورنہ تمہیں راہ خدا سے منحرف کردے گی، یقیناً جو راہ خدا سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے روز حساب کو بھلا دیا ہے۔

۱۔ شوراء تفسیر نمونہ ج ۲۰، ص ۴۶۲۔

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾(۱)

حق کا حکم اور فیصلہ کرنے کو ہی خلافت کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔

آیت میں کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں کے درمیان ایسا فیصلہ کرنا جو حق کے قانون پر مبنی ہو یہی تو دیانت ہے اور اس کے علاوہ جو حکم ہوگا وہ غیر شرعی ہوگا۔ حکم اور حکومت چلانا دین کے اصول کے مطابق ہو اور یہ وہی نعرہ ہے جو مرحوم آیۃ اللہ شہید مدرس نے بلند کیا تھا:

"سیاست ما عین دیانت ماو دیانت ماعین سیاست ماست"

اسلامی سیاست ہماری دینداری اور ہماری دینداری ہی عین سیاست ہے۔

یہاں پر علامہ سید محمد حسین طباطبائی نے کہا ہے کہ سیاست:

یعنی قرآن کے مطابق لوگوں کو دین اور دنیا کے امور میں مقصد کمال کی طرف رہنمائی کرنا ہے(۲) مختصر طور پر اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی مفاہیم میں سیاست کے عنصر پائے جاتے ہیں۔

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُونَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ﴾(۳)

ہم نے انہیں امام بنایا تا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی ہدایت کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نماز کے قائم رکھنے اور زکوۃ دینے کی وحی کی اور وہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ کے نمائندوں کی امامت کا ذکر ہے، وہیں شیطانی نمائندوں کی امامت کا ذکر ہے:

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ جہاں جناب ابراہیم، جناب عیسیٰ، جناب موسیٰ اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے گھر والوں کی خدائی نمائندگی ہوگی، فرعون نمرود ابو جہل وابوسفیان کے گھر والوں کی شیطانی نمائندگی بھی ہوگی۔

پیغمبر اسلام ﷺ سے حدیث بیان ہوئی ہے:

۱۔ سورہ ص، آیت ۲۲۔

۲۔ علامہ سید محمد حسین طباطبائی: تفسیر المیزان ج ۳۳، ۳۱۱۔

"اِنَّ الرِّیَاسَۃَ لا تَصْلَحُ اَلّا لِاَھلِھَا مَن دَعَی النَّاسَ اِلٰی
نَفسِہِ وَ فِیھِم مَن ھُوَ اَعلَمُ لَم یَنظُرِ اللّٰہُ اِلَیہِ یَومَ القِیَامۃ"(۱)

قیادت فقط اس کی اہلیت رکھنے والے کو زیب دیتی ہے جو رہبری کی اہلیت رکھتے ہوں پس جو اپنی ذاتی غرض کے لئے لوگوں کو دعوت دے جبکہ لوگوں میں اس سے بہتر افراد موجود ہوں تو خداوند عالم روز قیامت ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرے گا۔ یعنی ایسے حاکم جن میں اہلیت وصلاحت نہیں ہے، ان کی حکومت اور قیادت درست نہیں ہے۔ اس سے واضح الفاظ میں قیادت کا بنیادی قانون یا اصول سیاست اور کیا ہوسکتا ہے؟

اسلامی سیاست اور سیاست دان کو جداگانہ بیان کیا ہے کیونکہ ممکن ہے، مذکورہ سیاسی شخصیت، ائمہ اہلبیت سے دوری، قطع رابطہ، انحرافات، اختلافات، مختلف وجوہات جیسے ظالم حاکم کے زیر نظر رہے ہوں، اس بنیاد پر درست سیاست کا اعلان نہیں کرسکا یا ظاہری اقتدار ماحول نہ ہونے سے عدم علم میں بسر کررہے ہوں، یا طاغوت کے زیر اثر حکومت میں قرآن کے حقیقی معنی کے بجائے غلط معنی اور تفسیر سے متاثر رہے ہوں یا عدم اقتدار کی وجہ سے قوم افتراق وانتشار میں پڑ رہی ہو جیسا کہ وفات رسول سے ہی کئی نظریہ اور طریقہ کار حکومت کے سلسلہ میں سامنے آیا ہے جو خود ساختہ اور ایک غلط سیاست پر مبنی تھا۔ انھوں نے ظاہری احکام کو اپنا لیا ہو اور روح اسلام سے دور ہوتے گئے۔

اسی طرح کا طریقہ آج بھی ملاحظہ فرماسکتے ہیں کہ بعض ممالک جو سامراجی طاقتوں کے زیر اثر ہیں، وہ اپنے مفاد کے تحت آیتوں کی تفسیر وتاویل کررہے ہیں۔ عوام فریبی کیلئے درباری علماء بھی حکومتوں کی پشت پناہی کررہے ہیں۔ ایسے مسلمان نما حاکموں اور سیاستدانوں سے عالم اسلام میں تباہی وبربادی پھیلی ہوئی ہے۔

۱۔ بحار الانوار ج ۲/۹۳۔

اسلامی دانشوروں کی رائے

اسلامی دانشوروں کی نظر میں

سیاست: معاشرہ کو الٰہی قانون کی بنیادوں پر اسطرح استوار کرنا کہ دنیا وآخرت کی سعادت نصیب ہو سکے خاص طور سے مادی امکانات کو فطری قوانین کی روشنی میں شگوفائی حاصل ہو سکے اور نتیجہ میں آئین الٰہی کے نفاذ سے انسانیت کو کمال مطلوب تک پہنچا سکے گی۔

علامہ محمد تقی مصباح اسی مفہوم کو تعریف سیاست میں یوں بیان کرتے ہیں:

سماج کو ادارہ کرنے کا طریقہ یا تنظیم ہے تاکہ معاشرہ کے مصالح اور خیر وسگالی کا تحقق ہو سکے۔

دوسرے لفظوں میں: سیاست ملک کو ادارہ کرنے کا آئین ہے، اس شرط سے کہ منفی پہلو نہ ہوں یعنی فریب کاری، دھوکہ بازی اور مکاری وعیاری نہ ہو(۱)

حضرت امام خمینیؒ اس سلسلہ میں کہتے ہیں:

''یہ بات جو کہی گئی ہے کہ دین؛ سیاست سے جدا ہے اور علماء اسلام کو سماجی وسیاسی امور میں دخالت نہیں کرنا چاہئے''

یہ سب باتیں بے دین لوگ کرتے ہیں، اس بات کا سامراج نے پروپگنڈہ کر رکھا ہے، ورنہ کیا ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں سیاست دین سے جدا تھی؟

۱۔ محمد تقی مصباح یزدی نظریہ سیاسی اسلام ۳۲/۱۔

اس زمانہ میں کچھ علماء، کچھ سیاست داں اور کچھ حکمراں تھے؟ خلفاء حق ہوں یا ناحق، کیا حضرت امیر المومنین کی خلافت سیاست، دیانت سے الگ تھی؟ یہ بات سامراجی اور سیاسی لوگوں نے درست نہیں کی ہے تاکہ دین کو دنیاوی امور میں تصرف کرنے اور معاشرہ کو نظم اور ادارہ کرنے سے الگ کردیں، اور اسی طرح لوگوں کی آزادی اور استقلال کیخاطر علماء اسلام کو جہاد اور مبارزہ سے جدا کردیں گے؟(۱)

ابونصیر فارابی: حکومت کی بہترین خدمات کو سیاست جانا جاتا ہے،

ان کی نظر میں: ''انسانی خدمات کا ماحصل ہی سیاست ہے''

فارابی کی نظر میں اچھی حکومت وہ ہے:

''جو افعال وسنن اور ملکۂ ارادی کو حکومت کے ضمن میں حقیقی سعادت کی طرف رہنمائی کرسکے''

اور لوگوں کیلئے ایسی حکومت فراہم کرسکے جو خوش بختی، سعادت مندی ایجاد کرتی ہے(۲)

سیاست: سوسائٹی کو ادارہ کرنے کا ایک ایسا طریقہ ہے کہ جس سے مادی اور معنوی فائدہ معاشرہ کو پہنچایا جاتا ہے(۳)

سیاست: اقوام عالم میں اعتدال قدرت کا سامان فراہم کرنا ہے جس کے ذریعہ ایک دوسرے پر تفوق، تفریق اور توہین کا سامان فراہم نہ ہو اور نتیجہ میں صلح عام برقرار ہوسکے(۴)

معروف مفکر علامہ سعدی کے بقول:

ملک کے لئے سیاست اسیطرح لازم ہے، جسطرح سے تجارت کے لئے مال اور علم کے لئے مباحثہ اور نقد و بحث ضروری ہوتا ہے(۵)

۱۔ روح اللہ الموسوی خمینی، ولایت فقیہ ص۲۳۔

۲۔ ابونصر محمد فارابی، احصاء العلوم ترجمہ حسین خدیو جم، ص۱۰۷۔

۳۔ محمد جواد نوروزی، نظام سیاسی اسلام/۱۶۔

۴۔ عیسیٰ ولائی ص۹/۱۰۔

اسلام میں سیاست

ممکن ہے سیاسی حضرات اسلامی سیاست کی اس گہرائی تک نہ پہنچ سکے ہوں جو واقعا اسلام کا نظریہ ہے انھوں نے حتی المقدور اسلام کا سیاسی نظریہ تلاش کرنے کی کوشش کی ہو درانحالیکہ اسلام کا صحیح نظریہ کچھ اور ہی رہا ہو، اس لئے چند معتبر کلام کا سہارا لیکر بحث کو آگے بڑھاتے ہیں:

"السِّیَاسَةُ اِسْتِصْلَاحُ الخَلْقِ بِارْشَادِهِمِ اِلٰی الطَّرِیْقِ المُنْجِیْ فِی العَاجِل وَالأَجَلِ"

لوگوں کو ہدایت کے ذریعہ اصلاح کی کمر ہمت باندھنا تا کہ انھیں دنیا و آخرت میں رہائی و نجات مل سکے (۱)

" السِّیَاسَةُ هِیَ اَنْ تُوَدّیْ حَقَّ اللّٰهِ وَ حَقَّ الاَحْیاَءِ وَ الاَمْوَاتِ "(۲)

امام حسن ۔ سے نقل ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے زندہ اور مردہ بندوں کو ان کا حق پہنچانا ہی سیاست ہے۔ زندوں کو ان کے حقوق کا پہنچانا واضح ہے لیکن مردوں کا منجملہ حق یہ ہے کہ ان کی خدمات کا ذکر ہو اور ان کی قربانیوں کو یاد کیا جائے، خاص طور سے جو جتنے بلند مقام کا مالک ہوگا اسی لحاظ سے اس کا احترام کیا جاتا ہے، جیسے ائمہ اہلبیت سے امام حسین ۔ نے تحفظ اسلام کیلئے اتنی عظیم قربانی پیش کی جو ہمیشہ کیلئے بقاء دین کی ضامن بن گئی۔

سیاست: انسان کی اپنی آگہی اس معاشرہ کی نسبت جہاں سے گزرتا اور اس سے وابستہ ہوتا ہے (۳)

۱۔ سعید الخوری شرتونی: اقرب الموارد فی فصح العربیہ والشوارد، ج ۱/۱۔

۲۔ سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر، ج ۱/ص ۵۲۵/۔

۳۔ ڈاکٹر علی شریعتی: تاریخ ادیان، ص/۱۱۔

علامہ محمد تقی جعفری

سیاست: لوگوں کی اجتماعی زندگی کو ادارہ کرنا اور ہر ممکن بہتر تنظیم دینا ہے، جو مقصد زندگی کی معقول راہوں پر گامزن ہو(۱)

جمہوری اسلامی کے بانی حضرت امام خمینیؒ کا کہنا ہے

سیاست یہ ہے کہ انسان سماج کی ہدایت کرے، سماج کی تمام مصلحتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے ایسی چیزوں کی رہنمائی کرے جس میں ان کی خیر وصلاح اور بھلائی ہو، افراد کی اصلاح ہو اور یہ کام انبیاء سے مخصوص ہے، دوسرے اس سیاست کو ادارہ نہیں کر سکتے۔ یہ انبیاء اولیاء سے مخصوص ہے اور ان کی پیروی کرنے والے بیدار علماء اس سنگین ذمہ داری کو انجام دے سکتے ہیں (۲)

علامہ محمد تقی جعفری

علامہ نے اپنی تعریف کی وضاحت میں معقول حیات کو انبیا الٰہی کی والاصفات بتایا ہے۔

انبیا الٰہی اور ان کے اوصیا جیسے حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت محمد مصطفیٰ و حضرت علی مرتضیٰ ؑ کے بلند مقاصد کو بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے کسی طرح کی بھی فداکاری، ایثار و قربانی سے دریغ نہیں کیا اور اپنے عمل سے اس راہ کو باقی اور زندہ رکھا ہے (۳)

اسلام کا جو مقصد ہے وہ تمام موجودہ وسائل اور امکانات کا انسان کے فلاح و کامیابی تک پہنچنے کیلئے استفادہ کرتا ہے۔ اس کو صحیح طریقہ سے استعمال کرنا ہی سیاست ہے۔ درست سیاست ہی اس آرزو کو پورا کر سکتی ہے، جس سے ہر انسان کی ہدایت و اصلاح ہو سکے۔

۱۔ محمد تقی جعفری: حکمت اصول سیاسی اسلام، ص ۴۱۔

۲۔ روزنامہ اطلاعات ۴، ۱۰، ۱۳۵۹ش، فارسی تہران۔

۳۔ محمد تقی جعفری: حکمت اصول سیاسی اسلام، ص ۱۴۔

سیاست کا محور

اسلامی سیاست کا محور یہ ہے کہ انسان قانون خدا کی پیروی کرے کیونکہ یہی زندگی کے تمام مراحل میں روشنی اور ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے، طاغوتی طاقتوں کی پیروی انسان کو تاریکی کی طرف لے جاتی ہے۔

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (۱)

ایمان والوں کا سرپرست اللہ ہے جو انھیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور جو کافروں کو اپنا ولی بنالیتے ہیں انھیں نور سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ لوگ جہنمی ہیں، ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

ان مذکورہ بحث میں جو ایک اہم نکتہ بحث کا محور بن سکتا ہے وہ ولایت اور قیادت کا مسئلہ ہے، ہم نے دیکھا اسلامی افکار میں ہر ایک مفکر نے تقریباً اسی مفہوم کو اپنی تعریف کا جزء بھی بنایا ہے۔ قرآن وسنت سے دلیلیں اس سلسلہ میں فراوان ہیں جو اللہ تعالیٰ نے امامت کے سلسلہ میں معاشرہ کی رہبری کے لئے قرار دیا ہے۔

امامت کی وضاحت: امامت مسلمانوں کی دین و دنیا سے متعلق ایسی رہبری ہے جو کہ مرسل اعظم ﷺ کی خلافت اور نیابت کی بنیاد پر استوار ہے (۲)

دوسری جگہ امامت کے سلسلہ میں کہا گیا ہے

امامت دینی اور دنیوی امور میں مکمل پیشوائی و سرداری ہے (۳)

ائمہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہاری رہنمائی کرنے والے ہیں لہذا دقت کرو کہ تم اپنے دین اور (احکام) نماز میں کس کی اقتدا کر رہے ہو (۴)

۱۔ سورہ بقرۃ، آیت ر۲۵۷۔

۲۔ عبدالرزاق لاہجی: گوہر مراد، بے تا، ص ر۳۲۹۔

۳۔ ابراہیم امینی: بررسی مسائل کلی امامت، ص ر۲۷۔

۴۔ علامہ محمد باقر مجلسی: بحار الانوار، ۲۳۔۳۰۔

نفاذ ولایت سیاست ہے

اللہ تعالیٰ کی پیروی کا دو طریقہ ہے (۱) اس کی ولایت اور حاکمیت کا تسلیم کر لینا (۲) اس کی اطاعت اور بندگی انجام دینا۔ ولایت کا تعلق انسان کے باطن اعتقاد سے ہوتا ہے اور اطاعت و بندگی کا تعلق ظاہری اعضاء بدن سے ہوتا ہے۔ اسلام میں روزہ نماز سے زیادہ اللہ کی ولایت و اطاعت مہم ہے پھر اس کے رسول اور جانشینوں کی پیروی کرنا اور اس کے ساتھ ہی دوسروں کی ولایت و سرپرستی سے انکار کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ نے کچھ ذمہ داری اپنے نمائندوں کے سپرد کی ہیں اور لوگوں کو بھی چاہئے ان کی اطاعت کریں۔ اسلامی اصول میں اتحاد و انسجام کی کم اہمیت نہیں ہے، ہر عبادت عمل و کردار میں ولایت کو ہی معیار بنایا گیا ہے۔ جن بنیاد پر سب کو اطاعت خدا کے ساتھ رسول و ائمہ کا اطاعت گزار ہونا چاہئے کیونکہ وحدت و اتحاد کے لئے توحید پر اعتقاد ہی سب سے اہم ہے۔ اسی ولایت کا ہی ثمرہ امت واحد اور حکومت الٰہی ہے۔ قابل غور بات ہے کہ ولایت اور قیادت سے متعلق جو خصوصیت ذکر ہوئی ہے اس کو اسلامی منابع کی کتابوں میں بتدریج ولایت رسالت اور امامت سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں ان صاحبان ولایت کی معرفت، اطاعت اور ان سے عقیدت کی بڑی تاکید کی گئی ہے

﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه وَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلاةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکَاةَ وَهُمْ رَاکِعُوْنَ﴾

بیشک تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور اہل ایمان ہیں جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکات ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہوتے ہیں (۱)

---

۱. سورہ مائدہ، آیت/۵۵۔

صاحبان امر؛ اللہ تعالیٰ کی ذات مبارک، پھر رسول کریم اور ائمہ ہدیٰ ہیں، جن کے اعمال و کردار کے گرد صحیح سیاست گھومتی ہے چنانچہ جب ایک انسان کامل معاشرہ کی ادارت خدائی حاکمیت کے تحت ادارہ کرتا ہے تو وہی اسلامی حکومت کا بہترین نمونہ بن جاتا ہے اور اس کی سعی و کوشش اسلامی خصوصیت کی حامل بن جاتی ہے جو اس ولایت سے ہٹ جاتا ہے وہ شیطانی اور باطل کی حکومت کا مصداق ہوتا ہے۔

﴿ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِيْنًا ﴾

جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا سرپرست بنائے گا وہ کھلم کھلا گھاٹے میں ہوگا(۱)

﴿ اَنَّهُمُ اتَّخَذُوْا الشَّيَاطِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو سرپرست بنالیا ہے(۲)

خدا کی ولایت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ اور ان کے جانشین کی ولایت کی پیروی لازم ہے، جس میں ہر ایک کی ولایت ایک دوسرے سے متعلق، مرتبط اور منسلک ہوتی ہے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ امام علی ؑ سے فرماتے ہیں:

"دراصل خوش بخت وہ شخص ہے جو تم سے محبت کرتا اور تمہاری پیروی کرتا ہے"(۳)

حسکانی نے حذیفہ سے استناد کرتے ہوئے ایک روایت سرکار رسالت محمد مصطفیٰ ﷺ سے نقل کیا ہے:

"وَاِنْ تَوَلَّوْا عَلِيًّا تَجِدُوْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا يَسْلُكُ بِكُمُ الطَّرِيْقَ الْمُسْتَقِيْمَ.."(۴)

اگر تم لوگ علی ابن ابیطالب سے محبت کرو گے اور انھیں اپنا سرپرست بنالو گے پھر تم انھیں اپنا ہادی اور مہدی پاؤ گے۔ وہی تمھیں صراط مستقیم پر لے چلیں گے۔ اس حدیث شریف میں لفظ "اِنْ" شرط کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کی دلالت مفہوم پر ہوتی ہے، جیسے منطق کا قانون ہے:

---

۱. سورہ نساء، آیت/۱۱۹۔

۲. سورہ اعراف، آیت/۳۰۔

۳. شیخ طوسی: الامالی ص ۴۲۶۔ تحقیق موسسہ البعثہ۔

۴. ابونعیم اصفہانی: حلیۃ الاولیاء، ج ۱/۶۴، ح/۱۔ بحار الانوار، ج ۳۵/ ۳۹۸۔ المناقب ج ۳/ ۸۳ (ملتی جلتی حدیث)

''اِنْ کَانَتِ الشَّمْسُ طَالِعَۃٌ فَالنَّھَارُ مَوْجُوْدٌ''

اگر سورج نکلا ہوگا تو دن موجود ہوگا اور اگر سورج نکلا نہیں ہوگا تو دن موجود نہیں ہوگا۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اگر علی ابن ابیطالب کو اپنا ولی اور امام تسلیم کرلو گے تب امام علی- ہدایت اور تمہاری دستگیری کریں گے پھر تمہارا سیدھا راستہ بہشت کا ہوگا اور اگر علی ابن ابیطالب کے علاوہ کسی اور کو ولی، امام یا سرپرست بنایا تو تمہارا مسلک جہنم ہوگا۔ یہ مفہوم حجت ہے، جس پر جملہ علماء اصولین کا اتفاق ہے۔ اس حدیث شریف سے نتیجہ یہ نکلا کہ درست سیاست اور اس کے اصول کی بازگشت امام علی علیہ السلام کی ولایت، امامت اور محبت پر ہی منحصر ہے۔

ایسا ہوتا آیا ہے کہ جب کسی چیز کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے تو اس کی مخالفت بھی زیادہ ہوگی؛ جیسے اصول دین میں ملاحظہ فرمائیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، نبوت، عدالت، قیامت کی مخالفت امامت کے مقابلہ میں کم ہے۔ امامت کیلئے زیادہ مخالفت اور حساسیت دیکھنے میں آتی ہے۔ زمانہ حاضر میں جب دشمن نے دیکھا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالمی شخصیت کے پرچم تلے سارے مسلمان جمع ہو رہے ہیں، اس وقت سے شخصیت رسول کو مٹانے کیلئے مختلف طریقہ کار اپنالیا ہے، حد ہوگئی کہ آنخضرت کا تمسخر اڑایا جارہا ہے۔ یہی کام حیات رسول سے دشمن امامت کیساتھ کررہے ہیں اور اہل بیت کی ولایت کے مخالفین کفار و مشرکین اور منافقین نے متحدہ محاذ بنالیا ہے۔ جس کی وجہ سے کیا کچھ مظالم رسول اللہ کے اہل بیت پر نہیں ڈھائے گئے ہیں۔ بیشتر ظلم کرنے والے نام نہاد مسلمان ہی تھے۔ اس طرح کے منافقوں نے ہر دور میں اسلام کے نام پر غلط فائدہ اٹھایا ہے۔

سیاست کا حلقہ

اہل سیاست ملک کے نظام سیاست میں مختلف طریقہ سے کوشش کرتے آئے ہیں کہ لوگوں پر اپنی حکومت کو جائز قرار دیکر ان پر مسلط رہیں اور اگر اس سلسلہ میں توجہ کم ہوئی تو ملک نظامی بحران سے روبرو ہو جاتا ہے۔اس وجہ سے ہر دور میں سیاست کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے،شاید اسی بناء پر ہر حکومت اپنے نظام سیاست میں ایک طرح کی جبری سیاست بھی لاگو کرتے ہیں جس پر تمام افراد کا عمل پیرا ہونا بھی لازم ہوتا ہے۔اس طرح سے ملک میں (political socialization) ایک سیاسی معاشرے کی ابتداء ہوتی ہے اور بتدریج بین المللی منافع کی (international interest) سیاست گذاری (policy making) تنفیذ عدالت پر ہے اور یہ کوئی جدید مسئلہ نہیں ہے بلکہ زمانہ قدیم سے صاحبان علم وفکر نے سیاسی اقتدار اور سماجی امور سے متعلق بحث کی ہے،جس میں اسلامی شخصیتوں نے بھی اس سلسلہ میں اپنی توجہ کا بہت اچھا ثبوت دیا ہے،ملاحظہ فرمائیں:

(اول) افلاطون کی ,,جمہوریت،،

(دوم) ارسطو کی ,,سیاست،، اور

(سوم) ابونصیر فارابی کی ,,مدینہ فاضلہ،، نامی

جیسی کتابیں اس بات کی گواہ ہیں کہ ہمیشہ سے سیاست سماج کا جدا نہ ہونے والا ایک اہم مسئلہ رہا ہے۔آج بھی بڑے بڑے مفکرین کا موضوع بحث سیاست بنا ہوا ہے اور یہ ایک فطری امر ہے کہ ایک طرف روز بروز سارے معاشرہ کا ایک دوسروں کے ساتھ لگاؤ اور ان کے بعض خواستہ یا ناخواستہ روابط،رفت وآمد اور رہن سہن کی پیچیدگی،سیاسی ارتباط،اقتصادی دوڑ،دینی وسیاسی اقتدار اور مختلف تہذیب وثقافت کے اثرات نے جہال اجاق

سیاست کو بڑھاوا دیا ہے، وہیں پر دوسری جانب اگر سیاسی ارتباط (communication) پر درست نظر نہ ہو، آپس میں اعتماد سازی، صراحت وصداقت نہ ہو، فقط احساسات جذبات کو ابھار کر مختلف پارٹیوں کو اپنے سیاسی منافع میں استعمال کرنا مقصود ہوتو ان سب کے سبب قوموں کا استحصال ہوگا لیکن اگر عدالت نہ ہوتو کسی اعتبار سے امن وسلامتی کے ساتھ زندگی نہیں گذاری جاسکتی لہذا بنیادی فرمان عدل وانصاف پر مبنی سیاست کا وجود اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہے۔

﴿وَ اَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِا الْقِسْطِ﴾(۱)

ہم نے ان نبیوں کے ساتھ کتاب اور میزان بھیجا تا کہ عدل وانصاف کا اجرا کریں۔

یہ قرائن گواہ ہیں کہ سیاست کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔نفاذ عدالت کے لئے سیاسی عمل درآمد، قدرت پر دسترسی رکھنے والے افراد ہوں جو اس امر کو انجام دیں۔

حضرات عیسیٰ روح اللہ ہوں یا ابراہیم خلیل اللہ، خاتم الانبیا محمد مصطفیٰ ہوں یا خاتم الاوصیا بقیۃ اللہ سب لوگوں میں عدل وانصاف کا نفاذ کرنے والا ہے۔خاص طور سے عہد حاضر امام بقیۃ اللہ سے مخصوص ہے اور روزانہ کے حالات، واقعات اور حادثات سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ لوگوں نے عالمی عدالت کو قدرے درک اور یقین کرلیا ہے کہ اسلام کی ہی بساط قدرت وتمکنت ہے جو اس عدالت کو نافذ کرسکتی ہے۔

لوگ اجتماعی زندگی چاہتے ہیں

ان سب سے قطع نظر انسان مدنی الطبع ہے، ایک اجتماعی، ثقافتی زندگی گزارنا چاہتا ہے ساتھ ہی اس کے نفس میں تسلط کا بھی ایک جذبہ پایا جاتا ہے جو ہمیشہ ایک دوسرے پر فوقیت، حکومت، اقتدار جمانا چاہتا ہے، جو ظلم و زیادتی، جھوٹ، سرکشی اور قتل وغارت گری کا سرچشمہ ہے۔واضح رہے کہ رفع اختلاف، دفع خصومات اور نظم و مساوات کو بحال کرنے کیلئے بلاشک وتردید سیاست کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ لوگ طبیعی طور سے اجتماعی زندگی بسر کرسکیں لیکن درست سیاست کا نفاذ اسی وقت ممکن ہے جب معاشرہ میں درست سیاست یعنی عدالت کا اجرا ہو۔

سیاست عدالت کا نفاذ ہے

اگر چہ خدائی نمائندوں کے اختیار میں زیادہ مدت حکومت کی باگ ڈور نہیں رہی ہے، کم مدت صحیح لیکن ایسی عدل و انصاف پر مبنی ہوتی تھی جو حکومتوں کے لئے لائق نمونہ بن گئی ہے۔ جملہ انبیاء اور ائمہ نے ہمیشہ اس مقصد کی خاطر جدو جہد کی ہے تا کہ ظلم وفساد اور بربریت کو مٹا کر عدل وانصاف کی حکومت تشکیل دیں۔ نتیجہ میں مترفین اس صحیح نظام کی مخالفت کرتے آئے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو دوسروں کی کمائی پر عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے اور پھر انھیں پر حکومت کرتے ہیں۔ ظاہر ہیکہ صحیح نظام ربوبیت میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں، جو اس عدل و انصاف کو پائمال اور اس کی مخالفت کرتے ہیں، دیکھئے قرآن نے کس حصر کے ساتھ بیان کیا ہے:

﴿ وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِنْ نَذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُوْنَ ﴾ (۱)

شیخ مفید اختصاص میں ایک طولانی حدیث ذکر کرتے ہیں:

''امام علی علیہ السلام کی خدمت میں شہادت سے ایک روز قبل کچھ لوگ حاضر ہوئے اور سب نے چند بات کی گواہی دی: (۱) امیر المومنین علی ابن ابیطالب نے زیادہ مقدار میں اموال تقسیم کیا ہے، (۲) اور وہ لوگوں کی دنیا سے تھک چکے تھے، (۳) انھوں نے اجرائے احکام کے مقابل کوئی اجرت نہیں لی، (۴) انھوں نے مسلمانوں کے بیت المال سے ناقہ کی ساربانی کرنے والے ایک شخص کے برابر مال دنیا نہیں لیا، (۵) بلکہ اپنی گاڑھی کمائی سے بھی قوت لایموت سے زیادہ نہیں تناول فرمایا اور (۶) اس بات کی بھی سب نے گواہی دی کہ جس کا کوئی قریب کا

۱۔ سورۂ سبا، آیت ۳۴۔

پرسان حال نہیں ہوتا تھا تو امام اس کے سب سے زیادہ قریبی ہوتے تھے (۱)

عدالت پر ایسی سچائی کیساتھ عمل کرنے والا تاریخ میں کون انسان ہوگا، جسکو نفاذ عدالت کیوجہ سے شہید کیا گیا، امام نے ایسی حکومت کو عملی طور پر پیش کیا اور قول رسول ﷺ کو اپنے عمل سے زندہ کیا، رسول نے فرمایا تھا:

''ہر شخص کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ اس سے سلوک کریں''

(۲) نفاذ عدالت کے لئے کچھ مقدمات درکار ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

سیاسی قدرت کی تقسیم

درست سیاست سے ملک میں مساوات قائم ہوتی ہے، جب قدرت، منصب اور دولت کی برابر تقسیم ہوگی تو اس کا مطلب حکومت، قدرت، دولت، سیاست اور قیادت سارے امور میں عدالت کی مراعات ہونی چاہئے۔ جب ہی تو لوگ حکومت سے راضی، اس کے حامی اور مددگار ہوں گے، ورنہ آئے دن احتجاجات، بغاوت، مزاحمت اور قدغن کا علم بلند ہوتا رہے گا۔

ذمہ داری کی اہلیت

رسول خدا ﷺ مستعد افراد کی صلاحیت کے مطابق تربیت کرتے، مثال کے طور پر جو کمانڈر ہونے کا سزاوار ہوتا، جو نفاذ عدل و امانت الٰہی کا متحمل ہوتا اور جو مختلف علوم کے لئے مستعد ہوتا ان کی تربیت کرتے تھے۔

ابن ابی الحدید: جب متفقہ طور پر سب نے امام علی - کی بیعت کرلی، طلحہ اور زبیر خدمت امام میں آئے کہنے لگے یا امیر المومنین... اللہ نے آپ کو عثمان کے بعد خلافت جیسی ولایت بخشی لہذا ہمیں انمیں سے بعض کی ولایت عطا کریں۔ امام نے ان دونوں سے کہا اللہ کی تقسیم سے راضی ہوجاؤ تا کہ اپنی رائے ظاہر کروں، جان لو کہ میں اپنی

۱۔ شیخ مفید: الاختصاص، ۱۶۰۔ علامہ محمد باقر مجلسی: بحار الانوار، ج ۴۰، ص ۱۱۶، ح ۱۷۔

۲۔ علی بن عثمان راجی طرابلسی: کنز الفوائد، ج ۲، ص ۱۶۲۔

الٰہی امانت میں کسی کو شریک نہیں بناؤں گا مگر ایسے ساتھیوں سے جو اللہ کے دین اور اس کی امانت سے راضی ہو جائے، امام کی عادت سے باخبر، دونوں مایوس ہو گئے اور عمرہ کی درخواست کی (۱)

ملکی نظم اور امنیت

جیسا کہ ملک کی امنیت اور نظم و انسجام وہاں کی عدلیہ اور اجرائیہ پر منحصر ہوتی ہے، جس کا تعلق اقتصادی، علمی اور انسانی سرمایہ کی درست تقسیم سے ہوتا ہے، لہذا چاہئے کہ ملک میں امن و سلامتی اور آشتی بحال کی جائے۔ لوگوں کو ان کے کاروبار اور امکانات میں سہولت دی جائے۔

تقسیم سرمایہ اور خدمات

ملک کے طبیعی منابع، مخازن، معادن اور ملکیت جس سے پورے ملک کا معاشی نظام گردش کرتا ہے، یہ عادلانہ سیاست کے تحت تقسیم ہوتا کہ ملک کے باشندوں کو مطلوبہ معاشرتی حقوق، آسائش، رفاہ و امنیت ملتی رہے اور انسان چین و سکون سے زندگی بسر کرتے رہیں گے۔ ایسا نہ ہونے پر پورے ملک کے نظام میں خلل ایجاد ہوگا اور تدریجا نظام بگڑتا جائے گا۔ آج اسلامی ممالک میں حکام نظام مصطفوی کے دعویدار ضرور بنتے ہیں، مگر انھوں نے کس اسلامی معیار کی حکومت و سیاست کا اتخاذ کیا ہے؟

فقط دعویٰ مراد اور عمل تک نہیں پہنچا سکتا ہے۔ آج کتنے ممالک ہیں جو مسلمان باشندوں کو خاموش رکھنے کیلئے اسلامی حکومت کا لیبل لگائے ہوئے نعرے بھی لگا لیتے ہیں اور پس پشت دشمن پالیسی کو اپنے ملکوں پر تحمیل کرتے ہیں اور دشمن اپنا کام انھیں کے ذریعہ نکالتا ہے۔ لہذا صرف پروپگنڈہ سے کسی ملک کو اسلامی مملکت کا مصداق نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیا قرآن کریم سے بہتر اور بالاتر غریبوں کا قانون ہو سکتا ہے جو فقط ان کے محدود علم و تجربہ اور خواست طبیعت کے مطابق بنائے گئے ہیں؟

۱۔ ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ، ج/۱، ص/۲۳۱۔ علامہ مجلسی: بحار الانوار، ج/۳۲، ص/۶، ح/۱۔

مالی کمزوری غلط سیاست کا نتیجہ

بعض اسلامی ملکوں میں مالی فقر و تنگی پائی جاتی ہے، اگر چہ ان کی خود مستقل اور مضبوط سیاست نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ دراصل اس کی بھی بنیادی وجہ خائن اور طاقتور ملکوں کی طرف پلٹتی ہے۔ کچھ کمزور اور محروم ملکوں کو سامراج اپنا محکوم و مطیع رکھنے کیلئے ارتقائی راہوں کی طرف بڑھنے نہیں دیتا ہے، ورنہ قدرتی خزانوں سے اسلامی ملک مالا مال ہیں، اس کے باوجود سامراج کے محتاج ہیں۔ لگتا ہے ان حکمراں جماعت کو اللہ پر بھروسہ کم غربیوں کی مغرضانہ سیاست پر اعتماد زیادہ ہے۔ غرض انھیں اچھی پالیسی کے لئے مختلف پروگرام ترتیب دینا چاہئے۔

﴿وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ﴾(۱)

تم اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آجائے اور اللہ تعالی کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کردے اور ان کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

خدا کی حاکمیت

بہرصورت اصل حاکمیت خداوند متعال کی ہے، رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے ساتھ امام معصوم کی حاکمیت بھی مسلم ہے۔ عباد الرحمٰن کی اسلامی حکومت میں مشارکت ہے، اس آیت کا مطلب:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرَاى بَيْنَهُمْ﴾ اہل حل وعقل کی ادارت اور نظارت ہے یعنی لوگوں کی حکومت میں مشارکت کا بیان ہے کیونکہ دانشمندوں کے باہمی مشورے، خیالات، افکار اور غور و خوض کے بعد ایک نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اگر چہ قرآنی قوانین میں تغیر ممکن نہیں ہے، لیکن قرآن کی روشنی میں ہر زمانے کے تقاضوں کو باہمی مشوروں سے پورا کیا جاسکتا ہے۔ انکے نفاذ میں دشمن موانع ایجاد کریں تو پائداری سے خدائی حکومت کو استحکام

---

۱. سورۂ انفال، آیت ۸/۔

بخشیں اور کسی کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ اور جھڑپ نہ کریں، رہ گیا اگر کسی صورت میں خدائی حکومت برقرار نہ ہونے دیں پھر ان سے مقابلہ اور مقاتلہ کرو۔

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾

اہل فتنہ سے مقاتلہ کرو یہاں تک کوئی فتنہ وفساد باقی نہ رہ جائے، اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آ جائے، اور اگر یہ رک جائیں تو تم بھی رک جاؤ، کیونکہ زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے (۱)

مقصد صاف واضح ہے تاکہ کسی ظلم وفساد کا وجود باقی نہ رہے۔ امیر المومنین کے عہد حکومت میں دیکھا گیا کہ ایک گورنر نے خطا کیا، جس پر امام خود تشریف لے گئے اور اس پر اعتراض کیا۔

واقعہ سنا ہوگا کہ ایک روز جب امام اقامہ نماز کیلئے تکبیر کہنا چاہتے تھے کہ اسی اثنا میں ایک خاتون دور سے یہ کہتی ہوئی آئی کہ اے علی ابن ابیطالب! مجھے آپ سے کام ہے میرا فیصلہ کیجئے۔ امام رک گئے اور پوچھا بتاؤ کیا کام ہے؟ وہ خاتون کہتی ہے کہ ہمارے شہر میں جو گورنر بھیجا ہے وہ تو ہم پر ظلم کرتا ہے۔ امام کی آنکھوں میں آنسو جاری ہوگئے۔ امام نے فرمایا: خدایا تو جانتا ہے کہ میں راضی نہیں کہ ان لوگوں پر کوئی ظلم کرے۔ کاغذ قلم مانگا اور اس کی معزولی کا حکم لکھ دیا (۲)

۱۔ سورۂ بقرۃ، آیت/۱۹۳۔

۲ بحار الانوار ج/۴۱، ب/۱۰۷، ح/۲۷۔

سیاسی نظریہ

سوال: یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیاست ایک اختراعی واعتباری نظریہ ہے یا تصدیقی یا پھر ایک بنیادی نظریہ ہے۔ اور پہلے سے یہ موجود تھا کہ نہیں، یا وقت ضرورت اضطراری اور اعتباری طور پر بنالیا گیا ہے؟

جواب: انسان متمدن اور سیویلائزڈ ہونے کے سبب اجتماعی زندگی گزارنے پر مجبور ہے، جس میں ناچار ایک سیاسی نظریہ کو بحال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ عام طور پر سماج کے لوگ اپنے امور کو بحسن وخوبی چلانے کیلئے طرسماج کی ذمہ داری کسی نہ کسی کے سپرد کرتے آئے ہیں، یہ صرف اعتباری حیثیت ہے۔ صرف سماج کے مسائل کوحل کرنے کیلئے وقتی طور پر یہ نظریہ قبول کیا گیا ہے۔ قرآن نے انسانوں کو سیاسی اقتدار استوار کرنے کی دعوت دی ہے بلکہ ایک معاشرتی امر بتایا ہے، خواہ توصیہ وترغیب کی شکل میں ہو۔ جس کو بعض آیتوں سے استفادہ کیا گیا ہے لہذا اب دیکھنا ہے کہ کیا اسلام میں سیاست کا نظریہ ایک بنیادی نظریہ یا تقلیدی نظریہ رہا ہے؟

یعنی کیا سیاست، نماز، روزہ، حج وزکات وغیرہ کی مانند اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی منزل ہے یا نہیں بلکہ عقل کل، صاحب وحی سرکار نبی نے ایجاد کیا اور اسلام نے اس کی تائید وتصدیق کی ہے؟

مثال کے طور پر معاملات میں خرید وفروخت، اجارہ، انشورینس، عہد وپیان بہت ایسے عقلی مسائل ہیں جنھیں لوگ اپنی روزمرہ زندگی میں انجام دیتے ہیں اور یہ سب لوگوں نے اپنی روزمرہ زندگی میں اختراع کیا ہے پھر شارع نے تصدیق وتائید کردی ہے اور عقلاء عالم نے سیاست کے باب میں جو ایک مجموعہ اصول منظم کیا ہے، اسی کو سب نے قبول اور اسلام نے بھی تائید کیا ہے؟ یا نہیں بلکہ اسلام ایک خاص نظریہ کا حامل ہے؟ (۱)

۱۔ علامہ طباطبائی تفسیر المیزان ج ۳ ص ۱۴۴، ص ۱۴۹ ذیل آیت آل عمران ۲۶۔

اسلام چاہتا کیا ہے

اسلام باب سیاست کے مجموعہ اصول میں اختراعی نظریہ رکھتا ہے اور یہ نظریہ فقط مشورتی اور تقلیدی نظریہ نہیں ہے۔ غیر ازاین علماء امامیہ کے نزدیک باب اجتہاد کھلا ہوا ہے، جو مقتضائے حال کے مطابق ہر وقت اور ہر جگہ کی جزئی سیاست کو بھی آزاد رکھا گیا ہے تا کہ لوگوں کی دستگیری ہو سکے، ایسی ہی سیاست کی تعلیم دی گئی ہے کہ جو قرآن و سنت کی روشنی میں ہو، جس سے قوموں کا مستقبل بھی روشن ہو اور دینی انسانی قداست و کرامت بھی محفوظ رہے۔ یہاں تک کہ یہی نظریہ یعنی ''تھو کراسی'' خدائی حکومت کا نظریہ قرن وسطیٰ میں یورپ کے کلیسا میں مقام اثبات تک پہنچا اور کلیسا خاص طور سے کلیسا کیتھلک (Catholic) مدعی تھا کہ خدا کی جانب سے لوگوں پر حکومت کرتا ہے۔ بعض مسیحی اعتقاد کے مطابق حضرت مسیح کا دین جو سیاسی مسائل سے کسی طرح میل نہیں رکھتا ہے(۱)

دراصل ہر جگہ قانون بنانے والا خدا ہے جس نے قرآنی شکل میں اصولی قانون ہمارے اختیار میں دیا ہے، اس پر تصرف کا حق رسول اور ان کے حقیقی جانشینوں کو دیا ہے۔ وہی حضرات ان قوانین کو کشف اور تطبیق کرتے ہیں۔ اب جو مبتلا بہ مسائل ہیں وہ واضح ہیں، یا جو نئے رونما مسائل مبتلا بہ نہیں ہیں یا جن کی جزئیات کے بارے میں علم نہیں ہے تو چاہیے اس میں اجتہاد کریں یا حاکم شرع یا مجتہدین کی طرف رجوع کریں۔

آج اسلامی پارلیامنٹ میں جو قانون بنائے جاتے ہیں وہ بھی دراصل اس بنیادی قانون کی ایک شکل ہوتی ہے، اس کی حقیقت صرف کشف و روشن کرنے کی ہے، جو عہد نبوی کے ابتدائی دور پہلی ہجری میں مرتب ہوا تھا۔ جس کو مدینہ میں آنحضرت نے نافذ کیا تھا اور تحریری دستور کی دنیا میں اس کی اولیں مثال یہی ہے (۲)

۱۔ مصباح یزدی: نظریہ سیاسی اسلام ج ۱ ص ۲۰۔

۲۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج ۱ ص ۱۔

سیاست ایک فریضہ ہے

مکتب اسلام میں حکومت ایک تکلیف ہے، رسولوں کا ارسال اور آسمانی کتب کے نزول کی حکمت بھی اس میں مضمر ہے۔مثال کے طور پر آزادی ہو لیکن عقل و تفکر شریعت کے ساتھ نہ ہو تو ایک گندے تالاب کی مانند ہو جائے گا اور اگر آزادی عقل اور شریعت کے ساتھ ہو بہتی نہر اور صاف ستھرے چھلکتے پانی کی طرح اسلام روز بروز عزیز تر ہوتا جائے گا۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا الاَمَانَاتِ اِلٰیٓ اَھْلِھَا وَ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(۱)

مفسروں نے مذکورہ آیت کے ضمن میں اس آیت شریفہ کا ذکر کیا ہے:

﴿اَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الاَمْرِ مِنْکُمْ﴾(۲)

اس میں حاکم اور رعایا دونوں کے حقوق کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ اس طرح کہ لوگوں کا حق ہے کہ حاکموں کو ارکان حکومت میں ایک امین کی حیثیت سے دیکھیں اور حاکموں کا حق ہے کہ لوگ بھی ذکر شدہ امر میں انھیں حکام کی پیروی کریں اور اس اطاعت و پیروی کو خدائی راہ میں اطاعت کرنا سمجھیں (۳)

۱۔ سورۂ نساء/آیت ۵۸۔

۲۔ سورۂ نساء/آیت ۵۹۔

۳۔ علامہ طبرسی، مجمع البیان، ج ۲/ص ۶۳/۶۴۔

امام علی :- اس سلسلہ میں اپنے آذر بائیجان کے نمائندہ اشعث بن قیس کو لکھتے ہیں:

" اِنَّ عَمَلَکَ لَیْسَ لَکَ بِطُعْمَةٍ وَ لٰکِنَّهُ فِی عُنُقِکَ اَمَانَةٌ ،

وَاَنْتَ مُسْتَرْعیً لِمَنْ فَوْقَکَ" (۱)

یہ ایک عام حکم ہے جو تمام حکام کے لئے لازم العمل ہے جو تمہیں ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ کوئی لذت بخش لقمہ نہیں ہے بلکہ تمہاری گردن پر ایک امانت ہے، جس کا تمہیں اپنے اوپر کے حاکم کو جواب دینا ہے۔

اور خبردار غافل نہ رہنا کیونکہ تمہارا بھی حساب و کتاب ہوگا:

" فَاِنَّکُمْ خُزَّانُ الرَّعِیَّةِ ، وَ وُکَلاءُ الاُمَّةِ ، وَ سُفَرَاءُ الاَئِمَّةِ "(۲)

جیسا کہ تم سب (نمائندے) رعایا کے خزانہ دار ہو، قوم کے نمائندے اور ائمہ اہلبیت ؑ کے سفیر ہو لہذا ایسا نہ ہو کہ رعایا پر حیوان درندہ کی طرح کھانے کیلئے مال غنیمت سمجھ کر جھپٹ پڑو۔

" وَلاَ تَکُونَنَّ عَلَیْهِمْ سَبُعاً ضَارِیاً تَغْتَنِمُ اُکُلَهُمْ "(۳)

امام کے ان جملوں سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت بہت اہم اور حساس ذمہ داری ہے جس کو ہر کس و ناکس ادا نہیں کر سکتا ہے۔

جس میں تمام انسان جنھیں اللہ تعالیٰ نے جسمانی اور عقلانی سالمیت سے نوازا ہے، مشترک ہیں لیکن جس کی عقل و صلاحیت جتنی زیادہ ہوگی اس کی ذمہ داری بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

" اَمَا وَالَّذِی فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَأَ النَّسَمَةَ ، لَوْلاَ حُضُورُ الْحَاضِرِ وَقِیَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُودِ النَّاصِرِ وَ مَا اَخَذَ اللّٰهُ عَلَی الْعُلَمَاءِ اَلَّا یُقَارُّوا عَلٰی کِظَّةِ ظَالِمٍ وَلاَ سَغَبِ مَظْلُومٍ لَاَلْقَیْتُ حَبْلَهَا عَلٰی غَارِبِهَا وَ لَسَقَیْتُ آخِرَهَا بِکَأْسِ اَوَّلِهَا وَلَاَلْفَیْتُمْ دُنْیَاکُمْ هٰذِهِ اَزْهَدَ عِنْدِی مِنْ عَفْطَةِ عَنْزٍ"(۴)

۱۔ نہج البلاغہ، نامہ/۵۔

۲۔ نہج البلاغہ، نامہ/۵۱۔

۳۔ نہج البلاغہ، نامہ/۵۳۔

آگاہ ہو جاوٗ! اس ذات کی قسم کہ جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور صاحب روح کو خلق فرمایا، اگر حاضرین کی موجودگی نہ ہوتی اور یاور و مددگار کے حضور سے حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور تکلیف الٰہی نہ ہوتی جو اللہ نے علماء سے عہد لیا ہے کہ سماج کے محروم لوگوں کو ان کے حق تلف کرنے والے ظالموں کے مقابلہ میں خاموش نہ بیٹھیں (ایسا نہ ہوتا تو) میں آج بھی اس خلافت کی رسی کو انھیں کی گردن میں ڈال کر ہنکا دیتا اور اس کے آخر کو اول ہی کے کاسہ سے سیراب کرتا اور تم دیکھ لیتے کہ تمہاری دنیا میری نظر میں بکری کی چھینک (آب بینی) سے بھی بے ارزش و بے قیمت ہے۔ اس کا مطلب محروم اور کمزور لوگوں کے حق کیلئے قیام کرنا چاہئے، صرف مادی زندگی کیلئے ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ امام علیؑ نے قیام کا مقصد بتایا ہو بلکہ حقوق کے غاصبوں کے مقابلہ میں قیام کرنا چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ، کی وفات کے بعد امام نے امت کی خیر و بھلائی کیخاطر اس امر خلافت سے چشم پوشی کر لی اور پچیس سال بعد بھی جب یہ مقام دیا جا رہا تھا تب بھی اس سنگین ذمہ داری سے انکار کیا اور اگر قبول بھی فرمایا تو فقط تکلیف الٰہی سمجھتے ہوئے، فرمایا:

"خدایا میں نے سب سے پہلے تیری طرف رخ کیا، تیرے احکام کو سنا اور قبول کیا، تیری بندگی میں تیرے رسول کے علاوہ کسی نے مجھ پر سبقت نہیں کی ہے"

یہ جملہ انتہائے اخلاص کی دلیل ہے کہ امام علیؑ تمام آسمانی اصول پر راسخ ایمان رکھتے تھے، جس پر اعتقاد رکھتے، عمل بھی کرتے، پھر امت کو دعوت دیتے تھے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

"کُوْنُوْا دُعَاۃَ النَّاسِ بِغَیْرِ اَلْسِنَتِکُمْ لِیَرَوْا مِنْکُم الوَرَع وَالاجْتِہَاد وَالصَّلاۃ وَالْخَیْر فَاِنَّ ذٰلِکَ دَاعِیۃ" (۱)

لوگوں کو بغیر زبان یعنی عمل کے ذریعہ دعوت دو تا کہ تمہارے نظم و اعتدال، سعی و کوشش، نماز اور دوسری نیکیوں کو دیکھیں تو اس طرح وہ یقیناً تمہارے اعمال سے ہدایت پائیں گے۔

۱۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۷۸۔

خوش بخت سیاست

بغیر شک وتردید اسلام انسان کی جہاں اخروی سعادت چاہتا ہے وہیں دنیاوی سماجی اقتصادی کامیابی کا بھی خواہاں ہے۔اسی لئے زندگی کے تمام نشیب وفراز کی رہنمائی کر کے ایک ضابطہ حیات کے اصول وآئین بنائے ہیں تاکہ انسان گمراہی وحیرانی میں نہ پڑے۔

﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِيْنٌ. يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ بِاِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ﴾(۱)

تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے اس کے ذریعہ اللہ انھیں جو رضائے الٰہی کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی مرضی سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے

اسلام خوش بختی کا دین ہے، ہر زمانہ کے انسانوں کی سعادت، سالمیت، رفاہ وراحت کا معقول انتظام کیا ہے، ساتھ ہر وقت ہر لحہ اسلام انسانوں کے اعمال واخلاق، اچھائی وبرائی پر نظارت رکھتا ہے۔قرآنی تھیوری میں اگر کسی نے ایک فرد بشر کی ہدایت کردی تو اس کو تمام انسانوں کو زندہ کرنے کا درجہ ملتا ہے۔

﴿كَتَبْنَا عَلَى بَنِي اِسْرَائِيلَ اَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا. وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾(۲)

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت/۱۵/۱۶۔

۲۔ سورۂ مائدہ، آیت/۳۲۔

جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد پھیلاتے ہوں قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔

جو اللہ اپنے بندوں کی خدمت گذاری پر اسقدر راضی و خوشنود ہو جس نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے کہ:

" اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْرًا صَيَّرَا اُمُوْرَ النَّاسِ اِلَيهِ "

اللہ جب کسی بندے کیساتھ خیر و نیکی کرنا چاہتا ہے تو لوگوں کے امور پر اس شخص کو ذمہ دار بنا دیتا ہے یعنی لوگوں کی خدمت، ادارت، نظارت اور سرپرستی کرنے والا اللہ کی جانب سے خیر و بھلائی پاتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اتنی اہم ذمہ داری کے لئے کوئی معقول انتظام اور انسجام نہیں ہونا چاہئے، اتنا اہم کام جس کی اللہ و رسول نے تاکید کی ہو، بغیر کسی ذمہ داری اور نظم کے ممکن ہے اور اگر ہونا چاہئے تو پھر کون کرے؟ کیا ممکن ہے ان تمام احکام و اصول کے مقابلہ میں سیاسی پہلو جسمیں پورے معاشرہ کا ادارہ کرنا شامل ہے، نظر انداز کر دیا گیا ہو؟ چونکہ انتظامی امور کو اجتماع سے الگ کرنا ممکن نہیں تو یقیناً حکومت کی ضرورت ہے۔

جبکہ دوسری جانب امام علیہ السلام نے تاکید فرمائی ہے:

" لَابُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اَمِيْرٍ "لوگوں کا ایک حاکم ہونا ضروری ہے۔

جو معاشرہ میں خدائی حاکمیت کا نفاذ، قوموں کی مصلحت اندیشی، دین و دنیا کی رہنمائی اور لوگوں کو اس کی پیروی کا حکم دے اور معاشرتی مفاسد کی روک تھام کرے، امور دنیوی میں مشورت دیگر اقوام سے رابطہ جنگ سے پرہیز، صلح و صفا کی تلقین کرے۔ کیا یہ سارے دستور ایک وسیع نظام، سماجی انسجام کا لازمہ نہیں ہیں؟

الٰہی حاکمیت کا ایک نمونہ جس میں رسالت اور امامت کی ولایت ہے، جسکے ضمن میں ایسی سلطنت کا قیام جس میں انسانی شرافت، حریت اور آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرنا شامل ہو، الٰہی حکومت کے ساتھ ہی ولایت، نبوت، امامت، سلطنت، عدالت، قضاوت، نصب، عزل، تکلیف، حق، باطل، سلطنت عادل، غیر عادل، کافر مرتد، کافر ملی، جنگ و دفاع، نظام عدل میں تعاون، انفال زمین، خراج، جزیہ، مالیات، اقلیت کے حقوق وغیرہ کو قرآن سے استخراج کر سکیں۔ کیونکہ

﴿لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾(۱)

اللہ تعالیٰ نے کافروں اور غیر متدین لوگوں کو ایمان والوں پر حکومت وفوقیت کا زنہار کوئی حق نہیں دیا ہے اور جب حکمراں جماعت اپنے ملک کو کسی دوسری طاقت کے حوالہ کریں تو یقیناً وہ خیانت کررہے ہیں۔

دینی اور سکولر حکام کی چند خصوصیت

(۱) دینی حکومت میں قائد کو انبیاء ائمہ یا ان کے صفات کا حامل ہونا چاہئے، حاکم شرع یا فقیہ جامع الشرائط کا تعین بھی خدائی صفات میں ہونا چاہئے جبکہ غیر دینی حکومت میں ایسا نہیں ہے۔

(۲) خدا کی جانب سے دینی رہبر ایسی حکومت چاہتا ہے کہ جو احکام خدا کے ساتھ ہم آہنگ ہو اور اس پر عمل کرتا ہو، غیر دینی حکمراں اپنے مادی مفاد یا دین کو بھی اپنے مفاد کیلئے استعمال کرتے ہیں۔

(۳) دینی حکومت میں اطاعت شرعی فریضہ ہے درانحالیکہ غیر دینی حکومت میں مومنین پر ضروری نہیں ہے۔

(۴) دینی حکومت میں قائد سے معارضہ بغاوت، محاربہ اور نفاق کو بڑھانا شرعی عقاب کا موجب بنتا ہے غیر دینی حکومت میں ایسا نہیں ہے۔

(۵) دینی حکومت میں قانون قرآن اور حدیث سے ماخوذ ہوتا ہے جو دنیا وآخرت کی سعادت کا ضامن ہوتا ہے۔ غیر دینی حکومت اس کے خلاف خود ساختہ قانون پر مشتمل ہوتی ہے۔

(۶) دینی حکومت میں سب سے اہم نگرانی احکام شریعت کا نفاذ کی عملی کوشش اور رضائے خدا کی تحصیل کا اطمینان ہونا ہے۔

اس کا خلاصہ اس طرح کرسکتے ہیں:

دینی حکومت میں اہل سیاست قرب خدا کیلئے لوگوں کی ہدایت اور خدمت کرتے ہیں۔ عدالت کا اجرا کرتے ہیں۔ اسلامی احکام کے نفاذ اور خدائی معاشرہ کے مقابلہ میں جو کچھ رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں انھیں عملی طور پر دور کرنے کی حتی المقدور کوشش کرتے ہیں۔

۱۔ سورۂ نساء، آیت ۱۴۱

الٰہی سیاست کا مقصد

ملک کے ایسے اہداف اور مقاصد مدنظر ہوتے ہیں کہ جس میں لوگوں کی علمی، ثقافتی، فکری، معاشی، سماجی رشد ونمو اور استحکام ہو منجملہ ان مقاصد میں انسان کو اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی، احکام قرآن پر عمل، ابلاغ احکام، اپنی سرزمینوں سے دفاع، ملک کے حکمراں اور قوم میں اتحاد، کمزوروں اور محروموں کے حقوق کا دفاع، عالمی پیمانہ کے بین الاقوامی امور میں مشارکت، افراد ملت کو علم، ہنر، صنعت، حرفت، اقتصاد اور انسانی آداب ورسومات پر مبنی بہترین زندگی بسر کرنے کے مادی، معنوی اور اعتقادی امکانات فراہم کرنا۔

اسی بناء پر سیاست کی تعریف میں کہا گیا ہے:

سیاست ایسا علم ہے جس میں انواع ریاست، سیاسیات اور اجتماعیات کے جملہ احوال وکوائف اور ضروریات کی بحث ہوتی ہے(۱)

مخلوق خدا کی خدمت

سیاست کا اہم فریضہ دینی ہدایت کی بنیاد پر امر خدا کا نفاذ کرنا ہے، اب جس اللہ نے انسان کو اپنی عظیم خلافت سے نوازا، ساتھ ہی کائنات کی وراثت اور حکومت عطا کی ہے، اگر یہ انسان ان صفات وشرائط کا حامل نہ ہو، تو ہم کیونکر اللہ کی عطا کردہ مادی ومعنوی نعمتوں سے بہرہ مند اور کسطرح اس امر کو ہم زندہ کر سکتے تھے؟ اس کا منطقی جواب یہی

ہے کہ ان ساری نعمتوں کا صحیح استفادہ اسی کے قانون اور نظارت میں ممکن ہے، جس نے یہ خلق فرمائی ہیں۔ ا
بنیاد پر اسلامی سیاست کے اہداف کو چند امور میں خلاصہ کر سکتے ہیں:

(۱) خدا کی مطلقہ حاکمیت

(۲) حق اور عدالت کا اجرا

(۳) آزادی، آشتی، امنیت

نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیؑ کے متن کلام میں جو کلمات حکومت وسیاست کے سلسلہ میں نقل ہو
ہیں اس میں الٰہی سیاست کی ایسی تصویر کشی ہوئی ہے جو عدل وانصاف کی حکومت کا کامل اور جامع ترین نمونہ
اور جہاں تک سیاست دانوں کے افکار وخیالات نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے لئے ایک قول نقل کرنا کافی ہوگا جس
امام نے اپنے والی مصر جناب مالک اشتر کو حکومت سے متعلق ہدایت فرمائی ہے۔ حکومتی نظام کا ایسا قدر جامع
اصول ادارت وسیاست آج تک دنیا نے نہیں دیکھا ہوگا۔

کامل ترین مصداق

امام کی یہ پانچ سالہ حکومت تمام سیاستدانوں کیلئے نمونہ عمل ہے۔ اگرچہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول
ﷺ نے بڑی تاکید کی تھی اور خود اللہ تعالیٰ نے اس امر کو لوگوں تک پہنچانے کی تاکید فرمائی ہے:-

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ
فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾(۱)

آیت کا لب ولہجہ بتا رہا ہے کہ بہت سنگین ذمہ داری فرائض رسالت سے باقی رہ گئی تھی جس امر کے
کی خاطر رسول کو اس انداز میں اللہ نے خطاب فرمایا: اگر یہ حکم نہیں پہنچایا تو گویا میری رسالت کا کوئی کام
نہیں دیا۔ ساتھ ہی خدا نے مدد کا بھی وعدہ کیا، جو تقویت اور طمانیت کا سبب بھی اور نفاذ حکم کی تاکید بھی ہے
ہے کہ احتمالی خطروں سے مرسل اعظم ﷺ امان میں نہیں تھے۔ دشمن پہلے سے گھات لگائے ہوئے بیٹھے

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت/۶۷

اتنے سارے انتظامات کے بعد حبیب خدا رسول اللہ ﷺ نے سوالا کھ حاجیوں کو جمع کیا اور اس میں اپنی رسالت، اولویت کا اقرار لینے کے بعد اپنے بعد کی سرپرستی اور ولایت کا اعلان کیا۔ اگرچہ اس امر کا انکشاف پہلے سے ہو چکا تھا۔ نزول آیت مباہلہ اور دوسرے مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ابن ابیطالب۔ کو اپنے نفس سے تعارف کرایا تھا۔ گویا نبی نے اسی وقت اپنے بعد کا مسئلہ بالکل صاف اور واضح کردیا تھا کہ خلافت کا کوئی بھی میرے بعد امیدوار نہ رہے اور امیر المومنین علی بن ابیطالب۔ کی وصایت اور خلافت میں کوئی شک باقی نہیں رہ گیا تھا۔

اس طرح کی روشن دلیلوں کے باوجود اہل دنیا مال و منال اور ملوکیت میں مصروف ہو گئے اور ہمیشہ باقی رہنے والی دنیا اور اس کی سعادت کا پاس ولحاظ نہیں رکھا، رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی درست اطاعت نہ کر کے وہی لوگ عہد جاہلیت کی طرف پلٹ گئے، جو اس آیت کریمہ کا مصداق بن گئے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَانَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَايَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لا يُبْصِرُوْنَ بِهَاوَلَهُمْ آذَانٌ لا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ﴾

(۱) ہم نے بہت سے ایسے جن وانس جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں، جن کے دل ایسے ہیں جس سے نہیں سمجھتے، جن کی آنکھیں ایسی ہیں جس سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں، یہ لوگ غافل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کے بارے میں علم تھا کہ دنیا میں جاکر اچھے یا برے کام کریں گے، یہاں انہی دوزخیوں کا ذکر ہے، جنھیں اللہ کے علم کے مطابق دوزخ ہی کے کام کرنے تھے۔ مثال کے طور پر شریح قاضی جس نے نواسۂ رسول کے قتل کا فتویٰ دیا، ابو موسیٰ اشعری جس نے امام حق سے حکمیت کے سلسلہ میں عمرو عاص کے فریب میں آیا، یا دوسرے افراد جو سردار منافقین معاویہ کے فریب میں آکر امام حق سے منحرف ہوئے، اور ان سب نے ائمہ نار کی مدد کی، جس کی مدد سے ائمہ نار نے لوگوں کو جہنم کی دعوت دی۔

۱۔ سورۂ اعراف، آیت/۱۷۹۔

رسول کی بے مثال شخصیت

تمام انبیاء حتیٰ اولوالعزم نبی مکلف تھے کہ آخری نبی حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ پر ایمان رکھتے ہوں اور آنحضرت کے آنے کی لوگوں کو خبر دیں۔ آپ کی ذات پر نبوت کا خاتمہ ہوگیا۔ جس کا گذشتہ آسمانی صحیفوں میں بھی ذکر ہوا ہے۔ یہاں تک کہ سارے انبیاء حضرت آدم سے ابراہیم، نوح، موسیٰ، عیسیٰ ؑ سب نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو بشارت دی کہ آخری زمانہ میں ایک ایسا نبی آئے گا، جس پر نبوت اور شریعت کا خاتمہ ہو جائیگا، لہذا ہم سب کو چاہئے اس کے آنے کا انتظار کریں اور ان پر ایمان رکھیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، آنحضرت پیکر بشری میں تجلی خدا، صفات وکمالات کا مظہر اور حق کا آئینہ دار تھے، تمام مراحل زندگی میں لوگوں کیلئے نمونہ اور خالق ومخلوق سے رشتہ جوڑنے کا وسیلہ تھے۔ یہاں پر رشتہ بعنوان رسالت ہے حسب ذیل آیت شریفہ میں لفظ 'احد' عام ہے۔

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيءٍ عَلِيْمًا "(۱)

حضرت محمد ﷺ تم لوگوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن آپ رسول اللہ اور خاتم النبین ہیں اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔

'اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ'

جو لوگ رسول امی کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں' (۲)

۱۔ سورہ احزاب، آیت ۴۰۔

﴿وَاِذْ قَالَ عِیْسَیٰ بْنُ مَرْیَمَ یَا بَنِی اِسْرَائِیلَ اِنِّی رَسُولُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ مُصَدِّقًا لِمَابَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ یَاْتِی مِنْ بَعْدِی اَسْمُهُ اَحْمَدُ...﴾(۱)

جب فرزند مریم عیسیٰ نے کہا اے اولاد اسرائیل میں تم سب کیلئے اللہ کا رسول ہوں، کتاب توارت کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں، جنکا نام احمد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِکَتَهُ یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوا تَسْلِیمًا(۲)

بیشک اللہ اس کے ملائکہ نبی پر درود وسلام بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر خوب درود وسلام بھیجتے رہو۔

اس طرح اللہ تعالی، ملائکہ پھر تمام ایمان والوں کو درود وسلام بھیجنے کا حکم دینا صرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات سے مخصوص ہے۔ کسی اور نبی کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہوسکا ہے۔ اس کے علاوہ

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرَیٰ بِعَبْدِهِ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِالْاَقْصَا.. (۳)

پاک ہے وہ ذات اقدس جو اپنے بندہ کو رات ہی رات مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گئی..

یہ ایسا امتیاز ہے کہ آنحضرت کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکا ہے جس میں اللہ نے اپنے حبیب کو اپنی خاص نشانی دکھائی ہے۔

''سَوْفَ یَاْتِی مِنْ بَعْدِیْ نَبِی اَسْمُه اَحْمَد مِنْ وُلْدِ اَسْمَاعِیْل''(۴)

عنقریب میرے بعد اولاد اسماعیل سے ایک نبی آنے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا۔

دیگر آیات وروایات گواہ ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ایسی مسلم شخصیت کے مالک ہیں، جن پر تمام فرق عالم اتفاق نظر رکھتے ہیں اور ہمیشہ کیلئے آنحضرت کی سیرت پر چلنا، شریعت پر ایمان رکھنا اور ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے بغیر اس کے نجات ممکن نہیں ہے۔

۱۔ سورۂ صف، آیت/۶۔

۲۔ سورۂ احزاب، آیت/۵۶۔

۳۔ سورۂ اسراء، آیت/۱۔

۴۔ محمد بن یعقوب کلینی الکافی ج۱، ص/۲۹۳۔

اماموں کی رسالت

اللہ تبارک وتعالیٰ کا تمام شعبہ زندگی میں ایک اصولی طریقہ رہا ہے وہ یہ کہ کبھی بھی امت کی کسی فرد کو بغیر رہبری اور رہنمائی کے نہیں چھوڑا ہے۔ جس نے ہمیشہ حق وعدالت کے نفاذ اور ظلم و بے انصافی کو ختم کرنے کی تاکید کی ہے۔ جس نے سیاسی اور معاشرتی نظام کا روز اول سے بہترین آئیڈیل پیش کیا ہے اور ہر عہد میں اپنی نبوت و قیادت کو امتوں کے لئے بطور نمونہ پیش کیا ہے۔

﴿يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ..﴾(۱)

جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے پروردگار کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتاتا ہے۔

امام رضا علیہ السلام سے فضل بن شاذان نے ایک روایت نقل کی ہے:

"اَنَّا لَا نَجِدُ فِرْقَةً مِنَ الفِرَقِ وَ لَا مِلَّةً مِنَ المِلَلِ بَقُوْا وَ عَاشُوْا اِلَّا بِقَيِّمٍ وَ رَئِيْسٍ لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ فِي اَمْرِالدِّيْنِ وَ الدُّنْيَا فَلَمْ يَجُز فِيْ حِكْمَةِ الحَكِيْمِ اَنْ يُتْرَكَ الْخَلْقَ مِمَّا يَعْلَمُ اِنَّهُ لَا بُدَّ لَهُمْ مِنْهُ"(۲)

ہم نے کسی بھی گروہ اور ملت کو بغیر قیادت و رہبری کے نہیں چھوڑا ہے بلکہ ہر زمانہ کی طرح قیادت کو دین و دنیا کے لئے باقی رکھا ہے لہذا پروردگار عالم کی حکمت کا تقاضہ ہے کہ اس امر کو ترک نہ کرے۔

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت/۱۶۔

۲۔ بحار الانوار، ج۶ رص ۶۰، ج، ۳۲/۲۳۔

اسی طرح کی حقیقت پر مبنی یہ عبارت نقل ہوئی ہے:

" اَلْاِمَامُ لُطْفٌ ،فَیَجِبُ نَصْبَه عَلَی اللّٰهِ ،تَحْصِیْلاً لِلغَرضِ "

امام کا وجود اللہ کی جانب سے اس کی مخلوق پر ایک لطف ہوتا ہے، جسکا معین اور معرفی کرنا اللہ پر ضروری ہوتا ہے تاکہ شریعت کے نفاذ کی غرض پوری ہو سکے۔(۱)

حکیموں کا کہنا ہے:

" اَمَامُ عَادِلٍ،خَیْرٌ مِنْ مَطَرٍوَابِلٍ ،وَاَمَامُ غَشُوْمٌ،خَیْرٌ مِنْ فِتْنَةٍ تَدَوْمُ،وَلَمّایَزِعُ اللّٰهُ بِالسُّلْطَانِ اَکْثَرُمِمّایَزَعُ بِالقُرْآنِ" (۲)

امام عادل موسلا دھار بارش سے بہتر اور ظالم وستمگر امام کا دنیاوی بادشاہوں کے ظالمانہ احکام نافذ ہونے سے قرآن کریم کا حکم نافذ ہونا بہتر ہے۔اور ختم نہ ہونے والے فتنہ سے بہتر ہے

امام خمینی حکومت اسلامی اوراس کی قیادت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

" فَمَا هُوَ دَلِیل الاِمَامَةِ ،بِعَیْنِهِ دَلِیْل عَلَی لُزُومِ الحُکومَةِ بَعدَ غَیبَةِ وَلِیّ الاَمر (عَجّلَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَرَجه الشَّرِیْفَ)"(۳)

جو دلیل امامت کی ضرورت پر دلالت کرتی ہے وہی امام زمانہ صاحب امر کی غیبت کے بعد حکومت اوراس کی بقاءاوراستمرار پر بھی دلالت کرتی ہے۔

عقل بھی تسلیم کرتی ہے کیونکہ تمام سماجی، مالی، نظامی اور حقوقی مسائل، زمانہ گذشتہ کی نسبت دور حاضر میں بڑے پیچیدہ ہو چکے ہیں یعنی ختمی المرتبت ﷺ پر رسالت کا خاتمہ یا آخری امام کی غیبت کبریٰ سے مسائل سوائے بڑھنے کے کم نہیں ہوئے ہیں۔چنانچہ غیبت کبریٰ میں حکومت کا حق فقہا اسلام سے بہتر کس کو ہوسکتا ہے۔

عقل کا تقاضا ہے کہ اگر قیادت سے صرف نظر کرلیں تو عسر وحرج لازم آئے گا یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں

۱۔ خواجہ نصیرالدین طوسی: کشف المراد، شرح تجرید الاعتقاد ص ۳۶۲/۔

۲۔ احمد بن محمد بن عبدربہ الاندلسی: العقد الفرید، ج ۱ ص ۶۰/، تحقیق، برکات یوسف ہبود۔

۳۔ امام خمینی: کتاب البیع، ج ۲ ص ۴۶۱

امام کا وجود لازم ہے، بدیہی بات ہے جب قوموں کا وجود ہوگا تو قیادت بھی ہوگی، ساتھ اس کی ایک سیاست اور حکمت عملی ہوگی جس کو سماجی زندگی سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسی بات کو امام علی بن موسیٰ الرضا -فرماتے ہیں:

کوئی بھی قوم وملت بغیر رہبر یا سرپرست کے اپنی حیات کو آگے نہیں بڑھا سکتی (۱)

امام جعفر صادق -اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

" اِنَّ اللّٰهَ اَجَلّ وَ اَعْظَمُ مِنْ اَنْ يَتْرُكَ الاَرْضَ بِغَيْرِ اِمَامِ عَادِلٍ " (۲)

اللہ کی شان اس بات سے بالاتر ہے کہ وہ اہل زمین کو بغیر کسی امام عادل کے چھوڑ دے۔

"وَالْمُسْلِمُوْنَ لَا بُدَّ لَهُمْ مِنْ اِمَامٍ يَقُوْمُ بِتَنْفِيْذِ اِحْكَامِهِمْ وَاِقَامَةِ حُدُوْدِهِمْ وَ سَدِّ ثُغُوْرِهِمْ وَ تَجْهِيْزِ جُيُوْشِهِمْ وَ.."

امامت دین کا ایک بنیادی مسئلہ ہے، رہ گیا دنیا خوروں اور عوام الناس کا خون چوسنے والوں نے ہمیشہ امامت کے اوصاف اور جزئیات میں تحریف وترمیم اور شبہات ایجاد کئے ہیں۔ تاریخ اسلام میں جس کی وجہ سے بڑے بڑے اختلافات رونما ہوئے ہیں، کس قدر خون ناحق بہایا گیا، کس قدر حقوق غصب ہوئے ہیں کہ آج تک جس کا بھگتان امت مسلمہ کو بھگتنا پڑ رہا ہے لہذا مسلمانوں کو قرآن وسنت کے ذریعہ اس مسئلہ میں مزید تحقیق کرنا چاہئے (۳) ایک دن آنے والا ہے جب دنیا ایک امام کی رہبری میں عالمی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کریگی۔

اہل فتنہ ونفاق نے اپنے مفاد کی خاطر اس خدائی منصب امامت میں شک وشبہات ایجاد کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں؛ جنگ صفین میں ایسے ہی خوارج نے وحی الٰہی کو قلمبند کرنے والے، قرآن کے سب سے بڑے معلم اور مفسر امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے مقابل نیزہ پر قرآن بلند کر کے نعرہ لگایا: "لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ"

امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے سنا کہ خوارج کا کہنا ہے حکومت فقط خدا کا حق ہے۔ تو امام نے فرمایا:

۱۔ ولایت فقیہ/۱۱۶۔

۲۔ کافی، ج ۱ ص ۱۷۸/ ح ۶۔

"کَلِمَةُ حَقٍّ یُرَادُ بِهَا بَاطِلٌ"(۱)

بات تو سچ ہے لیکن مراد باطل کی لے رہے ہیں، دراصل حکومت وحاکمیت خدا کا حق ہے لیکن کیا اس خدا نے اس کائنات میں اپنے رسول کو حق نہیں دیا ہے؟ کیا جناب سلیمان کو کائنات کی حکومت نہیں دی؟ یہ دنیاوی حکومت تو رسالت اور امامت کے اقسام حکومت کا ایک چھوٹا سا منصب ہے، جس کی بحث اس کے مقام پر ہوگی۔

امامت کی اہمیت اور عصمت کو سمجھنے کے لئے قرآن کی اس آیت کو اچھی طرح سمجھ لینا کافی ہوگا۔

وَاِذِا ابْتَلٰی اِبْرَاهِیمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِی قَالَ لَایَنَالُ عَهْدِی الظَّالِمِینَ (۲)

امامت ایسا بلند مقام ہے جہاں تک حضرت ابراہیم جیسے نبی کو پہنچنے کے لئے مقام نبوت سے الوالعزم کا مقام حاصل کرنا پڑا، آخر میں متعدد امتحان کے بعد اس امامت کے بلند درجہ پر پہنچے ہیں، جب بھی اس امامت یعنی جانشینی رسول کا مرتبہ حاصل نہیں ہوا ہے۔

دراصل امامت ایسی ذمہ داری کی حامل ہے جو الٰہی صفات وکمالات کے ضمن میں انجام دی جاتی ہے نہ کہ کوئی ایسا مقام ومرتبہ ہے جو دنیاوی شہرت وثروت اور حکومت کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔اسی حقیقت کے آئینہ میں آج بھی کوئی عقل سلیم رکھنے والا انسان اس امامت کو بخوبی معلوم کرسکتا ہے۔

"اِنَّ الاِمَامَةَ عَهْدٌ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مَعْهُوْدٌ لِرِجَالٍ مُسَمِّیْنَ"(۳)

امامت اللہ تعالیٰ کے عہد وپیان سے ایک بنیادی عہد وپیمان ہوتا ہے کہ جس کیلئے ہر شخص عہد کرتا ہے کہ وہ اپنے امام کی اطاعت کا پابند اور ذمہ دار ہوگا۔

۱۔ نہج البلاغہ، ح/۱۹۸۔

۲۔ سورہ، بقرۃ/۱۲۴۔

حکومت اسلامی کا راہ قیام

کائنات کا نظام انسانی فطرت پر استوار ہے۔ایسی فطرت جس کو خالق کائنات نے اس کی طبیعت میں ودیعت فرمایا ہے۔خدائی نمائندوں نے انسان کی طبیعت میں اسی فطرت کو ہمیشہ اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔فطرت کو خلقت بھی کہا ہے،توحید انسانوں کی جبلت میں شامل ہے اور اس خلقت یا فطرت کو تبدیل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔اگر انسانوں کی تربیت، ہدایت اور تعلیم کی نشو ونما خدائی نمائندوں کی زیر ولایت ہو تو ایمان اور توحید ذہنوں میں راسخ ہوتی جائے گی پھر وہ ولایت ہمیشہ کفر وشرک اور نفاق اختیار کرنے سے روکے گی۔

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذَالِکَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾(۱)

جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی مخلوق میں کوئی تبدیلی نہیں کرنا، یہ وہی دین قیم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔

اب اس فطرت کے مطابق عام لوگوں کی رہنمائی کی جائے جو عین فطرت، خواست خدا اور رسول اللہ بھی ہے لیکن جو فطرت کے خلاف سرکش اور تجاوز کرنے والے مخالفت کرتے آتے ہیں کہ انھیں سامان زندگی بڑی آسانی اور فراوانی کیساتھ حاصل ہوتی ہے جس نے انھیں سرکش و متکبر بنادیا ہے۔قرآنی نظام میں سرمایہ داری اور طبقہ بندی نظام نہیں ہے۔اس میں ہر شخص کام کرتا ہے اور کوئی دوسرے کی محنت پر عیش نہیں کرسکتا۔

۱۔ سورۂ روم، آیت ۳۰۔

﴿اَلَّذِینَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ وَ آتَوُا الزَّکٰوۃَ ، وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنکَرِ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ﴾(۱)

جب بھی ہم نے انھیں قدرت وسلطنت دی توانھوں نے نماز کا اقامہ کیا، زکات ادا کی، نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا ہے (لہذا آ گاہ ہو جاؤ!) تمام امور کی انجام وہی اللہ کے اختیار میں ہے۔

اماموں کو بہت کم فرصت ملی، جس سے وہ سیاسی رہبری اور حکومت کا نمونہ پیش کرتے، اگرچہ امام علی کی سیاسی بصیرت نہج البلاغہ کے اقتباسات کی صورت میں ہر زمانہ کے لئے نمونہ بن گئی ہے۔ رحلت رسول کے بعد قیادت میں انحراف، نظم ونسق کی دگرگونی، اموال میں نابرابری، جاہ طلبی وغیرہ جیسی رذیل چیزیں اسلام کی ہویت اور معنویت پر قابض ہوگئی تھیں۔ مفید سودمند خیر اندیش خداپرستانہ نمائندگی کو گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ فطرت کے خلاف جبر وزبردستی کی حکومت حاکم تھی۔ فطرت کو اس کی خواست کے مطابق معاشرے میں پنپنے نہیں دیا گیا۔

بقول امام کے بدویت اور جاہلیت دوبارہ پلٹ آئی اور حاکم ہوگئی۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَضُرَّ اللّٰهَ شَیْئًا وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰاکِرِینَ﴾(۲)

اللہ اس کے رسول لوگوں کو کمال تک لے جانا چاہتے ہیں لیکن یہ لوگ ہیں جو عہد جاہلیت کی واپسی پر مصر ہیں! اللہ تعالی کی حاکمیت اور رسول کی سیرت پر امام متقین حضرت علیؑ بھی لوگوں کو کمال کی جانب لے جارہے تھے، لیکن یہ لوگ تھے کہ جاہلیت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی، جو واپس آنے کو تیار نہیں۔

"اِنِّي اُرِیْدُکُمْ لِلّٰهِ وَ اَنْتُمْ تُرِیْدُوْنَنِیْ لِاَنْفُسِکُمْ"(۳)

میں تمھیں خدا کے لئے (کمال وہدایت اور سعادت کیلئے) چاہتا ہوں تم مجھے اپنے نفس کیلئے چاہتے ہو۔

اس کو ہم زیارت امام حسینؑ میں پڑھتے ہیں:

۱۔ سورۂ حج، آیت ۴۱۔

۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۴۴۔

اَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوۃ..اَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ اَمَرْتَ بِالعَدْلِ وَالقِسْطِ وَدَعَوْتَ اِلَیْهِمَا

اے امام! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز کا اقامہ کیا، گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے عدل وانصاف کا حکم دیا اور لوگوں کو ان دونوں کی دعوت دی۔

امام انسانی حیات ومعاشرہ اور اس کے تمام جوانب کو بہتر جانتے ہیں اور اس کے دستورات کو نافذ کرنا، عدالت اور اس کے مقدمات کو فراہم کرنا، ان سب میں قدرت وحکومت اور نظارت کی ضرورت ہے جو انسان کے حیطۂ قدرت سے باہر ہے، خدا کا حکم نافذ کرنا آسان کام نہ تھا۔ یہ کام کم وبیش پیغمبروں نے اپنے زمان ومکان کے لحاظ سے انجام دیا جیسا کہ سارے نبیوں کو سیاسی قیادت، قضاوت اور تبلیغ احکام کی ذمہ داری ہوتی تھی، ظاہری طور پر کامیابی اور ناکامی کچھ بھی ہو لیکن انھوں نے اپنی ذمہ داریوں سے معاشرہ میں عدل وانصاف پھیلانے کی کوشش کی، جس کا لازمہ عدل وانصاف کی حکومت کا تشکیل دینا ہے، جو ایک اہم ذمہ داری تھی۔

﴿وَکَاَیِّنْ مِنْ نَبِیٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا اَصَابَهُمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ..﴾(۱)

بہت سے لوگ نبیوں کے ہمراہ جہاد کر چکے ہیں انھیں اللہ کی راہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انھوں نے ہمت ہاری نہ سست ہوئے، نہ ہی دبے اور اللہ تو صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اہل قدرت، صاحبان تخت وسلطنت نے ہمیشہ خدائی نمائندوں کی مخالفت کی ہے۔ ایسے حالات میں جب انبیاء تشکیل حکومت میں کامیاب ہوئے تو قرآن نے ان کی حکایت اور اس کے اسرار وفوائد بھی بیان فرمائے:

﴿کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیِّیْنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ﴾(۲)

دراصل لوگوں کی ایک جماعت تھی، پس اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ حق کی کتاب نازل فرمائی تا کہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔

انسان کی فلاح و بہبودی دینی اصول اور انبیاء وائمہ کے طریقہ پر ہی یقینی ہے۔ جس میں عدل وانصاف کا

۱۔ سورۂ آل عمران، آیت/۱۴۶۔

نفاذ اور مادیاتی امور پر روحانی پہلو کا غلبہ ہو اور اسی کے ذریعہ انسان کمال حقیقی کی سیر کر سکتا ہے۔

﴿فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا﴾ (۱)

ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب وحکمت عطا کی اور انھیں بہت وسیع ملک وسلطنت کا مالک بنایا۔

یہ اس بات کا بہترین ثبوت ہے کہ جب بھی قوم اپنی صلاحیت کو بروئے کار لاتی ہے تو حکومت الٰہی تشکیل پانے کا پورا پورا زمینہ فراہم ہو جاتا ہے۔ خاص بات یہ کہ جب بنی اسرائیل کے لوگ نبی کے پاس آئے اور دشمن سے جنگ کے لئے سردار لشکر کے انتخاب کے سلسلہ میں بات کی تو پیغمبر نے طالوت کو سرداری دی، جن میں دو بنیادی خصوصیت کو معیار قرار دیا گیا جو ہمیشہ کیلئے اٹل معیار قرار پا گیا، وہ معیار حسب ذیل آیت میں موجود ہیں:

﴿وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ (۲)

اللہ تعالیٰ نے تم میں سے اس کا انتخاب کیا ہے جس کو علمی اور جسمانی برتری عطا فرمائی ہے۔

افواج کی سرداری کا مطالبہ اور اللہ تعالیٰ کے نبی کا منطقی جواب خود بتا رہا ہے کہ جنگ میں کامیابی کا معیار علم ومعرفت اور قدرت پر منحصر ہے، جو سربراہی اور دینی امور سے متعلق ہے۔

حضرت موسیٰ کی قیادت میں بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم اور شکنجوں سے نجات ملی۔ اسطرح حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور دوسرے نبیوں نے قیام فرمایا۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو اپنے زمانہ میں تشکیل حکومت میں بڑی حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ خاص بات کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم کے ذریعہ اس بلند مقام کو عطا کیا۔

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا﴾ (۳)

یقیناً ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا۔

پتہ چلا کہ حکومت اسلامی کی بنیادی شرط علم وقدرت اور آگہی ہے۔ اسی کے ذریعہ معاشرہ سے تمام جہالت وخرافات اور بے انصافی کا خاتمہ ہو سکے گا، انھیں بنیادوں پر عدل وحق کی حکومت کا قیام ہو سکے گا۔

۱۔ سورۂ نساء، آیت ۵۴۔

۲۔ سورۂ بقرۃ، آیت ۲۴۷۔

﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾(۱)

اے داوٗد! ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنادیا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو۔

فیصلہ کرنے کیلئے قدرت اور حکومت کا اہتمام ضروری ہے ورنہ درست نفاذ نہیں ہو پائیگا۔اس کے علاوہ بھی قرآن میں بہت سے مقامات پر حکومت کا ذکر ہے لیکن اس خصوصیت کے ساتھ کہ خدا نے اپنے ان نمائندوں کو ہی حکومت دی ہے، جو عدل وانصاف پر مشتمل حکومت قائم کر کے منافع بشریت کو عام کرنے کی کوشش اور لوگوں میں علمی، سیاسی، سماجی اور انسانی استعداد کو کشف اور عام کر سکے۔

مال وملک بھی خدا کا عطیہ

کچھ تنگ نظر افراد کا خیال ہے، اسلام میں مال وحکومت کی اہمیت نہیں ہے جبکہ یہ مفہوم قرآن کے خلاف ہے۔

﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَىٰ . أَنْ رَآهُ اسْتَغْنَىٰ﴾(۲)

حقیقت میں انسان اپنے آپ کو بے پرواہ (تونگر) سمجھتا ہے۔ہم جناب سلیمان کی حکومت و دولت سے تحقیق کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں وسیع وعریض پادشاہی عطا فرمائی تو بجائے ان کے نفس میں کوئی سرکشی پیدا ہو ہر مقام پر انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا ہے۔ایک کسان نے حکومت سلیمان پر رشک کیا تو کہا ﴿ھذا من فضل ربی﴾ اللہ کے بندے بجائے سرکشی اور غرور کے شکر خدا بجالاتے ہیں۔اس سے پتہ چلا کہ اگر کوئی صاحب ثروت، مقام ومنصب اپنے آپ کو اللہ کی ذات سے مستغنی نہیں سمجھتا ہے پھر تو وہ خدا کی جانب سے امین وصادق بن جاتا ہے لیکن جیسے ہی اس کے دل میں انانیت اور میں کا احساس ہوا تو سرکش اور اپنے حدود سے خارج ہو جاتا ہے، اب چونکہ اپنے اوپر کسی کو حاکم نہیں جانتا، لہذا ذلت ورسوائی میں گرفتار ہو گیا۔

جناب داوٗد ہی کے سلسلہ میں عبدربہ اندلسی نے ایک روایت جناب داوٗد سے متعلق نقل کی ہے:

" إِنِّي أَنَا اللّٰهُ مَالِكُ الْمُلُوكِ ، قُلُوبُ الْمُلُوكِ بِيَدِي، فَمَنْ كَانَ لِي عَلَى طَاعَةٍ ، جَعَلْتُ

۱۔ سورۂ ص، آیت/۲۶۔

المُلُوکَ عَلَيْهِمْ نِعْمَةً،وَمَنْ كَانَ لِیْ عَلٰی مَعْصِيَةِ ، جَعَلْتُ المُلوُکَ عَلَيْهِمْ نِقْمَةً"(۱)

بے شک میں اللہ؛ بادشاہوں کا بھی مالک ہوں،ان کے قلوب میرے اختیار میں ہیں جو میری اطاعت کرتا ہے بادشاہت کو اسکے لئے نعمت اور جو معصیت کرتا ہے تو ملک کو اس کیلئے ذلت ونقمت بنا دیتا ہوں۔

جناب یوسف کو ایک مدت بیت المال کی ذمہ داری کے بعد مصر جیسے تاریخی ملک کی مملکت عطا کر دی۔اللہ کے نبی نے ایک انسانی اور دینی فریضہ سمجھتے ہوئے حکومت کی ذمہ داری سنبھالی جس کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾(۲)

اسی طرح ہم نے یوسف کو سرزمین (مصر) پر تمکنت اور قدرت دی تا کہ وہ جہاں بھی چاہیں رہیں،ہم جسے چاہتے ہیں اس تک اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں اور احسان کرنے والوں کا اجرو پاداش ضائع نہیں کرتے۔

قرآن نے تین دلیلوں سے پرکھنے کا معیار بتایا ہے۔یا تو اپنے دور کے علمی ولائل سے اس پر غور کرو۔یا پھر تاریخی شواہد سے دیکھو کہ سابقہ اقوام نے جب غلط طریقہ اختیار کیا تو اس کا نتیجہ کیا نکلا تھا۔یا پھر استنتاجی طریقہ سے(Pragmatic test)اس کی صداقت کو پہچانو۔استنتاجی طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ اس نظام کو قائم ہو کر اپنے نتائج پیدا کرنے دو۔نتائج سے خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ اس کا دعویٰ سچا ہے یا نہیں۔

۱۔ العقد الفرید،ج ا رص ر ۶۰۔

حکومت کی برکتیں

جب بھی بشریت ظلم و بربریت اور سفا کیت کا نشانہ بنی، ظالموں اور سرکشوں نے آتش ظلم سے انسان کے خرمن شرافت اور کرامت کو جلانا چاہا تو خداوند عالم نے اپنے نمائندوں کو بھیج کر صاحبان کرم اور ایمان پر منت و مہربانی فرمائی اور انسانیت کو اس کے مقصد حیات پر استمرار کی ہدایت فرمائی ہے۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾ (۱)

بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنین کے درمیان رسول بھیج کر بڑا احسان کیا۔

خدائی نمائندوں کے وحی آمیز بیان سے انسانی اذہان بیدار ہوئے، سوئی ہوئی فطرتیں جاگیں، قومی قبائلی تعصّبات ذہنوں سے دور ہونے لگے، اس وقت اسلام تھا کہ جس نے جہالت، نفرت، کدورت اور عداوت کی جگہ روح محبت سے لوگوں کے دلوں کو معمور، مسرور اور مسحور بنا دیا، جو کسی اور طرح سے ممکن نہیں تھا۔

﴿وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ﴾ (۲)

بیشک یہ تمہاری امت متحد و منسجم ایک امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں لہذا میرے حکم کی مخالفت سے پرہیز کرو۔

اہلبیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق لوگ حکومت میں بڑا کردار رکھتے ہیں، جس کا سیاسی، سماجی اور دینی جواز بھی بنتا ہے۔

۱۔ آل عمران، آیت/۱۶۴۔

۲۔ سورۂ مومنون، آیت/۵۲۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سماج کی ادارت

اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول کو آشکار دعوت کا حکم ہوا تو رسول اللہ نے نظم وانسجام کے لئے مختلف جماعتوں سے گفتگو کی، جو جماعتیں دور ونزدیک سے زیارت کعبہ کے لئے آئے ہوئے تھے، انھیں دعوت دی۔ اس سلسلہ میں اہل مدینہ کے دو گروہ کے ساتھ مقام ''عقبہ'' میں گفتگو کی۔ ان کے ساتھ معاہدہ ہوا تا کہ وہ اپنے شہر میں آنحضرت کو دعوت دیں اور آپ کی حمایت واطاعت کریں (۱)

یہاں سے آنحضرت کی حکومت اسلامی کا آغاز ہوتا ہے۔

آنحضرت یکم ربیع الاول سال ۱۳ ربعثت ۶۲۲ء میلادی اہل یثرب کی دعوت پر کہ جسکو بعد میں مدینۃ الرسول کہا گیا، ہجرت فرمائی اور قدرت مند طور پر اسلامی فوج تشکیل دی۔ مدینہ میں جنگجو اور ضدی قبائل کے درمیان نظم، وحدت اور قانونی حکومت تشکیل دی گئی۔ مدینہ کے لوگوں کو پیغمبر خوب اچھی طرح پہچانتے تھے، بچپنے سے رفت وآمد تھی۔ دو قبیلہ اوس خزرج جو کہ اصل آبادی کو تشکیل دینے والے تھے، دونوں کے بیچ کدورت، دشمنی اور اختلاف کو ختم کرایا۔

یہودی؛ مذہب، تہذیب اور ثقافت کے اعتبار سے مترقی ساتھ ہی عربوں کی نسبت آگاہ، شاطر اور فریبکار تھے، جو اس حکومت کے خطرناک ترین دشمن ہو سکتے تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو رام بنانے کی کوشش کی اور چند بنیادی کاموں کو انجام دیا، جس کو اجمالی طور پر ذکر کرتے ہیں:

۱۔ سیرہ ابن ہشام، ج ۱ ص ۴۳۱ مبحث عقبہ اولی۔

(۱) مسجد النبی کی تاسیس

مدینہ آتے ہی آنحضرت نے معاذ بن عفراء جو سہل اور سہیل بن عمرو، دو یتیم بچوں کے سرپرست سے تھے، زمین کی خریداری کی اور اس پر مسجد تعمیر کرائی۔ صدر اسلام میں یہ مسجد تو مُقنّنہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے تمام سماجی، و سیاسی امور کے حل کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

رسول اعظم کو مسلمانوں کی معیشت، حریت کا بڑا درد تھا چنانچہ ہر طرح کے امکانات کو مضبوط کرنا چاہتے تھے

(۲) اقتصاد مدینہ کی اصلاح

پیغمبر اکرم ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے اس شہر کا اقتصاد یہودیوں کے اختیار میں تھا۔ مدینہ کے اکثر لوگ کھیتی باڑی اور محنت مزدوری کرتے تھے اور ہمیشہ یہودیوں کی ماتحتی میں بسر کرتے تھے۔ مالی قدرت نہ ہونے کیوجہ سے مسلمان یہودیوں کے تحت تاثیر تھے، جس کی وجہ سے پیغمبر کے حکم سے مسجد کے اطراف میں بازارچہ بنوایا گیا، جس سے مسلمانوں کی معیشت کی اصلاح ہوئی۔

(۳) مدینہ کی حد بندی

کعب بن مالک کہتے ہیں: پیغمبر اکرم ﷺ نے مجھ کو بھیجا تا کہ مخیض، حیفاء، ذوالعشیرہ اور تیم مدینہ کے پہاڑوں پر جھنڈا نصب کردوں (۱) اس طرح حکومت مدینہ کی حد بندی ہوئی۔

یقیناً رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی سیاسی بصیرت سے شہر کی حد بندی کرائی اور استحکام و انتظام کا سامان فراہم کیا۔

(۴) بھائی چارگی

مسجد کی تعمیر کے بعد مسلمانوں کے درمیان بھائی چارگی کیخاطر ایک دوسرے کیساتھ عقد اخوت پڑھا۔

۱۔ سید غضنفر علی جعفری فائزی: سیاست خارجی پیامبر اسلام ص ۲۳/۷۔
بحوالہ: محمد حمید اللہ حیدر آبادی، الوثائق النبویہ (ترجمہ فارسی) ص ۵۶/۔

بعض تاریخ نویس کے مطابق مکہ میں مہاجروں سے عقداخوت پڑھا، جس میں ابوبکر کا عمر، حمزہ کا زید بن حارثہ، عثمان کا عبدالرحمٰن ابن عوف، زبیر کا ابن مسعود، عبیدہ ابن حارث کا بلال سے ..اور خود حضور ﷺ نے اپنا عقداخوت امام علی ابن ابیطالب کیساتھ پڑھادوبارہ مدینہ منورہ میں انصارومہاجر کے درمیان عقداخوت پڑھا(۱)

(۵) مسلمانوں کی مردم شماری

سب کاموں سے فراغت کے بعد مسلمانوں کے درمیان عقداخوت کا صیغہ جاری کیا اور مدینہ میں حکومت تشکیل دی۔ مسلمانوں کی شہریت اور تعداد کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیا۔

حذیفہ بن الیمان سے نقل ہوا ہے کہ پیغمبر نے فرمایا: مسلمانوں کی تعداد میرے لیے لکھو!

چنانچہ میں نے آنحضرت کیلئے لکھا کہ یہاں پر ایک ہزار پچاس مسلمان ہیں، اس کے باوجود بھی ہم ڈریں؟ کیونکہ ہم میں سے دیکھا گیا ہے کہ کچھ خوف کے عالم میں نماز پڑھتے ہیں۔

عبدان نے ابوحمزہ، اس نے اعمش سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار پانچ سو تھی (۲)

(۶) اسلام کی نشرواشاعت

ہجرت کے بعد جب حضور مدینہ منورہ تشریف لائے آس پاس کے قبائل اور آبادیوں میں اسلام کی تبلیغ کی اور بعض مبلغین کو ان علاقوں میں قرآن کی تبلیغ وتعلیم کے لئے بھیجا۔

(۷) انتظاماتی امور

جاہلیت کے دور میں قبیلہ کے جداگانہ سردار تھے، جو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ان میں حمیری، بکر، تغلب، شیبان، بنوحنیفہ، ہوازن، اوس خزرج، ثقیف وقریش کی الگ الگ ٹولیاں تھیں، جوشب وروز خانہ جنگی اور شرارتوں میں مبتلا رہتی تھیں، پہاڑوں صحراؤں میں جرائم پیشہ ورلوگ ساکن تھے، جنکی روک تھام کیلئے احکام بنائے گئے۔

---

۱. رسول جعفریان: تاریخ سیاسی رسول خدا، ص/۴۳۲۔

۲. محمد حمید اللہ حیدرآبادی، الوثائق النبویہ (ترجمہ فارسی) ص/۵۶/۵۷۔

(۸) بیرون ملک میں سفراء کا بھیجنا

حکومت اسلامی کی بنیاد رکھنے کے بعد حکمرانوں سے مکاتبات، سفراء کے ذریعہ ارتباط قائم کر کے بہت سے معاشرتی اور سیاسی عہد و پیمان پر عمل درآمد ہوا۔ خاص طور سے کسریٰ، ایران کے بادشاہوں، قیصر روم مقوش سلطان مصر نجاشی حبشہ کے فرمانروا اور دوسرے حکمراں کو جسے تاریخ نے ثبت کیا ہے مکاتبات قائم کئے۔ مثال کے طور پر رفاعہ بن زید کو نمائندہ کے طور پر اس نامہ کے ہمراہ بھیجا جس میں مکتوب تھا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحمنِ الرَّحِیْم (هٰذا کِتَابٌ) مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ لِرِفَاعه بنِ زَیْد اِنّی بُعِثتُه اِلی قَوْمِه عَامّته وَ مَنْ دَخَلَ فِیهِمْ یَدْعُوْ هُمْ اِلی اللّٰهِ رَسُوْلِه فَمَن اَقبَلَ مِنْهُمْ فَفِیْ حِزْبِ اللّٰهِ وَ حِزْبِ رَسُوْلِه وَ مَنْ اَدْبَرَ فَلَه اَمَانٌ شَهْرَیْنِ"

عہد رسول ﷺ کے بعض مکتوبات اموی عہد میں پیغمبر اعظم ﷺ کے نام سے شروع کئے جاتے تھے۔

مثال کے طور پر: "مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ فَلان اِلی فَلان"

دوسری مثال ,,نبی اکرم ﷺ کا خط بادشاہ حبشہ کے نام،، لکھا گیا جس کو تاریخ طبری میں نقل کیا ہے (۱)

اسی طرح شاہ کسریٰ کے سلسلہ میں آیا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، "مِن مُحَمّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ اَلیٰ کِسریٰ عَظِیم فَارس" (۲)

اکثر رسائل جو حکومت اموی کے بڑے پایہ کے حکمرانوں کے نام لکھے جاتے تھے... وہ حاکموں کے نام سے شروع ہوتا تھا پھر مرسل اعظم ﷺ کا اسم مبارک ذکر ہوتا تھا (۳) سرکار انبیاء نے خطوط کی وثاقت کے لئے مہر کا استعمال کیا چنانچہ ایک ہی دن میں آپ نے روم و فارس کے شہنشاہوں، حبشہ و قبط کے بادشاہوں حارث بن ابی شعر غسانی بادشاہ شام اور ہوذۃ بن علی بادشاہ کو خطوط لکھے۔ ان تمام خطوط کا مفہوم ایک تھا اگرچہ الفاظ مختلف رہے ہوں کیونکہ سبھی خطوط کا واحد مقصود توحید اور اسلام کے پرچم وحدانیت کے تحت اہل توحید کا جمع ہوتا تھا۔

۱۔ محمد جریر الطبری: تاریخ الطبری، ج۲/ص/۶۵۲۔

۲۔ تاریخ الطبری/ج۲/ص/۶۵۴۔

۳۔ النظریۃ السیاسیۃ ص/۱۴۷۔

رسول اللہ ﷺ کا عہد سیاسی

حضور اکرم ﷺ سے پہلے جزیرۃ العرب میں کوئی معقول حکومت نہ تھی۔ قبائلی نظام ان خطوں میں حاکم تھے، اقتصادی حالات بہتر نہ ہونے کیوجہ سے بڑی طاقتیں ان مناطق کی طرف متوجہ نہ تھیں۔ دراین اثنا مطلع آفاق پر خورشید رسالت جلوہ گر ہوا۔ جسکا نور کسی خطۂ ارض میں محدود نہ رہ سکا۔

ربیع الاول ۶۲۲ء میں لوگوں کی دعوت پر مدینہ منورہ (یثرب) تشریف لا کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جس کا لائحہ عمل آسمانی افکار کی روشنی میں تیار کیا اور اس کے استحکام کیلئے اصول وضوابط کو عملی طور پر استوار کر لیا، الٰہی حکومت کے ضمن میں سیاسی قیادت کا بھی مسئلہ زیر بحث آیا، جس میں سماجی قیادت کی بہترین مثال قائم ہوئی جو سب سے پہلے رسول ﷺ کی ذات گرامی قرار پائی۔

پیغمبر اسلام ﷺ کا بنیادی منشور

حکومت کی کارکردگی شروع ہوئی جس میں سیاست کا بنیادی منشور یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اس کی ولایت کے مقابلہ میں کسی دوسری طاقت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا" کے موقف پر جو مسلمانان عالم عہد رسول سے اپنے موقف پر باقی ہیں، مسلسل اور بے شمار قربانیاں دی گئیں، نسل ہا نسل کا قتل عام ہوتا رہا، بستی کی بستی تباہ کر دی گئی لیکن اس الٰہی موقف میں آج تک سوائے افزائش وارتقا کے کوئی جھول یا کمی نہیں دکھائی دی۔ اس کلمہ کے ذریعہ نوع انسانیت کو معبود حقیقی کیطرف دعوت دینا تھا جس میں نہ جنگ اور نہ ہی فتنہ وفساد کا اشارہ ملتا ہے بلکہ سب کو امنیت بحال کرنے کی

دعوت تھی۔ خاص طور سے اس مقصد پر آنحضرت کے اہلبیت سختی کے ساتھ پابند رہے ہیں۔

رسول خدا محمد مصطفیٰ ﷺ نے حکومت اسلامی کی تشکیل دی۔ قیادت اور ادارت کی ذمہ داری خود سنبھال کر بڑے بڑے شہروں میں نمائندے بھیجے، جسمیں عتاب بن اسید کو مکہ کا امیر، باذ کو یمن کا، اور سائب بن عثمان کو مدینہ کا حاکم منصوب کیا۔ اسی طرح آنحضرت نے چھ افراد کو منجملہ حضرت امام علیؑ، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب کو امور قضاوت کیلئے معین فرمایا۔ فوج کو ادارہ کرنے نیز اس کی تقسیم و تنظیم کے قانون بنائے، مالی امور کا ادارہ کرنے کے لئے حذیفہ بن یمان کو صدقات کا منشی بنایا گیا، معاذ بن جبل کو جزیہ کی جمع آوری کا مسئول معین کیا (۱) سفراء کو بھیج کر وقت کے نامور سربراہان مملکت کے ساتھ مکاتبات قائم کئے، نظامی اور دفاعی عہد ناموں پر دستخط کی، دہشت گردوں اور سارقوں سے مقابلہ اور اس کی روک تھام کی۔ ہر جگہ آشوب گر، اختلاف کرنے والوں کے فیصلہ کی عدالت گاہ کا قیام وجود میں آیا، اس طرح کی بہت سی دیگر کاروائیاں تھیں جس کو حضور نے اپنے مبارک ہاتھوں سے انجام دیا تھا۔

حضور نے ملکی انتظامات میں حکام، ولاۃ، عمال کا تقرر، امیر لشکر، ائمہ کا تقرر، زکاۃ اور جزیہ وصول کرنے والوں کا اہتمام، مقدمات کا فیصلہ، غیر قوموں کے معاملات کی دیکھ ریکھ، فرامین و تعزیرات کا اجرا کرنا اور احتسابات کا کام خود انجام دیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں جس الٰہی معاشرہ کی تشکیل دی اس کے مجمل اصول حجۃ الوداع کے خطبہ میں موجود ہیں۔ اس میں بنیادی حقوق انفرادی اور اجتماعی فرائض کے بارے میں اشارات ذکر ہیں جیسا کہ دائرہ معارف میں نقل ہوا ہے:

"مسلمانوں (میں اہل سنت) کے چوتھے خلیفہ امیر المومنین علی بن ابیطالبؑ کے بعد سیاست کا انداز مختلف ہوگیا جو کہ کم وبیش بیسویں صدی تک چلتا رہا۔ ریاست کے اصولی نظریہ کے ساتھ سیاست اور حکمرانی کے طریقے بھی مختلف اور متنوع ہوتے گئے" (۲)

۱۔ دکتر حسین خنیفر، حجۃ الاسلام والمسلمین احمد خنیفر: مدیریت در اسلام۔

۲۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج ۱۱، ص ۴۸۵۔

مختصر کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ اور امام علی علیہ السلام کی حکومت وخلافت کا پچیس سال کا وقفہ نہایت پردرد گذرا ہے۔ تاریخ اسلام کی اس سیاہ ترین تاریخ کا ذکر بہت کم کیا جاتا ہے، مؤرخین عمداً ترک کردیتے ہیں، اور اس وقت کی جنگ وجدال اور جنجال کو پس پردہ رکھا، اسی طرح حکومت واقتدار میں منافقانہ فتنہ وفساد کو برملا نہیں کرنا چاہا۔ اس وقت کے بارے میں عبدالکریم مشتاق لکھتے ہیں؛ کہ ان کی تفصیلات کا اخفاہی حکمت عملی ہے (۱)

مرسل اعظم ﷺ کا اپنے معبود سے انس

چالیس سال تک رسول اللہ ﷺ زحمت، صعوبت، رنج وبلا میں کمال صبر وشکیبائی کے ساتھ اپنے مقصد میں مصروف رہے، جس کے نتیجہ میں امانت، صداقت، کردار کی پاکدامنی کا اعلان دشمن نے خود کیا اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قوم کو اللہ تعالیٰ کی یکتائی، اس کی وحدانیت کے پرچم تلے لانے کی سعی وتلاش اور مسلسل کوشش کرتے رہے۔ عبادت کا یہ عالم تھا کہ اس کو تمام چیزوں پر مقدم کرتے اور ہر سال ایک مدت ''جبل النور'' اور غار ''حراء'' میں عبادت کرتے تھے۔

امیر المومنین علی ابن ابیطالب فرماتے ہیں:

''وَلَقَد کَانَ یُجَاوِرُ فِی کُلِّ سَنَةٍ بِحِرَاءَ فَاَرَاهُ وَلَا یَرَاهُ غَیْرِی'' (۲)

رسول خدا ﷺ ہر سال جبل نور اور غار حراء میں اقامت پذیر ہوتے تھے، میں ان کو دیکھتا اور سوائے میرے کوئی بھی آنحضرت کو نہیں دیکھتا تھا۔

بعثت رسول اکرم ﷺ

کتب سیرت وتاریخ میں ذکر ہے کہ جیسے جیسے بعثت کا وقت قریب آتا گیا آنحضرت عبادت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طرف زیادہ مائل ہوتے گئے۔

۱۔ یار رسول اور غار ثور ر ۴۰۔

۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ قاصعہ ر ۱۹۲۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولاً مِنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِيْنٍ﴾ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر منت واحسان کیا ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک کرتا ہے۔ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم منت جس کا خود تذکرہ کیا ہے، اس سے مراد پیغمبر اسلام ﷺ جیسی نعمت ہے۔

غار حراء سے آ کر کعبہ کا سات طواف کرتے ،شب میں دیر سے سوتے اور صبح بہت جلد مستعد ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتے اور جب مکہ کے اطراف واکناف راستہ چلتے تو ''السّلام علیک یا رسول اللّٰہ'' کی آواز سنائی دیتی تھی، جب دائیں بائیں دیکھتے تو ہاتف غیبی کے آثار نہیں دکھائی دیتے تھے۔ یہ حالت تین سے چھ مہینے تک چلتی رہی یہاں تک ایک دن نورانی فرشتہ صحیفہ کے ساتھ ظاہر ہوا اور کہا ''پڑھیئے'' (۲)

چنانچہ الٰہی سیر وسلوک کے بلند ترین مرتبہ پر پہنچے اور علم (تعلیم وتعلم) ودین (پروردگار کے نام سے) اور روز قیامت جیسی تہذیب سے شناخت ہوئی۔ غرضکہ ۶۱۰ء میں آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی۔

۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۴۔

۲۔ علامہ طبری: مجمع البیان ج ۱۰، ص ۵۱۴۔ تاریخ اسلام ص ۵۹/ ۶۰۔

ولایت الٰہی کا سزاوار

قیادت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ نے جس لب ولہجہ میں اسکی تاکید فرمائی، دیگر امر کی اتنی تاکید نہیں کی ہے کیونکہ ولایت اسلام کی بنیاد ہے اور اسکو باطل ہمیشہ اپنی پوری قدرت سے ناکام بناتا رہے گا:

﴿یَاأَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَبِّکَ وَ اِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ..﴾ (۱)

اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔ اللہ لوگوں (منافقوں، دشمنوں) سے تمہاری مدد کرمائے گا۔

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِي وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾(۲)

(جبکہ اس ولایت کا ابلاغ ہوگیا تو جان لو!) آج ہم نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام جیسے دین ہونے پر راضی ہو گیا۔

اپنے اختلاف کو اللہ و رسول پر چھوڑ دو، تا کہ خدا ورسول کا حکم نافذ ہو سکے۔

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُولِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَاَحْسَنُ تَاْوِیْلاً﴾(۳)

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت/۶۷۔

۲۔ سورۂ مائدہ، آیت/۳۔

۳۔ سورۂ نساء/آیت/۵۹۔

اگر کسی چیز میں اختلاف کرو! تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تمھیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے، یہی بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

لہذا جس نے حکم خدا سے سرپیچی، روگردانی اور مخالفت کی وہ دین سے خارج ہوا۔

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾(۱)

اے رسول کہہ دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرو کیونکہ اگر روگردانی کی تو جان لو کہ اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

امام رسول کی مانند سماجی قیادت کا ذمہ دار ہوتا ہے ہرگز ہرگز یہ عہدہ کسی ظالم سرکش اور متجاوز کو نہیں مل سکتا ہے!

﴿لَا يَنَالُ عَهْدِ الظَّالِمِيْنَ﴾(۲)

کون امام؛ ظالم یا مظلوم؟

جو شخص انسانی اصول اور قوانین کی پیروی اور اس پر عمل نہ کرے اور ان قوانین پر باقی نہ رہ سکے یعنی اپنی خواست نفسانی یا مطالبہ شیطانی پر کنٹرول نہ کر سکے، یقیناً وہ ظالم ہے۔ ایسے انسان نے دو ظلم کیا ہے، ایک ظلم اپنے نفس کے ساتھ کیا اور اس نے اپنے نفس کو مشوش و مضطرب بنایا، شرف انسانی کو خیانت، چوری، سرکشی، ظلم و تعدی سے مجروح کرلیا ہے، جس کی وجہ سے نفسیاتی طور پر وہ خود مضطرب اور اس کا ضمیر بھی حیران و پریشان رہتا ہے۔

دوسرے ذات خدا، ولی خدا پر ظلم کیا ہے، اپنے عہد و پیان پر باقی نہیں رہا ہے اور خواہشات نفسانی کی پیروی کر کے خدا کی نافرمانی کی ہے جبکہ ظلم صرف شرک کرنے کو نہیں کہتے بلکہ انسان ظلم و ستم کرنے اور خواہشات نفسانی پر کنٹرول نہ رکھ سکے وہ معاشرہ کے اجتماعی امور کی کیسے باگ ڈور سنبھال سکتا ہے؟ کسطرح لوگوں کو یقین دلاسکتا ہے کہ میں صحیح رہبری کروں گا اور وہ بھی جب ایک ایسا رہبر ہو جو شرک جیسے عظیم گناہ میں آلودہ ہو؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے صاف کہہ دیا ہے کہ کسی ظالم شخص کو اپنا عہدہ امامت نہیں دے سکتا!

---

۱. سورۂ آل عمران، آیت ۳۲/۳۔

۲. سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۴/۲۔

وہ شخص جس نے شرک کیا یعنی غیر خدا کے سامنے جھک گیا یہ ایسا ظلم ہے جسے خدا ہرگز معاف نہیں کرسکتا ہے،

﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (۱)

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُاَنْ یُشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَشَاءُ﴾ (۲)

اگر دو شخص ہوں ایک ہدایت، اصلاح و درستگی کی طرف لے جائے اور دوسرا کجی، بے راہ روی اور گمراہی کی طرف لے جائے تو کون سی قیادت لوگ پسند کریں گے؟

﴿اَفَمَنْ یَّھْدِیْ اِلَی الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ﴾ (۳)

جو شخص حق کا راستہ بتاتا ہو وہ زیادہ پیروی کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو خود راستہ معلوم نہ ہو؟ جس کو خود ہی راستے کا علم نہ ہو وہ دوسروں کو کیا راستہ بتائے گا، اس کی شخصیت مشکوک ہو جاتی ہے، عام لوگ بھی اس پر یقین نہیں کرتے اور ایسا تو ہر معاشرہ میں دیکھا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی مشکل ایسے افراد سے تھی، جو اپنے قوم وقبیلہ اور عہد جاہلی کے سردار، سرمایہ دار تھے، منجملہ ابوجہل وابوسفیان...اسی فہرست سے تھے۔ وہ سب رسول کی ہمراہی میں محروم لوگوں کی روز افزوں گرفت اور اسلام کی پنپتی ہوئی طاقت سے خوف زدہ تھے۔ ان ظالموں کی نظروں کے سامنے ظلم اور بے انصافی کا گلا گھونٹا جا رہا تھا اور ان کی حکومت و ڈکٹیٹر کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ ایک خاص بات یہ کہ آپ کسی بھی معاشرہ میں چلے جائیں لوگ شروع سے جس کو متدین، مؤمن اور نیک دیکھتے ہیں اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ فطری بات ہے، جو شخص خیانت کرتا ہے، اس سے لوگوں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ یہ نہایت پسندیدہ طریقہ رہا ہے، خداوند عالم نے ذریت جناب ابراہیم میں امامت باقی رکھنے کا وعدہ اسی شرط پر کیا ہے۔ ورنہ بدیہی بات ہے کہ جو رہبر خود پابند اصول نہ ہو وہ دوسروں کو کیا اصول کی ہدایت کرے گا؟

۱۔ سورہٴ لقمان/آیت/۱۳۔

۲۔ سورہٴ نساء/آیت/۴۸۔

۳۔ سورہٴ یونس/آیت/۳۵۔

قائد معصوم ہوگا

انسان میں خطا کا امکان پایا جاتا ہے، اسی وجہ سے ایک ضابطہ بنایا جاتا ہے، خاص طور سے بڑی پوسٹ حساس مقام اور صاحب منصب کیلئے دستور بنایا جاتا ہے۔ نص قرآنی ہے کہ سماج کا سب سے بڑا قائد معصوم ہو!

اب کیوں کہتے ہیں کہ معصوم کا انتخاب ممکن نہیں ہے؟ یہ تو عقلاء عالم کا نہایت پسندیدہ طریقہ کار رہا ہے! غرضکہ عدالت ایک اندرونی ملکہ ہے، چندافراد ہیں لیکن نہیں معلوم کس کے نفس میں عدل واخلاص زیادہ ہے، گھر خاندان میں ایک دوسرے کونہیں جانتے کہ اس کا نفس کیا چاہتا ہے؟ جہاں خود اپنے نفس کیلئے پتہ نہیں، اپنے قبضہ میں نہیں ہے، وہیں پر باپ کو اپنی اولاد کے بارے میں دوسروں سے زیادہ پتہ ہوتا ہے کہ کون زیادہ متقی، متدین اور پرہیزگار ہے۔ پتہ چلا عدالت وتقوی قابل پیمائش نہیں لیکن آثار واندازہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ شریعت میں ایسے موارد ہیں جہاں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر امام جماعت کیلئے عدالت شرط ہے۔ یہ عدالت محسوس اور مشاہدہ کی چیز ہے یا نہیں؟ شخص امام کی رفتار و گفتار، کردار نیز ظاہری عادات وانصاف اور اخلاق سے عوام الناس کو اس کی عدالت کا یقین ہو جاتا ہے۔ قضاوت کے لیے عدالت شرط ہے، اسلامی نظام میں لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ معلوم کریں یہ شخص عادل ہے لیکن عصمت ایک امر خفی ہے، لوگوں سے کہا جائے تو ممکن نہ ہوگا لیکن دوسرے بہت سے ظاہری آثار وافعال ہیں جن کے ذریعہ مقام عصمت تک پہچا جاسکتا ہے۔ آج تک نہ سنا گیا ائمہ اہل بیت نے اپنی زندگی میں کوئی گناہ کیا ہو جسکی وجہ سے گناہ کے اثرات مرتب ہو سکے ہوں۔

صاحب عصمت انسان کی نظر میں مال یتیم کا کھانا آتش جہنم کھانے کے مساوی ہے، ایسا نہ فقط آخرت میں بلکہ اسی دنیا میں جو مرتکب گناہ ہوتا ہے اس گناہ کے آثار کو درک ومحسوس کرتا ہے۔ زنا، شراب جیسے گناہوں کی قباحت اس کے آثار کو دنیا ہی میں دیکھتا ہے۔

﴿وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهُ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلَى عَالِمِ الغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ..﴾ (۱)

عنقریب اللہ اس کا رسول تمہارے اعمال کو دیکھ لیگا پھر ظاہر و باطن جاننے والے کے پاس پلٹا دئے جاؤ گے

امام علی ابن ابیطالب علیہ السلام فرماتے ہیں:

,,أَيُّهَاالنَّاسُ أَنَّ أَحَقّ النَّاسَ فِي هَذا الامْرِ أقْوَاهُمْ ،،

(۱) یہ امر مسلمانوں کی قیادت، خلافت اور امامت کبریٰ کا ہے، جس میں قائد کی قدرت تدبر اور صوابدید پر منحصر ہے، جس کی پہلی شرط ہے کہ سیاست اور دیانت میں تدین اور سابقہ اچھا ہو درست سلجھا ہو انظریہ رکھتا ہو، کبھی شرک نہ کیا ہو، شریعت کے احکام کا عالم ہو، استنباط واجتہاد کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ شریعت کے ہر باب اور ایک ایک جزء میں ملک کی اندرونی اور بیرونی سیاست سے بخوبی واقف ہو، عبادت اور معاملات سب میں حکم خدا کو جانتا ہو۔ غیر مسلم مملکت سے انسانی حقوق، تجارتی معاملات کیسا ہونا چاہئے۔ اگر غیر مسلم اسلامی ملکوں میں نفوذ پیدا کرنا چاہتے ہوں تو سیاست کیسی ہوتا کہ اسلام کی ہویت، حمیت، شوکت اور عظمت کو کوئی ضرر نہ پہنچے...

امام خدائی مقاصد کو استمرار دینے والا، پیغمبروں کا وارث ہوتا ہے۔ جس کی اہم ترین ذمہ داریوں میں ایک یہ ہے کہ وہ سماج میں اسلامی اقتدار کو بحال کرے۔ ائمہ کی ولایت اور پیروی کے سلسلہ میں قرآن کی تاکید ہے:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ﴾ (۱)

تم لوگوں کا ولی اور سرپرست فقط خدا، اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، وہی نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکات دیتے ہیں۔

ولی کے معنی ہیں دوسری چیز کا پہلی چیز کے بعد بغیر فصل (ساتھ ہی) ہونا۔

راغب کے مطابق دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا اس طرح یکے بعد دیگرے آنا کہ ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہ آئے جو ان میں سے نہ ہو (۲) اسی وجہ سے اللہ پھر رسول اور رسول کے فوراً بعد علی ابن ابیطالب کو ولی اللہ اور رسول اللہ کا وصی بلا فصل کہا جاتا ہے۔

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت/۵۵۔

غلام احمد پرویز نے یہ لغوی معنی بتایا ہے، اسی سے ملتا جلتا مفہوم آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں معنی ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں یہ آیت ولایت امامت پر دلالت کرتی ہے۔ جو اللہ اور رسول اللہ کی ولایت سے متصل ہوتی ہے، لہذا تمام امور میں امام تصرف کا حق رکھتا ہے۔ (تفسیر آلوسی، روح المعانی ج ۶/ ص ۱۶۷)

امامت کی تعریف میں کہا گیا:

" الامَامَةُ رِيَاسَةٌ عَامَةٌ فِيْ اُمُورِ الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا خِلافَةٌ عَنِ النَّبِیْ "

امامت دین و دنیا کے امور میں ایسی قیادت ہے کہ جو پیغمبر اسلام ﷺ کی نیابت میں ہوتی ہے۔ یہی آنحضرت ﷺ کے مقاصد کو استمرار بھی عطا کرتی ہے۔

ظاہری بات ہے کہ ۲۳ رسالہ زمانہ ابلاغ، احکام اسلام کی وسعتوں کے لحاظ سے کافی نہ تھا:

استاد شہید مطہری کے بقول پیغمبر اسلام اس ۲۳ رسال میں اسلام کے تمام مسائل کو لوگوں تک اجمالی صورت میں ہی کیوں نہ ہوں نہیں پہنچا سکے لہذا پیغمبر کی طرف سے ایسے افراد معین ہوں جن میں معنوی پہلو بھی ہوں رسول نے تمام حقایق کو ان کے لئے بیان کیا ہو اور وہ بھی ایسے ہوں جو تمام سوال کا جواب دہ ہو سکیں (۱)

اور امام علی علیہ السلام اس خصوصیتوں کے حامل اور بدرجہ اتم سزاوار تھے۔

۱۔ شہید مرتضی مطہری: امامت و رہبری، مجموعہ آثار، ج ۴، ص ۸۷۲/۔

ولایت الٰہی کا سزاوار

قیادت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ نے جس لب ولہجہ میں اسکی تاکید فرمائی، دیگر امر کی اتنی تاکید نہیں کی ہے کیونکہ ولایت اسلام کی بنیاد ہے اور اسکو باطل ہمیشہ اپنی پوری قدرت سے ناکام بناتا رہے گا۔﴿یَاایّھا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَااُنزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَبّکَ وَ اِنْ لَمْ تفعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ..﴾(۱)

اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔ اللہ لوگوں (منافقوں، دشمنوں) سے تمہاری مدد فرمائے گا۔

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعمَتِی وَرَضِیْتُ لَکُم الْاِسْلَامَ دِیْناً﴾(۲)

(جب اس ولایت کا ابلاغ ہو گیا تو جان لو!) آج ہم نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام جیسے دین ہونے پر راضی ہو گیا۔

اپنے اختلاف کو اللہ و رسول پر چھوڑ دو، تا کہ خدا اور رسول کا حکم نافذ ہو سکے۔

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیءٍ فَرُدُّوهُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤمِنُونَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌوَاَحْسَنُ تَاْوِیْلاً﴾(۳)

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت/۶۷۔

۲۔ سورۂ مائدہ، آیت/۳۔

مقریزی کے حوالہ سے:

"اِنَّہ لَمَّا خَیِّرَ، اَخْتَارَ اَن یَّکُونَ نَبِیّاً عَبْداً وَلَمْ یَخْتَرَ اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیاً مَلِکاً..."

بیشک رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کیلئے اختیار دیا گیا کہ نبی؛ بندہ خدا رہوں یا نبی؛ بادشاہ دنیا تو نبی نے بندگی خدا کو قبول فرمایا اور بادشاہی کو ٹھکرا دیا۔

"..وَاِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الاصْلَاحِ فِیْ اُمَّۃِ جَدِّیْ ،اُرِیْدُ اَن آمُرَ بِالمَعْرُوْفِ وَالنَّھْی عَنِ المُنْکَرِ وَ اَسِیْرَ بِسِیْرَۃِ جَدِّیْ وَ اَبِیْ عَلِی بْنِ اَبِیْ طَالِبؑ"(۱)

امام حسینؑ نے اپنے قیام اور تحریک کا جو بنیادی مقصد بیان فرمایا ہے، ان میں بعض یہ ہیں:

(۱) اپنے جد نامدار رسول کے امت کی اصلاح کرنا اور یہ اسی شان سے انجام پائے جسطرح آپ کے جد رسول اللہ کرتے تھے۔ بڑی واضح بات ہے کہ جن امور کا نفاذ یعنی شریعت الٰہی کی تنفیذ رسول اللہ چاہتے تھے وہ آنحضرت کے ۲۳ سالہ حیات میں ممکن نہ تھا، لہذا ضرورت تھی کہ آنحضرت کے بعد اس کی صحیح تفسیر وتوضیح ہو، جس کو رسول اور علی جیسا ہی کوئی انجام دے سکتا ہے۔ اس اعلیٰ اور اکمل جامع الصفات شخصیت حسین ابن علی کے علاوہ کیا کوئی دوسری ہوسکتی ہے؟ (۲) معروفات کا امر کرنا اور منہیات سے روکنا (۳) سیرت پیغمبر اعظم پر اور سیرت امیر المومنین پر عمل کرنا ہے۔

ظاہری بات ہے کہ سیرت رسول اللہ ہی علی مرتضیٰ کی سیرت ہے لیکن دونوں کا ذکر کرنا بتا رہا ہے کہ مقصد رسالت کے سلسلہ کو رسول کی ظاہری حیات کے بعد امام ہی انجام دینے والے ہیں۔

﴾وَ شَاوِرْھُمْ فِی الاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ﴿ (۲)

یہ سب عام مسائل ہیں جو مصلحت اور اسباب و برہان کی بناء پر جزئی احکام بدل جاتے ہیں۔ رہ گیا یہ ایسے احکام الٰہی کے علاوہ ہیں جو کتاب وسنت میں ہیں اور نسخ نہیں ہوتے (۳)

۱۔ الفتوح ج/۵ ص/۲۱۔ علامہ محمد باقر مجلسی: بحار الانوار ج/۴۴ ص/۳۲۹۔

۲۔ سورۂ آل عمران، آیت/۱۵۹۔

۳۔ میزان: ج۴/ ص/۱۲۱۔

رسول اللہ کے بعد غلط سیاست

رحلت حضرت رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فورا بعد انصار و مہاجر کے با اثر افراد سقیفہ کی طرف دوڑے اور تجہیز و تکفین کی بھی پرواہ نہ کی۔ ان لوگوں نے اس بات کی توجیہ یوں کی ہے:

''جلدی کرنے کی وجہ امت کے درمیان تفرقہ کا خوف تھا''

اس بات پر شیعہ سنی کا اتفاق ہے کہ (۱) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سقیفہ جیسی کوئی انجمن تشکیل دینے کے لئے نہیں کہا تھا (۲) جو بات سقیفہ میں زیر بحث آئی تھی وہ علی ابن ابیطالب کی خلافت اور ان کے متعلق رسول کی سفارش کا تذکرہ کیونکہ کسی اور کے متعلق خلافت کی کوئی ایسی سند نہ تھی (۳) اگر دوسروں کے لئے کچھ کہا ہوتا تو یقیناً اہل سقیفہ اس قول رسول سے استناد کرتے (۴) اگر تفرقہ کے خوف سے ایسا کیا گیا تو کیا علی مرتضیٰ داماد اور نفس رسول اللہ نہیں تھے، وہ آنحضرت کے غسل وکفن میں مشغول تھے نیز سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، عباس، ابن عباس اور باقی خاندان بنی ہاشم کے افراد عامل تفرقہ تھے یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقصد سے اختلاف رکھتے تھے؟

اصل بات یہ ہے کہ اہل سقیفہ رسول اللہ کے ارشادات کو بخوبی جانتے تھے اور جو مطالب آنخضرت نے اپنی جانشینی سے متعلق فرمائے تھے، آگاہ تھے۔ اہل سقیفہ کو خوف تھا کہ لوگ صاحب حق کو ہی ترجیح دینگے وہ لوگ سقیفہ کی طرف بھی نہیں جائیں گے۔ لہذا امام علی علیہ السلام نے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کو بغیر غسل وکفن اور دفن کے نہیں چھوڑا۔ رسول خدا کا گلی کوچہ اور مسجد و منبر پر بار ہا تاکید کرنا کہ میرے بعد علی ابن ابیطالب میرے جانشین ہوں گے، ان کے بعد میرے فرزند جو علی و فاطمہ کی اولاد سے ہوں گے، پھر حدیث ثقلین اور علی و فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کے بارے میں بار بار تاکید کو لوگ نہیں بھولیں گے۔ لیکن یہاں سے نقشہ ہی بدلنے

لگتا ہے۔

عزالدین ابوحامد معتزلی ایک جملہ خلیفہ اول سے اسطرح نقل کرتے ہیں:

پیغمبر اکرم ﷺ نے رحلت فرمائی جبکہ زمانہ جاہلیت سے کوئی زیادہ فاصلہ نہیں گذرا تھا، میں ڈرا کہ لوگ فتنہ وآشوب میں گرفتار نہ ہو جائیں، اسوجہ سے دوستوں نے خلافت کی ذمہ داری میرے سپرد کردی (۱)

مدینہ سے باہر بغیر جانشین معین کئے نہیں جاتے تھے!

عزالدین ابوحامد لکھتے ہیں: میں نے ایک روز اپنے استاد سے کہا میرے لئے بہت دشوار ہے کہ میں اس بات کو قبول کرلوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد کی جانشینی کے تعارف میں کوتاہی کی ہو اور اپنی پیروی کرنے والوں کو بغیر کسی سرپرست چھوڑ دیا ہو جبکہ آنحضرت کی یہ سنت تھی کہ مدینہ سے باہر نکلنا ہوتا تو بغیر جانشین معین کئے نہیں جاتے تھے، جبکہ کوئی خاص فاصلہ بھی نہیں ہوتا تھا اور حضور خود باحیات تھے لیکن جب اپنی رحلت سے مطمئن تھے، آئندہ کے حوادثات کو ملاحظہ نہیں فرمارہے تھے کہ اس کے بارے میں عزم مصمم کرتے، جانشین معین نہ کرتے!! جبکہ سارے مسلمان آنحضرت کو صاحب عقل وفکر کامل جانتے ہیں، غیر مسلمان بھی دور اندیش، متفکر اور اپنے وقت کا نابغہ جانتے تھے، جب ہی تو امت کو ادارہ کرنے اور دین اور دنیا پر مشتمل آئین کو تشکیل دیا۔

استاد نے جواب دیا: مطلب کچھ اسی طرح کا ہے جو تم کہہ رہے ہو!!

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کیلئے جانشین معین فرمایا اور لوگوں کو ان کی پیروی کا حکم دیا لیکن جب صحابیوں نے آنحضرت کی پیروی نہیں کرنی چاہی تو اس موضوع میں اپنے لئے پیروی کرنا واجب نہیں جانا (۲)

یہیں سے مسلمانوں کے ایک فرقہ نے تحریک چلائی کہ ائمہ اہلبیت ؑ کی پیروی ضروری نہیں اور جو کچھ پیروی واطاعت کا مسئلہ ہے وہ معنوی وعلمی امور میں کرنی ہے۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ، ج۶، ص۴۲۔

۲۔ نہج البلاغہ، ج۱۲، ص۸۳۔

امام محمد باقرؑ سے نقل ہے: بعد رسول جب امام علیؑ کے خلاف اتحاد کیا گیا جس پر امام علیؑ نے رسول خدا کی باتوں سے استناد اور استدلال پیش کیا، جس پر امامؑ کی دلیل و برہان پر تصدیق اور تائید ہوئی لیکن کہا گیا:

"یہ سب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فسخ کر دیا تھا"

آنحضرت نے فرمایا تھا کہ خداوند عالم نے ہم اہل بیتؑ کو عظمت دی ہے، لوگوں میں سے ہم کو منتخب کیا ہے اور دنیا کو ہمارے لئے نہیں چاہا ہے۔ خدا ہمارے لئے نبوت اور امامت کو جمع نہیں کرتا ہے۔

چار افراد کی جھوٹی شہادت

اس امر کی کچھ افراد نے گواہی بھی دی جنکے نام اس طرح ہیں:

عمر، ابوعبیدہ، معاذ بن جبل، اور سالم، غلام ابی حذیفہ۔ ان کی جھوٹی گواہی نے مسئلہ کو لوگوں کے لئے مشکوک بنا دیا۔ لوگوں نے تائید بھی کر دی، جس نے لوگوں کو پیچھے کر دیا اور امامت کو اس کے اصل مقام سے جو خدا نے معین کیا تھا جدا کر دیا، ہمارے حق، ثبوت اور دلیل سے انصار نے نزاع و اختلاف کر لیا اور خلافت ابوبکر کے لئے ثابت کر لی گئی۔ ابوبکر نے بھی عمر کو واپس کر دی، اس طرح ان کی قدردانی بھی کی گئی (۱)

غرض بنی امیہ اور بنی عباس نیز معاویہ، سفاح جیسے حکمرانوں نے ائمہ علم و حکمت اور صاحبان ولایت حقہ کو ان کے دنیاوی مقام و منصب سے محروم رکھا۔ ان کی منزلت میں وارد صحیح حدیثیں جیسے حدیث سفینہ، غدیر اور ثقلین کے مقابل اپنی من مانی حدیثیں گڑھ لیں اور قرآن کی غلط تاویل کر کے معارف اسلامی و مفاہیم دینی کو مسخ کر ڈالا گیا۔

ابن ابی الحدید نے ابوجعفر نقیب کا ایک قول نقل کیا ہے:

سادہ لوح لوگوں نے صحابیوں کو اکثریت سے دیکھا کہ امام علیؑ کو خلافت سے منع کر دیا گیا ہے سمجھے کہ یقیناً رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے خاص حکم ہے، جس حقیقت سے وہ سب جاہل تھے، آنحضرت نے گزشتہ سفارش جو امام علیؑ کی امامت کے بارے میں کی تھی، اس پر پردہ پوشی کی ہے۔ خاص طور سے ابوبکر نے کہا: رسول اللہ نے

۱۔ سلیم بن قیس، اسرار آل محمد، ترجمہ اسماعیل انصاری، ص۲۲۲/۲۲۳۔

فرمایا ہے کہ ''امام قریش سے ہوں گے''لوگوں نے گمان کرلیا امام کے انتخاب میں آزاد ہیں، قریشی کا ہونا کافی ہے جو بھی چاہے امام ہوسکتا ہے۔عوام کا خیال تھا کہ حکمراں جماعت ہم سے زیادہ معلومات رکھتی ہے، اس وجہ سے بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مقابلہ میں کسی خاص ردعمل اور مخالفت کا موقف نہیں اختیار کیا(۱)

اے کاش! رسول اللہ ﷺ کے بعد ان تمام حالات کا درست اور دقت سے مطالعہ، تحقیق و تفحص کیا جاتا اور مسلمانان عالم خاص طور سے دانشمند طبقہ گہرائی تک پہنچتے اور سوچتے کہ اسلام کا یہ سیاہ دور کیوں وجود میں آیا؟

آنحضرت کے بعد امام علیؑ اور امام حسن مجتبیٰؑ کی عملی زندگی میں یہ دیکھ سکتے ہیں کہ ان کو حکومت و سلطنت سے الگ رکھا گیا پھر بھی ائمہ اہلبیت ہی تھے جو الٰہی قیادت کا نمونہ بنے رہے کیونکہ ہر موجودہ حکومت کے انحرافات ، کج فہمی، ضعف اور غیر اخلاقی باتوں کی اصلاح فرماتے تھے اور ہر مسئلہ کو عملی طور پر انجام دیتے رہے۔امام علیؑ کا پنج سالہ دور حکومت، علم سیاست و حکومت میں منہج سیاست بن گیا ہے۔

ایک مذموم کوشش

امام علیؑ سے لیکر آخری امام حضرت مہدی تک سبھی ائمہ رسول کی طرح امت کیلئے ہدایت کا چراغ ہیں۔اسی وجہ سے حضرات ائمہ کے حرم مبارک کو مسمار و منہدم کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کیونکہ وہ ظاہری حیات میں نہیں پھر بھی ان کا حرم مطہر اسلامی آثار اور الٰہی شعائر کی حیثیت سے انسانوں کی ہدایت اور معنویت کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔

جنت البقیع ہو یا سامرہ کا حرمین امامین یا سرداب امام زمانہ (عج) یا امام کے نائب دوم کی قبر مع گنبد کے واقع در بغداد امریکہ و متحدہ افواج نے منہدم کیا، بے احترامی کی، یہ سب اسی عناد و کینہ اور شیطانی سیاست کا مقصد ہے۔

گیارہ اماموں کی عمر مبارک کا تقریبا پچپن سالہ دور ایسا گذرا ہے، جو سیاسی بحران سے دوچار تھا، ان ادوار میں حضرات ائمہ کا مطمح نظر خدائی سیاست کے اصولوں پر مبنی ہوتا، کسی دباؤ، سختی اور ہجوم سے کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی بلکہ ہمہ وقت لوگوں کی خدمت، ان کی نجات کو زیادہ ترجیح دیتے تھے، جس کا مختصر لفظوں میں خلاصہ یہ ہے:

۱. چونکہ ان کا مقصد انسانی پیکر میں خدائی صفات مجسم کرنا تاکہ انسان ان صفات حمیدہ میں خود کو مجسم کرے اور خدائی حکومت کا مطیع اور دوسروں کے ناحق تسلط سے دستبردار ہو جائے۔

۲. لوگوں کی ایسی تربیت کرنا جس سے بندوں میں صفات حسنہ رچ بس جائیں اور معاشرہ دینی و دنیاوی سعادت کا حامل بن جائے۔

۳. معاشرہ میں امن و سلامتی کا ایسا ماحول پیدا ہو سکے کہ جس سے شیر و گوسفند، چرند و پرند سب ایک ساتھ رہ سکیں۔ رہ گیا کس دور میں کون سی ہدایت، تربیت و سیاست کا نفاذ ہو اس کا تعین لوگوں کی کوشش تلاش اور فہم پر ہے، اسی لحاظ سے ائمہ اپنا فریضہ انجام دیتے ہیں چونکہ خلافت و حکومت میں یہ طریقہ رہا ہے کہ لوگ امام کے ہاتھوں اپنی بیعت کریں اور امام بھی عوام الناس کی آمادگی اور ان کے تعاون سے حکومت کے اصول کو نافذ کر سکے۔

امام کی پیروی لازم ہے

قرآن نے انسانی شعبہ حیات میں اپنے نبی اور ان کے بعد ائمہ کی پیروی کو لازم بتایا ہے:

﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾(۱)

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول و صاحب امر کی اطاعت کرو۔

اطاعت و پیروی کا مقصد فقط روزہ، نماز، حج و زکات ادا کر لینا نہیں ہے بلکہ اس کی اصل روح رواں امام وقت کی پیروی کرنا ہے۔ معاشرے میں ایسا ماحول پیدا کرنا جس میں روزہ نماز اور تمام احکام کے نفاذ کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ سارے احکام کی تنفیذ کا ماحول اسی وقت سازگار ہوگا جب لوگ اللہ اس کے رسول اور صاحبان امر کی سرپرستی اور حاکمیت کے سچے پیروکار بن جائیں۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ کیلئے لفظ اطاعت جدا، رسول اور اولی الامر کیلئے لفظ اطاعت جدا آیا ہے، جداگانہ آنے کا سبب واضح ہے کہ خداوند متعال اور رسول و ائمہ کی نوع اطاعت میں فرق ہے۔ اس آیت کے متعلق حضرت امام خمینیؒ، کا نظریہ ملاحظہ فرمائیں:

قرآن نے ایک مطلب کو بیان کیا ہے، پیغمبر اسلام بھی احکام خدا کی حیثیت سے اس کی وضاحت کرتے ہیں اسی طرح دوسرا حکم جس میں پیغمبر حاکم ہونے کی حیثیت سے حکومت کے قانونی امور بھی بیان کر سکتے ہیں، مثال کے طور پر وہ کہہ سکتے ہیں کہ لشکر اسلام فلاں مقام پر جا کر جنگ کرے۔

واضح ہے کہ قرآن میں حکم آیا ہے، پیغمبر یا امام حاکم ہونے کی حیثیت سے اس حکم (مصادیق) کو بیان کریں گے۔ ایسے حکم کو حکومتی (یا سیاسی) قانون کہتے ہیں(۱)

دینی کاموں میں ایسے امور اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو عطا کئے ہیں، ذیل آیت میں امام فرماتے ہیں:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُولَ وَ اُولِى الاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

فَقَالَ : نَزَلَتْ فِىْ عَلِى بْنِ اَبِىْ طَالِبْ وَ الحَسَنْ وَ الحُسَيْن (ع): فَقُلْتُ لَه اَنّ النّاسَ يَقُوْلُوْنَ: فَمَا لَه لَمْ يَسُمّ عَلِيًا وَ اَهلِ بَيْتِه (ع) فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزّ وَ جَلّ ؟ فَقَالَ: قُوْلُوا لَهُمْ: اِنّ رَسُولَ اللّٰه (ص) نَزَلَتْ عَلَيْهِ الصَّلاةَ وَلَمْ يَسُمّ اللّٰه لَهُمْ ثَلاثًا وَ لا اَرْبَعًا حَتّى كَانَ رَسُوْلُ اللّٰه هُوَ الذِىْ فَسّرَ ذَالِکَ لَهُمْ ،وَنَزَلَتْ عَلَيْهِ الزَكَاةِ وَلَمْ يَسُمّ لَهُمْ مِنْ كُلّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمْ حَتىّ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰه هو الذِىْ فَسّرَ ذَالِکَ لَهُمْ ،وَ نَزَلَ الْحُجَ فَلَمْ يَقُلْ لَهُمْ طُوْفُوْا اُسْبُوْعًا حَتّى كَانَ رَسُوْلُ اللّٰه فَسّرَ ذَالِکَ لَهُمْ ، وَ نَزَلَتْ:

﴿ اَ طِيْعُوْا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِى الاَمْرِ مِنْكُم﴾

وَنَزَلَتْ فِى عَلِىْ وَالحَسَنْ وَالحُسَيْنِ(۲)

مذکورہ آیت امام علی امام حسن وامام حسین علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ سوال کرنے والے نے پوچھا قرآن میں علی بن ابیطالب کا نام ذکرنہیں ہوا ہے؟ فرمایا: ان سے کہو! رسول اللہ کو نماز کا حکم ہوا لیکن اللہ نے نہیں بتایا کہ ۳ ررکعت یا ۴ ررکعت پڑھو، غرض اللہ کے رسول نے اس کی وضاحت فرمائی، اسطرح زکات کا حکم نازل ہوا وضاحت نہیں کی ہر چالیس درہم سے ایک.. حج کا حکم آیا نہیں بتایا کہ سات طواف کرو۔ یہاں

۱۔ امام خمینی، تہذیب الاصول ج ۳ رص ۱۱۷۔

تک کہ اللہ کے رسول نے اس کی تفسیر بتائی اور آیت نازل ہوئی:

اَطِیعُوا اللّٰہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ وَ اُولِی الاَمرِ مِنکُم.

حضرت ابراہیم نے اپنی ذریت میں امامت کی دعا فرمائی، اللہ سبحانہ تعالی نے فرمایا: ظالم کو عہدہ امامت نہیں ملے گا لیکن وہی مقام اللہ نے رسول کی ذریت کو عطا کیا جو علم وایمان میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ یہ امامت خلافت الٰہی، خلافت رسول، مقام امیر المومنین اور حسن و حسین علیہم السلام کی میراث ہے۔ اسی امامت سے اسلام کی جڑیں مضبوط اور اس کی شاخیں بڑھتی ہیں۔ امام سے نماز، زکات، روزہ، حج، جہاد کامل، مال غنیمت اور صدقات کے احکام وحدود کا اجرا ہوتا ہے اور مناطق کے حدود، اس کے اطراف کی حفاظت ہوتی ہے۔ امام ہی اللہ کے حلال کو حلال، حرام کو حرام، اس کے حدود کو معین کرتا اور دین خدا سے دفاع کرتا ہے۔

امامت کے سلسلہ میں اہل سنت کا اشتباہ

شیعہ نظریہ کے مطابق علم کلام میں امامت اصول کا ہی ایک جزء مانا گیا ہے لیکن سنی مکتب میں امامت فروع کا ایک حصہ ہے کیونکہ امامیہ امامت کو علم کلام سے اور سنی علم فقہ میں بحث کرتے ہیں۔

اس فرق کا راز یہ ہے شیعہ کا اعتقاد ہے کہ امامت نبوت کی ہی جانشینی ہے۔ اور نبوت مخلوق کا کام نہیں ہے بلکہ خالق کا کام ہے۔ اگر کوئی چیز خدا سے مربوط ہو تو وہ بحث اعتقادی اور کلامی ہوتی ہے۔ یعنی ،، یجب عن اللّٰہ،، نہ ،،علی اللّٰہ،، اللہ پر لازم ہے کہ نبی بھیجے اور اسی طرح اللہ کے ذمہ ہے کہ نبی کے لئے جانشین معین کرے۔ لہذا چاہئے کہ قانون صرف خدا کی طرف سے ہو۔ اس وجہ سے مسئلہ امامت میں کلام خدا کے ذمہ ہوتا ہے نہ کہ لوگوں کے ذمہ اور وہ علم جو خدا کے کاموں کے بارے میں بحث کرتا ہے، علم کلام ہے۔ لیکن جو لوگوں کی رائے سے امام بناتے ہیں اور سقیفہ تک امام کو پہنچا دیتے ہیں، امام کو انتخاب سے بناتے ہیں جبکہ امام انتصاب سے یعنی خدا کے ذریعہ بنتا ہے۔ انھوں نے مسئلہ امامت کو خدا سے لیکر لوگوں کے ذمہ سونپ دیا اور جو علم مخلوق کے بارے میں بحث کرتا ہے، وہ علم فقہ ہے۔ (۱)

۱۔ استفادہ: از بیان آیۃ اللہ جوادی آملی، مسجد اعظم، قم۔

زبردست منصوبہ

صدر اسلام سے ہی بنی امیہ نے شدت پسندی اور دہشت گردی کی تحریک چلائی، جو عرب کی رائج سرداری، استکباری طریقہ پر مبنی تھی اور جیسے جیسے فاصلہ بڑھتا گیا اس سازش و منصوبہ بندی میں اضافہ ہوتا گیا۔ دوسری جانب مرسل اعظم ﷺ کی راہ کو آگے بڑھانے کے لئے اہلبیت عصمت وطہارت علیہم السلام نے جو ایثار، فداکاری، قربانی اور جانفشانی کا ثبوت دیا ہے اس کا ادراک عام انسان کے لئے مشکل ہے۔ آج ہدایت، تربیت اور معنویت کا ماحول اور انسانیت میں جو حقانیت کا شعور بیدار ہوا ہے وہ سب کرشمہ اہلبیت ہی کا مرہون منت ہے۔ اہلبیت رسول نہ ہوتے تو اسلام کی جو حیثیت شکل وصورت باقی ہے نہ رہ پاتی کیونکہ بنی امیہ کے اصل قیام کا مقصد یہی تھا کہ انبیاء و ائمہ اور اولیاء خدا کی ولایت و امامت کو کسی بھی صورت سے ختم کر دیا جائے، یا کم از کم بدل دیا جائے۔ امید ہیکہ آئندہ اہل علم و تلاش اور صاحبان تحقیق مزید حقائق کا انکشاف کریں گے۔

رسول کے بعد کی سیاسی سرگرمیاں

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں جس دن سے اسلامی حکومت تشکیل دی، دشمن اسی دن سے حریصانہ منصوبہ بنانے لگا تھا۔ چنانچہ کچھ سیاسی افراد جن کے دل ایمان وایقان سے خالی تھے، اسلام قبول کر کے مسلمان کی سند کا اعزاز حاصل کیا اور اپنے ناپاک عزائم میں مصروف ہو گئے، نتیجہ میں دہشت اور قتل وسازش کا بازار گرم ہو گیا تھا

(۱) اقتدار اور حکومت کا زمانہ

رسول اللہ (ﷺ) کی رحلت کے ۲۵ رسال بعد امام علیؑ کا پنج سالہ دور حکومت، دراصل رسول اسلام کی حکومت کا وہی سلسلہ تھا جس کی پیروی کرنے کی ضرورت تھی۔ اگرچہ امام نے رسول کی مانند ساری توجہ اسلام کے استقرار واستحکام میں صرف کی اور معاشرہ میں الٰہی افکار ومعارف کے نفوذ کی خاطر سکوت میں گذارا، پچیس سالہ خاموشی کی زندگی میں بھی اپنے حریفوں، غاصبوں اور منافقوں کی مدد کرنے سے دریغ نہیں کیا، اس سے لوگوں پر خود بخود حقایق روشن ہوتے گئے اور اتنے عرصہ میں لوگ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ سوائے علی ابن ابیطالبؑ کے دوسرا حق وعدالت کی قیادت نہیں سنبھال سکتا ہے ورنہ آج ہی کیونکر سارے مسلمان متفق ہو گئے تھے؟

اس سے پہلے کی خلافت کیلئے شش نفرہ کمیٹی پر بھی اتفاق نہیں ہوسکا تھا۔ اس وقت کی خلافت کے انتخاب کا بھی یہی حال تھا جو آج کل غربی ڈموکراسی نظام کا ہے بلکہ یہ نظام قدرے بہتر ہے کہ اس میں ایک طریقہ کار پر اکثریت کی مشارکت تو ہوتی ہے جو بعد رسول اوائل کی تین خلافت میں نہیں تھا۔ انصار الگ خلافت کے دعویدار تھے، مہاجرین کا جداگانہ نظریہ تھا پھر جھٹ پٹ حضرت عمر کا حضرت ابوبکر کی تقریر بیعت کر لینا اور اس

کے بعد انصار کو وزارت کی ہری جھنڈی دکھا دینا۔ ان سب کے مقابلہ میں امیر المومنین امام علی کا اسطرح انتخاب ہوا کہ جس کی تاریخ عالم میں آج تک کوئی مثال نہیں مل سکی۔ بزرگان قبائل، رجال وقت، اہل علم اور کثیر تعداد میں مسلمان امیر المومنین علی ابن ابیطالب کے پاس آئے اور خلافت کی درخواست کی، شروع میں آپ نے خلافت قبول کرنے سے انکار کیا، جم غفیر میں لوگ پسے جا رہے تھے لہذا حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام مسجد تشریف لائے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور رسول پر درود اور سلام کے بعد فرمایا:

''اَنْ اَکُوْنَ وَزِیْراً خَیْرٌ مِنْ اَنْ اَکُوْنَ اَمِیْراً''

''میرے لئے تم لوگوں پر امیر ہونے سے بہتر یہی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا وزیر رہوں'' (۱)

یہ ایک طرح کا انکار تھا یا جواب کہ جسطرح مجھ کو گذشتہ خلافت میں چھوڑ دیا تھا، آج بھی میرے حال پر چھوڑ دو، مجمع کے جم غفیر نے اصرار کیا، رسول اسلام ﷺ کا واسطہ دلایا۔ امام کے دروازے پر مسلمانوں کی اتنی کثرت تھی کہ امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: فرزند رسول اللہ (امام حسن اور امام حسین علیہما السلام) مجمع میں کچلے جا رہے تھے۔

جناب امیر علیہ السلام کا خلافت سے انکار کی وجہ

۱. چونکہ امام علی کو نہایت بحرانی حالات میں خلافت دی جا رہی تھی، رسول اللہ ﷺ کے بعد مناسب ایام گزر چکے تھے، سنت رسول کی جگہ دشوار ترین حالات اموال کی جمع آوری، ہوا و ہوس، مقام و منصب، بدعت اور طبقاتی امتیازات کا دور تھا۔ غرض جو تھا اپنے خاص مقاصد کی تکمیل وتحریص میں لگا تھا۔

۲. لوگوں کے اصرار پر امام کا خلافت قبول نہ کرنا تا کہ اس بات کو لوگ محسوس کرلیں کہ اس امر خلافت میں امام کے ساتھ قیام کرنا چاہئے تھا، جس میں لوگوں نے کوتاہی کی تھی۔

۳. صرف لوگوں کی رغبت سے خلافت قبول کرتے تو گذشتہ تمام ذمہ داریوں، بداعمالیوں اور مشکلوں کا امام کو سامنا کرنا ہوگا اور ہوا بھی یہی کہ سفیانی عناصر خون خواہی عثمان کا حیلہ بنا کر امام کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا

۴. خلافت قبول کرنے میں تاخیر کی تا کہ لوگوں کو زیادہ غور وفکر کا موقع مل سکے، احساسات سے کام نہ لیا

جائے، موقعیت کو دیکھتے ہوئے بیعت کریں اور جو قدم اٹھائیں، وہ ٹھوس ہو اور اس پر ثابت قدم رہیں۔

۵۔ جناب امیرؑ کی سیاست کا بنیادی اصول تھا، ''فن حکمرانی مگر پابندی احکام کے ساتھ''، چنانچہ دیکھا گیا، پر آشوب دور میں بھی اپنے اصولوں سے سودا بازی نہیں کی ہے، کسی سیاستدان کا اپنے اختیار کردہ موقف پر قائم و دائم رہنا سب سے بڑی خوبی ہوتی ہے۔ امام نے ایسی مثال قائم کی کہ سر مو بھی اصول سے کبھی تجاوز نہیں کیا (۱)

بے مثال ڈموکراسی کا نمونہ

ایسی بہترین ڈموکراسی یا جمہوریت کی مثال دنیا والوں کے پاس یا تاریخ عالم میں نہیں دیکھی گئی ہے۔ راقم التحریر نے تاریخ میں جب اس بات پر دقت کی تو بیحد حیرت ہوئی کہ ابھی چند سال قبل امام علیؑ کے خلاف کوئی نوع مخالفت باقی نہیں بچی تھی جو امام پر روا نہ رکھی گئی ہو ہر ممکن کوشش تھی کہ آپ کا نام لینے والا روئے زمین پر کوئی باقی نہ رہ پائے۔ امام کے اکثر حامیوں کو موت کی گہری نیند سلا دیا گیا تھا، اسلامی ملکوں میں منابر سے امام کو ناسزا کلمات کہے جانے کا رواج بنایا گیا۔ ایسے گھٹن کے ماحول میں جبکہ کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ آزادی سے امام علیؑ کا نام لے، عجیب وغریب ذرائع ابلاغ اور میڈیا استعمال کیا گیا تھا، نہایت منافقانہ طریقہ کار سے معاویہ بن ابوسفیان تخت خلافت پر قابض ہوا۔ بنی امیہ کی تحریک کو قوت دی، جنکا سیاسی موقف تھا کہ حقیقی ولایت کی اہمیت مفہوم اور مصادیق کو ختم کر دیا جائے۔ ابن ابی الحدید نے ابوجعفر نقیب کا قول نقل کیا ہے، کہ قریش کو امام سے سخت عداوت تھی، جس پر ابن ابی الحدید اظہار حیرت کرتا ہے: ''کیونکر بعد از وفات رسول امام علی کو فوراً قتل نہیں کیا گیا''

کہتا ہے کہ میں نے ابونقیب سے پوچھا: مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ بعد وفات رسول امام علی اتنی طولانی مدت تک قریش کے کینہ کے باوجود زندہ کیونکر رہے؟

معاویہ بن ابی سفیان نے اصحاب وتابعین کا ایک بڑا گروہ تیار کیا تا کہ غلط اور قبیح روایتیں امام علی کے متعلق گڑھی جائیں جس سے امام کے بارے میں نازیبا کلمات کہے جائیں تا کہ لوگ ان سے اظہار تنفر و بیزاری کریں اس مقصد کے لئے دنیا پرست لوگوں کو رغبت دلانے کیلئے بہت زیادہ رقم صرف کی۔ جن میں ابوہریرہ، عمرو عاص

۱۔ عبدالکریم مشتاق: یار رسول اور غار ثور ص ر ۴۰۔

اور مغیرہ بن شعبہ، تابعین سے عروۃ بن زبیر وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے(۱)

امام علی علیہ السلام کی جب شہادت ہوگئی دور دراز تک یہ خبر پھیلی کہ حضرت کو مسجد کوفہ میں حالت نماز میں شہید کردیا گیا تو لوگوں نے تعجب سے پوچھا کیا حضرت علی ابن ابیطالب بھی نماز پڑھتے تھے؟

بنی امیہ نے ایسی سیاسی فضا ایجاد کردی تھی۔ لیکن پچیس سال کا عرصہ نہیں گذرا تھا کہ ایسی موقعیت پلٹ آئی کہ ساری امت خانہ امام علی پر جمع ہوگئی۔ جم غفیر کا آنا بتاتا ہے کہ کچھ حقایق آشکار ہو چکے تھے، جس سے یہ جرأت پیدا ہوئی گئی تھی۔ لیکن افسوس سارے مخالف اور جاہ طلب کا اجماع اس بات پر تھا کہ کسی طرح یہ آئین پنپ نہ سکے، ہر ممکن لوگوں کو مادیت تک محدود رکھا اور لوگ بھی رسول اور قرآن کی مانند ولایت کو درست نہ سمجھ سکے۔

اگرچہ آج دانشور حضرات، حریت پسند، اہل علم تعصّبات کے جاہلانہ بندھن سے نکلنے کی کوشش میں ہیں۔ امامت رسالت اور ولایت کے حقیقی مصادیق کی تلاش وجستجو میں پیش رو ہیں، صاحبان ولایت کے مخالفوں کی سازشوں، انکی سیاست کے مقابلہ میں ائمہ کے کردار کی شفافیت کا ادراک اور سچائی کا انکشاف بھی بڑھتا جارہا ہے۔

چنانچہ منجملہ ایک اور ثبوت کہ اقوام متحدہ سے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ:

امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے ایک حاکم کی حیثیت سے اپنے مصری گورنر، مالک اشتر کو جو عہد نامہ لکھا تھا، وہ حقوق بشر پر مشتمل اتنا جامع مکتوب، بے مثال اور کامل ترین منشور ثابت ہوا ہے کہ اقوام متحدہ کے متعلقہ شعبہ میں سب سے کامل واکمل حاکم کی حیثیت سے (امام علی علیہ السلام کے خط کو جو مالک اشتر کو لکھا) ثبت کردیا گیا ہے(۲)

یہ امام کی ایک وصیت جو مصر کے گورنر کو لکھی تھی، جسکا اعتراف کرلیا گیا، ورنہ امام کے تمام ارشادات الٰہی افکار پر مبنی حکومت وسیاست کے ایسے منشور ہیں جس کو مکمل سمجھنے میں ابھی بھی نہ معلوم کتنا وقت درکار ہے۔

(۲) صلح وآشتی کا عہد

امام علی علیہ السلام کی پچیس سالہ خاموشی اور قرآن کی جمع آوری کے بعد پوری امت نے امام کو بیعت کیلئے مجبور کیا

۱۔ مرتضی عسکری، نقش ائمہ دراحیای دین، ج۶ ص ۴۱/۴۲ (۲) ابن ابی الحدید شرح ۸۸/۱۲۔

۲ فصل... [illegible]

اور آپ کی پنج سالہ الٰہی حکومت کے بعد امام حسنؑ کی چھ مہینہ کی حکومت، جس کے آغاز میں معاویہ کے ساتھ مصلحت عامہ کی بناء پر اجباری صلح کرنی پڑی۔ جس میں امام نے نانا کی صلح حدیبیہ کی مانند عہد و پیمان پر دستخط کیا۔

صلح کی کچھ شرطیں (۱) صلح کی شرط پر پابندی: صلح کے متعلق کبھی نہیں سنا گیا کہ امام حسنؑ نے عہد شکنی کی بات کی ہو، جبکہ معاویہ نے عہد و پیمان کی رعایت نہیں کی۔ امام حسن اور اہلبیت رسولؐ کے چاہنے والوں کا قتل عام اور ان کے ساتھ بدترین سلوک روا رکھا اور صلح نامہ کے شرائط پر پابند نہ رہ سکا۔ شیعہ سردار اور با اثر قبائل امامؑ کے پاس مدینہ آئے اور امام کی حمایت و ہمراہی میں معاویہ کیساتھ اعلان جنگ کیا، جسمیں بعض اسماء یہ ہیں:

حجر بن عدی کندی، مسیّب بن نجیہ اور خود سلیمان بن صرد وغیرہ۔ سلیمان بن صرد نے امام کی خدمت میں معاویہ سے جنگ لڑنے اور مکمل حمایت کا اعلان کیا، اور بتایا کہ میں نے معاویہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ "میں نے لوگوں سے جو وعدہ کیا ہے.. جن شرائط کو قبول کیا ہے.. ان سب کو اپنے پیروں تلے کچلتا ہوں" (۱)

"ابوالفرج اصفہانی کے بقول: "معاویہ جب یزید کیلئے بیعت لے رہا تھا تو اس کیلئے "امام حسنؑ" اور سعد بن ابی وقاص کی بیعت سے زیادہ گراں کچھ نہ تھا، لہٰذا پوشیدہ طور پر ان دونوں کو زہر دلوا دیا" (۲)

واضح ہو گیا تھا کہ معاویہ کو اسلام اور مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہ تھی بلکہ انسانی اصول پر کئے گئے عہد و پیمان کی مراعات بھی نہیں کی۔ نتیجہ میں معاویہ نے اپنے مفاد کو خطرہ جان کر امام حسنؑ کو زہر سے شہید کروا دیا گیا۔

انحراف کا زمینہ

یہاں پر ہم جائزہ لیں گے کہ کسطرح لوگوں میں انحراف اور بدعملی پھیلائی گئی:

(۱) تہذیب و ثقافت کے ذریعہ: کسی بھی تہذیب و ثقافت کی ترویج کا کام آسان نہیں ہوتا ہے کہ چند دہائی میں گوشہ و کنار عالم میں نفوذ کر جائے، ابھی تک اسلامی تہذیب مدینۃ الرسول میں لوگوں کے ذہنوں میں نفوذ نہیں کر سکی تھی کہ لوگ پائداری سے پیروی کرتے، وہ بھی معاویہ و ابوسفیان کی زہریلی تبلیغات کے ہوتے ہوئے۔

۱۔ شیخ راضی آل یاسین: صلح امام حسنؑ، ص ۳۵۲/۳۵۳۔

۲۔ شیخ راضی آل یاسین: صلح امام حسنؑ: ترجمہ، آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای، ص/۳۵۶۔

(۲) قبیلہ وارزندگی کارواج: اسوقت لوگ مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے، ہر قبیلہ کا ایک سردار ہوتا اور جو وہ فیصلہ کرتا سارے افراد قبیلہ پیروی کرتے تھے۔ عہد رسول اکرم کے بعد معاویہ نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا اور آسانی سے قبیلوں کو اسلام اس کی حقانیت سے منحرف کیا۔

(۳) ضعیف الایمان: اسلامی قلمرو خاص طور سے شام میں دینی تربیت کا اثر نہ تھا۔ مدینہ کے لوگ جو براہ راست رسول اللہ سے ہدایت وتربیت پارہے تھے، انھوں نے بھی واقعہ غدیر بھلا دیا تھا اور شام سے تو معاویہ نے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ انحراف وگمراہی کو بڑھاوادینے کی خاطر بیت المال کا دروازہ کھول دیا تھا۔

(۳) سکوت کا پر درد زمانہ

معاویہ کی دس سالہ حکومت کے دوران امام حسن اور امام حسینؑ کی خاموشی کا زمانہ گذرا۔ اس کا سبب اسلام کی اخلاقی اور قانونی حیثیت سے گذشتہ عہد و پیمان پر باقی رہ کر اسلام اور مسلمانوں کو تفرقہ اور خونریزی سے تحفظ دینا تھا۔ یہ زمانہ حکومت معاویہ کی طرف سے اہلبیت رسول اللہؐ اوران کے چاہنے والوں پر گھٹن، خوف ودہشت کا دور تھا۔ کسی میں جرات نہ تھی، مدینہ منورہ جا کر رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں سے ملاقات کر سکے اور اپنے دینی یا دنیاوی امور میں امام سے ہدایت ورہنمائی حاصل کر سکے۔

ایک طرف اپنے منصوبہ کے تحت جو ابوسفیان سے ہی ان کی اسلام دشمنی تحریک کا سلسلہ چلا آرہا تھا، وہ در اصل ولایت کی بیخ کنی کرنی تھی، دوسری جانب بتدریج فروعات دین کی اہمیت کم کرنے کیلئے کبھی دو رکعت کے بجائے چار رکعت نماز پڑھائی، کبھی جمعہ کی نماز بدھ کے دن پڑھائی، کبھی شراب پی کر مستی کی حالت میں نماز پڑھائی۔ بدعت وخرافات اور بیت المال کا ناجائز استعمال کیا گیا، بنی امیہ کی بازی گری کا تماشا ایسے مسلمان دیکھ رہے تھے، جو ابھی تازہ اسلام لائے تھے اور اسلامی مسند خلافت پر بیٹھے ہوئے ایسے شخص کو دیکھ رہے تھے جو اپنے کو خلیفۃ المسلمین کا دعوی بھی کر رہے تھے۔

اب اگر اہل بیت کی الٰہی سیاست نہ ہوتی تو قریب تھا کہ دشمن اسلام کی جامعیت، معنویت اور ولایت ختم کر کے شریعت محمدی ﷺ کو مٹانے میں کامیاب ہو جاتے لہذا امام حسن کی صلح کا اتنا فائدہ ہوا جتنا سورج کے

چمکنے سے زمین اوراس پر بسنے والوں کو ہوتا ہے۔

(۴) جنگ اور قیام کا دور

شرائط صلح میں دوسری شرط اکثر مؤرخوں کے بقول یہ تھی کہ معاویہ کو اپنی جانشینی کیلئے کسی کو معین کرنے کا حق نہیں ہے۔جس کا مطلب یہ نکلا کہ اب امام حسنؑ یا آپ کے بعد امام حسینؑ جو ہر اعتبار سے خلافت کے حقدار ہیں، ان تک خلافت پہنچ جائے گی، جب مختلف شہروں سے لوگ شام میں جمع ہو گئے، معاویہ نے خطبہ پڑھا، احنف بن قیس مجمع میں تھے، اس کے بارے میں ضحاک بن قیس فہری کو بلا کر معاویہ نے کچھ سمجھایا۔

معاویہ کی چالبازی

جب میں منبر پر جاؤں اور کچھ بیان کروں تم اجازت لیکر اٹھو، اجازت دوں تو خدائے تعالی کا شکرادا کرواور یزید کا نام لواور جسقدر ممکن ہو تعریف کرو نیز مجھ سے درخواست کرو کہ میں اس کو اپنا ولیعہد بنادوں۔اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عثمان ثقفی، عبیداللہ بن مسعدہ ی فزاری، ثور بن معن سلمی، عبداللہ بن عصام اشعری کو طلب کیا اور حکم دیا کہ جیسے ضحاک بات پوری کرے یہ سب اٹھیں اوراس کی تصدیق کریں۔یہ جماعت اٹھی اور یزید کی تعریف کرنے لگی ۔احنف بن قیس کھڑے ہوئے اور معاویہ کی خواست کے برخلاف لوگوں کو حقائق کی طرف متوجہ کیا۔یہ بھی بتایا کہ معاویہ نے امام حسنؑ کو زہر سے شہید کروادیا، تاکہ یزید کی خلافت کا زمینہ فراہم ہو سکے (۱)

چنانچہ جب یزید بن معاویہ نے کھلم کھلا اسلامی اصول کی بیخ کنی کرنی شروع کر دی، حلال محمدی کو حرام اور حرام محمدی کو حلال کرنا شروع کر دیا تو نواسہ رسول امام حسینؑ نے اسلام کو تحفظ دینے کا مصمم ارادہ کرلیا۔

جب معاویہ کی اتخاذ کردہ سیاست کے تحت اسلام کے اصول میں تحریف شروع ہوگئی۔احکام قرآن کی ہتک حرمت ہونے لگی۔جبکہ صلح کی شرطوں میں یہ شرط تھی کہ معاویہ کو اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنانے کا حق نہیں ہوگا پھر بھی معاویہ نے اپنے مرنے سے پہلے تلوار کے بل بوتے پر یزید کو نامزد خلیفہ بنادیا۔بزرگ شخصیتوں نے

شیخ راضی آل یاسین: صلح امام حسنؑ، ص ۳۵۶/۳۵۹۔

اختلاف واحتجاج کیا لیکن طاقت وتلوار کے زیر سایہ اسکا بیٹا یزید مسند خلافت پر قابض ہوا، اب یزید بن معاویہ نے کھلم کھلا اسلام اور انسانی عہد و پیمان کی خلاف ورزی شروع کر دی، ظلم و بربریت اور بے عدالتی عام ہو جانے، اسلامی اقتدار خطرہ میں پڑ جانے اور یزید کا امام حسین علیہ السلام سے بیعت کا مطالبہ کرنے پر امام علیہ السلام نے کربلا جیسا زبردست دفاعی مورچہ بنانے کا عزم مصمم کر لیا۔

ادھر یزید بن معاویہ نے اپنے آباواجداد کی پیروی کی اور کوفہ، بصرہ، شام کے تمام شاہراہوں کی ناقہ بندی کر کے سارے شہروں میں سیکورٹی سخت کر دی گئی تھی، اندرون شہر کسی نے آواز اٹھائی تو فوراً قتل کر کے اس کے خاندان کو تباہ و برباد کر دیا جاتا، ساتھ ہی ظلم و جور کے حامی اہل حرص و ہوس کو بیت المال سے مالا مال کر دیا جاتا۔

آخر میں امام اور ان کے اہل حرم جن میں بوڑھے، بچے اور خواتین بھی تھیں، کربلا میں جہاں ہر طرح کی بے سروسامانی تھی، ہر طرف صحرا و بیابان تھا، لشکر کشی کر دی، امام کی مدد کرنے والوں کی راہوں کو مسدود کر دیا گیا، دو محرم کو چاروں طرف سے امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو محاصرہ میں لے لیا گیا، ساتویں محرم تک ممکنہ آب و آذوقہ ختم ہو جانا یقینی ہو گیا، تو کئی دنوں بھوک و پیاس اور وحشت میں رکھا پھر دسویں محرم روز عاشورا حملہ کر دیا، جنگ ہوئی۔ جس میں مردوں کو شہید اور خواتین و بچوں کو اسیر بنا کر کوفہ و شام تشہیر کرایا اور پروپگنڈہ کیا کہ اس جماعت نے خلافت مسلمین پر خروج کیا تھا۔

حق اور باطل کا فیصلہ

اس معرکہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کو فتح ہوئی، یہ ایسی فتح ہے جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں کیونکہ یہاں شخص یا شخصیت کی جنگ کا مسئلہ نہیں بلکہ دو مکتب حق اور باطل کا مسئلہ تھا۔ ایک جانب اسلامی اقتدار و ہویت اور حق کے اصول کا مسئلہ تھا۔ دوسری جانب باطل جس کی نمائندگی روز اول سے ابوجہل، ابولہب، ابوسفیان، معاویہ اور یزید وغیرہ کر رہے تھے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی ولایت کے دشمن تھے اور اپنے غلبہ کی کوشش میں مشغول تھے لیکن امام حسین علیہ السلام نے شہادت وایثار جیسی قربانی دیکر باطل سیاست اور اس کے غلط مقاصد کو شکست دی لہذا نواسہ رسول نے تا ابد اسلامی اقتدار اور اصول کے ساتھ اپنے نانا رسول اللہ کی مثالی شخصیت کو تحفظ دیا۔ حکومت یزید کے عہد میں

مسجد دمشق میں امام زین العابدینؑ کا خطبہ ملاحظہ فرمائیں:

یزید امام کو اجازت نہیں دے رہا تھا لیکن جب لوگوں کے اصرار سے امام منبر پر آئے اور فرمایا:

...جو مجھے پہچانتا ہے پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا ہے اس کیلئے بیان کرتا ہوں۔

اے لوگو! میں مکہ و منیٰ کا فرزند ہوں، میں زمزم و صفا کا فرزند ہوں،...میں بنت رسول اللہ فاطمہ زہراؑ کا فرزند ہوں...امام کے بیان سے لوگوں میں شعور کی کرن پھوٹتی گئی اور شور گریہ بلند ہوتے ہی مؤذن سے اذان کے لئے کہا گیا، اذان شروع ہوئی امام خاموش ہوگئے لیکن جب مؤذن نے اشہدان محمد رسول اللہ کہا تو امام نے فرمایا:

اے لوگو! بتاؤ کہ یہ رسول اللہ میرے جد ہیں یا یزید کے؟

اگر یزید کہے میرے جد ہیں تو جھوٹا ہے اور کفر کیا اور اگر کہے کہ میرے جد ہیں تو پھر ان کی عترت کو کیوں قتل کیا ہے؟(۱)

اس طرح یزید نے شکست کا اعتراف کیا اور یہی وہ مقام تھا جب کہا کہ مجھے نہیں معلوم تھا!

کچھ نافہم یزید ملعون کی حمایت میں اس بات کو درست باور کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہ شام میں تھا اس کو کیا خبر، کربلا میں کون سا حادثہ پیش آیا؟ یہ تو ان لوگوں نے ایسا کیا جو وہاں موجود تھے۔ بقول شخصے یہ لوگ کتوں کی بھی عقل نہیں رکھتے ہیں! کیونکہ کتے پر جب کوئی پتھر مارتا ہے تو وہ پتھر پر حملہ نہیں کرتا ہے بلکہ وہ پتھر مارنے والے پر حملہ کرتا ہے، ایسا کہنے والوں کی عقل میں نہیں آیا کہ اصل دشمن کون تھا؟ اصل منصوبہ بنانے والا یزید بن معاویہ اور اس کے آباواجداد تھے اور قتل و قید کرنے والے اس کے آلہ کار تھے۔

(۵) علوم و معارف کا زمانہ

واقعہ کربلا کے بعد امام سجادؑ کیلئے کھل کر قیام کرنے کے حالات نہ تھے کیونکہ کربلا میں نواسہ رسول ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرنے کے بعد ظالم حکمراں کچھ زیادہ ہی بے باک ہو کر اسلامی میراث کو نابود کررہے تھے کیا

کیا ظلم وستم روا رکھا گیا، جسارت اتنی بڑھی کہ خانہ کعبہ پر حملہ ہوا، غلاف کعبہ جلایا گیا، خانۂ خدا پر آگ کے گولے پھینکے گئے، خانہ خدا میں گھوڑے باندھے گئے، مدینہ رسول جیسا مقدس شہر کئی دنوں تک شراب وزنا کیلئے آزاد کردیا گیا تھا، جس کے نتیجہ میں ہزاروں ناجائز بچے پیدا ہوئے۔

یزید معاویہ ہی کا بیٹا تھا، معاویہ بن ابی سفیان کو خلفاء ثلاثہ نے اپنے دور خلافت سے ہی چھوٹ دے رکھی تھی جو پیغمبر اکرم ﷺ کے علاوہ امام علیؑ کی حکومت کا سب سے بڑا حریف اور امام حسنؑ کا جانی دشمن تھا۔ معاویہ کو ،،وحیاۃ العرب،، عرب کا سب سے بڑا دھوکہ باز کہا گیا۔

حکومت واقتدار کیلئے ایسی مکروفریب کی چال چلی ہے جو رہتی دنیا تک ذلت کا سبب اور اسلام کی حقانیت کے لئے روڑھا بن گیا۔ یوں ہی غربی سیاستدان نہیں کہتے اور پیرس کے ایک اہم پارک میں معاویہ کا مجسمہ نصب ہوا تھا کیونکہ بقول ان اہل غرب کے اگر معاویہ نہ ہوتا پھر تو اسلام نے پیرس کو مسخر کرلیا ہوتا۔ آٹھویں ہجری میں فتح مکہ پر حضرت رسول اعظم ﷺ نے ایسے لوگ جو آپ سے جنگ کیلئے آئے تھے، آزاد کردیا تھا منجملہ ابوسفیان بھی تھا۔ جسکی وجہ سے اس خاندان کو (ابناء الطلقاء) کہا گیا۔ امام علیؑ نے بھی اس سلسلہ میں فرمایا ہے:

وما للطُّلَقاءِ وَ ابناءِ الطُّلَقاء وَالتَّميزِ بينَ المُهاجرينَ الاوّلينَ و ترتيبَ دَرَجاتِهِم وَ تعريفَ طَبَقاتِهِم،،(۱)

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپ کی ذریت میں امام زین العابدین۔ تھے، جن کا موقف یہ دیکھا گیا کہ آپ نے لوگوں کو ادعیہ، اذکار، استغاثہ، ذکر کربلا، اپنے بابا کی یاد، بھائی، بھتیجوں کی مصیبت کا بیان کیا کرتے تھے۔ آپ نے دعاؤں کے ذریعہ معارف اسلامی کی حفاظت اور فروغ علم کے ساتھ سیرت اہلبیت اطہارؑ کی جانب توجہ موڑ دی، یہ ہدایت کا انداز نہایت بے مثال اور جداگانہ دکھائی دیا، جس کی آنے والے زمانہ میں اشد ضرورت بھی تھی، آنے والی امتوں کیلئے ایسے مفاہیم وطریقہ کار کی ضرورت تھی، جن ادعیہ، اذکار، معارف اور مختلف علوم کو امام سجاد، امام باقر اور امام صادقؑ نے لوگوں تک پہچایا اور اتنا استوار کردیا کہ ہر زمانے میں حکومتیں

۱۔ مکتب اسلام، سال ۱۳۴۷ش شمارہ ۸ رص ۲۰ رشمارہ مسلسل ۵۵۸۔

حقیقی اسلام کے افکار ومعارف کو مٹاتی رہیں لیکن سوائے فروغ، پھلنے پھولنے کے کوئی کمی نہیں آئی اور ہمیشہ آپ کی سیرت معارف ومعالم کا شاہراہ بنی رہی۔ آپ ملاحظہ فرمائیں امام کی دعا کا ایک ایک جملہ مستقبل ساز اور انسان ساز ہے۔

ابوحمزہ ثمالی نے امام زین العابدینؑ سے روایت کی ہے جو دعائے حمزہ ثمالی سے مشہور ہے۔ مفاتیح الجنان میں یہ دعا ذکر ہے جو عام طور سے رمضان مبارک میں پڑھی جاتی ہے:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَاخْتِمْ لِى بِخَيْرٍ وَاكْفِنِىْ مَا اَهَمَّنِىْ مِنْ اَمْرِ دُنْيَاىَ وَ آخِرَتِىْ ، وَلَا تُسَلِّطْ عَلَىَّ مَنْ لَا يَرْحَمُنِىْ ، وَاجْعَل عَلَىَّ مِنْكَ وَاقِيَةً بَاقِيَةً ، وَلَا تَسْلُبْنِىْ صَالِحَ مَا اَنْعَمْتَ بِهٖ عَلَىَّ ، وَرْزُقْنِىْ مِنْ فَضْلِكَ ..، اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِىْ بِحَرَاسَتِكَ ،وَاحْفَظْنِىْ بِحِفْظِكَ،وَاَكْلَانِىْ بِكَلَائَتِكَ"

خدایا محمد وآل محمد پر درود وسلام نازل فرما اور میری عاقبت ختم بخیر ہو، میری دنیا وآخرت میں جو امر مہم ہو وہ میرے لئے کفایت فرما، میرے اوپر جو رحم نہ کرے اسے مجھ پر مسلط نہ کرنا، مجھ پر اپنی طرف سے ایسے نگہبان کو جو ہمیشہ نگہبانی کرے قرار دے، مجھ کو جو بہترین نعمتیں عطا فرمائی ہیں واپس نہ لے...خدایا مجھے اپنی حراست میں محفوظ رکھ، اور اپنی حفاظت اور اپنی حمایت کے زیر سایہ محافظت فرما۔

اے کاش!! لوگ سامراج اور اسلام نما اسلامی مملکتوں کے سربراہوں کی منافقانہ سیاست کو سمجھ لیتے جو ہر لحہ حقیقی علوم ومعارف کے سد باب میں مصروف ہیں، لوگ سامراجی سازشوں کو سمجھ لیتے کہ ہر مخلص ومؤمن اور متدین انسان کو نظام سے اپنا حریف سمجھ کر دور پھینک دیتے ہیں، حساس پوسٹوں اور اہم مواقع پر عالم نما، فریب کار، سامراجی سیاست کے نفاذ کرنے والے افراد بٹھادئے گئے ہیں۔ بغیر شک وتردید ہمارے ائمہ اہل بیت کے طریقہ کار کو اپنا کر اس پر عمل کرنے کی آج اہل عالم کو سخت ضرورت ہے۔

حکومت کی تقسیم وتحفظ

قرآن نے اقوام عالم کے استحکام سے متعلق تفصیلی پروگرام دیا ہے، جس پر اللہ کے نمائندوں نے عمل کیا اور ہمیں سکھایا بھی ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ یہاں قوموں کا عروج وزوال محض اتفاقی اور حادثاتی نہیں ہوتا بلکہ ایک محکم قانون کے مطابق ہوتا ہے۔

﴿وَاَمّامَایَنْفَعُ النّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الاَرْضِ کَذَالِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الاَمْثَالَ﴾(۱)

جولوگوں کو نفع دینے والی چیز ہوتی ہے زمین میں ٹھہری رہتی ہے، اللہ تعالیٰ اسیطرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔ یعنی جو جتنا انسانیت کے لئے نفع بخش کام کرے گا اسی مقدار میں اسے دنیا میں بقا اور دوام نصیب ہوتا ہے۔ حالانکہ عالم کون ومکان میں اللہ کے منتخب بندوں کا دخل ہونا اور ان کو حکومت کا حق بھی ہوتا ہے، توجہ فرمائیں:

﴿هُوَ أنشَاکُم مِنَ الاَرضِ وَ أستَعمَرَکُم فِیهَا﴾(۲)

استعمار کے معنی آباد کرنے کے ہیں۔ اللہ نےتمہارے لیۓزمین کو تمام امکان کیساتھ خلق کیا تا کہ تم اپنے اختیارات سے اس کو آباد کرو، حکومت کرو لیکن اجنبی اور استعمار آئے اور کہا زمین تمہاری، آب وہوا تمہارا لیکن ہمارے لئے کام کرو یعنی ہماری نوکری کرو، یہ استعمار کا معنی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحیح وسالم حکومت کے جو شرائط اور امتیاز اللہ نے تمہیں عطا کئے تھے، اس حق کو استعمار نے تم سے سلب کرلیا اور اب اپنا غلام بنالیا ہے، اب تم ان کے محتاج بن گئے۔ اے انسانوں اگر تم نے سعی، جدوجہد کی ہوتی تو استعمار اور سامراج تم پر غالب نہ آپاتے؟

۱۔سورۂ رعد، آیت/۱۷۔

۲۔سورۂ ہود، آیت/۶۱۔

(۱) تکوینی حکومت

عالم طبیعت کی تمام چیزیں ایک دوسری چیز پر حاکم ہوتی ہیں جیسے انسان کا پانی کے بغیر زندہ نہ رہ پانا، یہاں پر امر دو حال سے خالی نہیں ہے، یا کہ خدا براہ راست اس کی پیاس بجھا دے یا پھر پانی پینے سے پیاس بجھائے۔ گویا پانی کو ایک طرح کی حاکمیت حاصل ہے۔ اسیطرح چاند سورج کا نکلنا، ہواؤں کا چلنا، فصلوں کا آنا اور نباتات کا اگنا، حیوان کی نسل کا سلسلہ آگے بڑھا، ہر مخلوق کو ایک نوع ہدایت سے سرفراز فرمایا جیسے انسان کے بچہ کا ایک خاص مدت میں پیدا ہونا اور دنیا میں آتے ہی احساس گرسنگی پر گریہ کرنا، مچھلی یا مرغی کے بچہ کا پیدا ہوتے ہی رزق تلاش کرنا... اللہ نے ان کی فطرت میں ایک خاص ہدایت کو حاکم بنایا ہے، جس سے وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

کچھ لوگ غلط پروپگنڈہ کا شکار ہیں، ائمہ اہل بیت کے ساتھ رسول جیسی عظیم شخصیت کو یہود ونصاریٰ کے اشارہ پر مسخ کرنا چاہتے ہیں حالانکہ عام بات ہے، مرکزی بجلی سے کسی کے گھر میں بجلی ڈائریکٹ سپلائی نہیں ہوتی کیونکہ گھر کے الکٹرونک وسائل اس مرکزی بجلی گھر کی نسبت نہایت کمزور ہوتے ہیں چنانچہ بجلی سپلائی کرنے والے چھوٹے چھوٹے وسائل بناتے ہیں تا کہ اس بجلی کا درست استفادہ ہو سکے اور اللہ "نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالارْضِ" ہے، اس نے اپنے خاص نبیوں کو جن میں حضور گرامی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اور لوگوں کے درمیان رابطہ بنایا تا کہ بشریت خداوند متعال کی ذات صفات سے استفادہ کر سکے۔

(۲) تشریعی حکومت

عالم کون ومکاں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ قوانین بنائے ہیں، کچھ لوگوں کو ان پر اختیار دیا ہے تا کہ مخلوقات پر تصرف کرتے ہوئے، مخلوق خدا کی خدمت کر سکیں، منجملہ نبیوں اور ہادیوں کا مخلوق خدا کی ہدایت اور حکومت کی ذمہ داری سنبھالنا۔ اسی طرح ماں باپ کو بچوں کی پرورش، تربیت اور سرپرستی کا حق ہوتا ہے۔

(۳) اعتباری حکومت

بعض چیزوں کے مفادات اور مضرات کا علم نہ ہونے کے سبب آپس میں ایک قسم کا عہد و پیمان کیا جاتا ہے جو معمولا

ہر جگہ، ہر مذہب اور ہر مکتب فکر میں رائج اور نافذ ہے۔ حکومتوں کا وجود عام طور پر اسی زمرے میں آتا ہے اور حکومت کی بنیادیں ایک دوسرے کے ساتھ اعتماد وارتباط اور عہد و پیمان پر ہی باقی رہتی ہیں۔

اصل کے اعتبار سے امامت کے بارے میں (عبدالعزیز بن مسلم سے جامع مسجد میں) جب لوگوں نے موضوع امامت کے سلسلہ میں اختلاف کیا تو امام نے فرمایا: ''جَهِلَ الْقَوْمُ وَ خَدَعُوْا عَنْ اَدْيَانِهِمْ''

قوم نے جہالت سے کام لیا اور اپنے عقائد میں فریب کھا گئے ہیں، اکمال دین کا امامت جزء ہے، فرماتے ہیں:

امامت ایسا مقام ہے کہ خداوند متعال نے مقام نبوت کے بعد جناب ابراہیم علیہ السلام کو یہ درجہ عطا کیا ہے۔ اسکو ابراہیم کی ذریت میں قرار دیا ہے:

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ﴾(۱)

یہاں تک پیغمبر اسلام کو امامت ارث میں ملی اور ارشاد ہوا:

﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ ءَامَنُوْا وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾(۲)

یہ مقام امامت مخصوص پیغمبر کو ملا، پیغمبر ﷺ سے امام علی علیہ السلام کو ملا۔ امام رضا علیہ السلام امام کی تعریف کرتے ہیں:

" اِنَّ الاِمَامَ زُمَامُ الدِّيْنَ وَنِظَامُ الْمُسْلِمِيْنَ وَصَلَاحُ الدُّنْيَا وَعِزُّ الْمُؤْمِنِيْنَ. اَلاِمَامُ اُسُّ الاِسْلَامَ النَّامِيْ وَ فَرْعُهُ السَّامِيْ بِالاِمَامِ تَمَامُ الصَّلَاةِ وَ الزَّكَاةِ وَالصِّيَامِ وَالْحَجِّ وَالْجِهَادِ وَتَوْفِيْرِ اَلْفَيْءِ وَالصَّدَقَاتِ وَ اَمْضَاءُ الْحُدُوْدِ وَالاَحْكَامِ وَ مَنْعَ الثُّغُوْرِ وَ الاَطْرَافِ، الاِمَامُ كَالشَّمْسِ الطَّالِعَةِ الْمُجَلِّلَةِ بِنُوْرِهَا لِلْعَالَمْ وَهُوَبِالاُفُقِ حَيْثُ لا تَنَالُهَا الاَبْصَارُ وَالاَيْدِيْ اَلاِمَامِ الْبَدْرِ الْمُنِيْرِوَ السِّرَاجِ الزَّاهِرِوَنُوْرِ الطَّالِعِ وَالنَّجْمِ الْهُدَى فِيْ غَيَابَاتِ الدُّجَىٰ وَالدَّلِيْلِ عَلَى الْهُدَى وَالْمُنْجِيْ مِنَ الرَّدَى، اَلاِمَامَ مُطَهَّرمِنْ الذُّنُوْبَ مُبَرَّءِ مِنَ الْعُيُوْبِ، مَخْصُوْصِ بِالعِلْمِ، مُوْسُوْمِ بِالْحِلْمِ، اَلاِمَامَ وَاحِدَدَهْرَهُ لا يَدَانِيْهِ اَحَد وَلا يُعَادِلُه عَالِمٌ وَلا يُوجِدُ لَه بَدَلٌ وَلا لَه مِثْلٌ وَلا نَظِيْرٌ"۔

۱۔ سورۂ انبیاء، آیت/۷۳۔

۲۔ سورۂ آل عمران، آیت/۶۸۔

بیشک امام؛ دین کا سربراہ، مسلمانوں کو ادارہ اور نظم دینے والا، دنیا کا مصلح، مومنین کی عزت، اسلام کی اساس اس کی جڑوں اور شاخوں کو ہرا بھرا رکھنے والا ہے، اسی کے ذریعہ نماز زکات روزہ حج اور جہاد کامل ہوتا ہے، خراج و صدقات میں زیادتی ہوتی ہے، احکام وحدود کا اجرا ہوتا ہے، ملک کے حدود اور اس کے اطراف میں تجاوز نہیں ہوتا ہے، امام ایسا چمکتا ہوا سورج ہے جس کا نور سارے عالم پر چھا جاتا ہے اور ایسے افق پر مستقر ہوتا ہے کہ وہاں تک کسی کی نظر نہ ہی کسی کی دسترسی ممکن ہے، امام بدر کامل چمکتا ہوا چودہویں کا چراغ، ابھرتا ہوا نور، ستارۂ ہدایت تاریک راتوں میں راہنما اور ہلاکت سے نجات دینے والا ہے۔ امام علیہ السلام ہر گناہ سے پاک، ہر عیب سے منزہ، علم سے مخصوص حلم میں مشہور ہوتا ہے۔ امام یکتا زمانہ، یگانہ روزگار ہوتا ہے، کوئی اس کا ہم پلہ نہیں، کوئی دانشمند مقابلہ نہیں کر سکتا اس کا کوئی بدل، مثل ونظیر نہیں ہوتا ہے۔

اس روایت کے آخر میں امام علیہ السلام دو خصوصیت بیان کرتے ہیں:

"فَهَوَ مُوَفَّقٌ مُسَدَّدٌ مُؤَيِّدٌ قَدْ اَمِنَ مِنْ الخطَا وَالزَّلَلِ خَصّه بِذَلِكَ لِيَكونَ ذَالِكَ حُجَّةٌ عَلى خَلْقِه شُهَدَاء عَلَى عِبَادِهِ فَهَلْ يَقْدِرُوْنَ عَلى مِثْلِ هَذَا فَيَخْتَارُوْنَه فَيَكُوْنُ مُخْتَارَهُمْ اَهَذِهِ الصِّفَةِ"

جب خداوند متعال بندوں کی فلاح و بہبودی کیلئے تدبیر کرتا اور کسی بندہ کا انتخاب کرتا ہے تو اس کے متعلقہ امور میں تائید کرتا ہے، خطا ولغزش سے حفاظت کرتا ہے، یہ اس لئے تا کہ مخلوق خدا پر حجت ہوں، بندگان خدا پر شاہد ہوں، کیا لوگ خود بخود اس طرح کے انتخاب پر قدرت رکھتے ہیں تا کہ اس صفات وکمال کا حامل امام انتخاب کر سکیں؟

حکومت اسلامی کے قوانین

آج ترقی یافتہ دور میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جس انسان نے سمندر کی گہرائیوں سے لیکر آسمان کی بلندیوں اور اس کے گردو پیش کے مقامات کی چھان بین کر لی ہے تو کیا وہ انسان اپنے روزمرہ قانون زندگی کو خود بنانے سے عاجز ہے؟ جو انسان آئیٹم اور etoreny کے سینے میں اتر گیا ہو، جس نے اصول وعقائد اور اندیشہ کا تجزیہ کرلیا ہے، ذرات عالم کی تحقیق کی یا مشغول ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ وہ مسائل کو حاصل نہیں کرسکتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ اسلام اور دیگر مکاتب فکر کی قانون گذاری میں فرق ہے۔ اسلام کی قانون گذاری دوسرے مکاتب فکر کے برخلاف ایسی مصلحتوں پر مبنی ہے جس کو خالق انسان ہی بخوبی جان سکتا ہے۔ کچھ کو سمجھنا ہماری تواں سے باہر ہے صرف ہم خدا ورسول کے کہنے سے تسلیم کرتے ہیں۔ ہماری فکر کے مطابق اگر ہمیں اس کے اسباب و علل کا علم ہو جائے پھر تو اس قانون کی وسعت میں ایک طرح کی محدودیت لازم آئے گی۔ نیز اس کی مخالفت پر سزا یقینی ہو جائے گی جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند عالم نہایت رحمان ورحیم ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے ہم سرکار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کا سہارا لیتے ہیں:

"أَيُّهَا النَّاسُ!! أَنْتُمْ كَالمَرِيْض وَ رَبُّ العَالِمِيْنَ كَالطَّبِيْبِ فَصلاحُ المَرْضىٰ فِيْمَا يَعْلَمه الطَّبِيْبِ لا مِنْهَا يَشْتَهِيْهِ المَرِيْضِ" (۱)

اے لوگو! تم مریض کی مانند ہو اور پروردگار دو جہاں طبیب وحکیم ہے لہذا بیمار کی مصلحت و بھلائی کو طبیب ہی بہتر جان سکتا ہے نہ کہ مریض خود اپنی مرضی سے سمجھ سکتا ہے۔

۱۔ علامہ مجلسی: بحار الانوار ج ۴۴ ص ۱۰۷۔

شیعہ مسلک میں امارت اور سیاست کا بہترین نمونہ اہلبیت کی سیرت طیبہ رہی ہے، حکم خدا سے فردی واجتماعی حیات میں انھیں حضرات کی تاسی ضروری ہے اور وہی حضرات حق ولایت بھی رکھتے ہیں۔

"وَجْعَلْ لِرَاسِ كُلِّ اَمْرٍ مِنْ اُمُوْرِكَ رَاْساً مِنْهُمْ"(۱)

تم اپنے تمام امور میں ایک امام کا انتخاب کرو۔

﴿اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾(۲)

﴿اَلنَّبِىُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾(۳)

اس طرح کی بہت زیادہ نص اور ثبوت کے باوجود رسول کے بعد سے لوگ خاص طور سے دنیا کے سیاسی رنگ اور ڈھنگ میں ڈھل گئے اور مختلف فرقہ و مذاہب میں مسلمان بٹ گیا۔ شیعہ اسی وقت سے رسول اکرم ﷺ کے دینی اقتدار اور ان کے جانشینوں سے منسوب ہیں۔

حضرت امام علی علیہ السلام کو حق حکومت میں سب سے مستحق جانتے ہیں اگر چہ یہ دنیاوی حکومت، الٰہی ولایت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے، جو اہمیت ہے تو صرف اس لئے تاکہ حق وعدالت کا سماج میں نفاذ ہو سکے۔

"لَا يُقَاسُ بِآلِ مُحَمَّدٍ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَحَدٌ وَلَا يُسَوّٰى بِهِمْ مَنْ جَرَتْ نِعْمَتُهُمْ عَلَيْهِ اَبَدًا. هُمْ اَسَاسُ الدِّيْنِ وَعِمَادُ الْيَقِيْنِ، اِلَيْهِمْ يَفِىءُ الْغَالِىْ، وَبِهِمْ يُلْحَقُ التَّالِى، وَلَهُمْ خَصَائِصُ حَقِّ الْوِلَايَةِ وَفِيْهِمُ الْوَصِيَّةُ وَالْوِرَاثَةُ، الْآنَ اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلَى اَهْلِهِ، وَنُقِلَ اِلَى مُنْتَقَلِه"(۴)

امت کے کسی شخص کو خاندان رسالت سے موازنہ نہیں کرنا چاہئے، جو اہلبیت کی نعمتوں کے پروردہ ہیں کبھی ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ کی عترت ہی دین کی اساس اور یقین کا ستون ہیں۔ غلو اور شتاب کرنے والوں کو چاہئے ان کی طرف واپس آجائیں اور پیچھے آنے والوں کو چاہئے کہ ان سے ملحق ہوں۔ انھیں کیلئے ولایت وسرپرستی مخصوص ہے۔ رسول اللہ کی وراثت وخلافت انھیں سے متعلق ہے۔

۱۔ نہج البلاغہ مکتوب ر۵۳۔

۲۔ سورۂ نساء ر آیت ر۵۹۔

۳۔ سورۂ احزاب ر آیت ر۶۔

۴۔ نہج البلاغہ خ ر۲

اب حق صاحب حق کو واپس مل گیا اور ابھی تک جو اپنی جگہ سے دور ہو گیا تھا، وہ اپنی جگہ پلٹ آیا ہے۔ میرا مقام؛ خلافت وحکومت میں چکی کی کھونٹی جیسا ہے لیکن جب عاقبت کو دیکھا تو صبر کرلیا جو کہ عقل وخرد سے زیادہ قریب ہے (۱)

"فَلَمَّا مَضَیٰ تَنَازَعَ الْمُسْلِمُوْنَ الامْرِمِنْ بَعْدِهِ فَوَاللّٰهِ مَاکَانَ یُلْقَیٰ فِی رُوعِی وَلَا یَخْطُرُ بِبَالِی اَنَّ الْعَرَبَ تُزْعِجُ هَذَا الْاَمْرَمِنْ بَعْدِهِ عَنْ اَهْلِ بَیْتِهِ وَلَا اَنَّهُمْ مُنَحُّوهُ عَنِّی مِنْ بَعْدِهِ ،فَمَا رَاعَنِی اِلَّا اَنْثِیَالُ النَّاسِ عَلَی فُلَانٍ یُبَایِعُونَهُ فَاَمْسَکْتُ یَدِی حتیّٰ رَاَیْتُ رَاجعةَ النّاس قَد رَجَعت عَنِ الاسْلام یَدْعُوْنَ اِلَی مُحق دِیْنِ مُحَمّد" (۲)

جب مرسل اعظم ﷺ جانب پروردگار روانہ ہو گئے، مسلمان بعد رسول حکومت کیلئے درگیر ہو گئے، خدا کی قسم نہ تو اس فکر میں تھا اور نہ ہی ذہن میں خطور ہوتا کہ عرب بعد رسول اہل بیت کا حق واپس لیں گے اور مجھے روک دیں گے، جس چیز نے مجھے نگراں بنا دیا، لوگوں کا فلاں کی جانب سرعت سے بڑھنا تا کہ اس کی بیعت کریں۔ میں نے ہاتھ کھینچ لیا، یہاں تک کہ دیکھا کہ ایک جماعت اسلام سے واپسی چاہتی ہے تا کہ دین محمد کو نابود کردے۔

علماء نے اسلامی معاشرہ کی اسٹیلش کے لئے دو قانون وضع کئے ہیں منجملہ علامہ طباطبائی۔

(۱) ثابت (۲) متغیر جو ڈموکراسی کی شباہت رکھتا ہے (۳)

(۱) ڈموکراسی میں حکم ثابت جس کو قانون اساسی کہتے ہیں، اس میں کوئی تبدیلی مجلس مشاورت اور مجلس سنا کو حق نہیں ہوتا ہے، صرف ملت اپنے آراء یا ایک مجلس مبعوث کے ذریعہ کسی بند کو قانون اساسی سے حذف کر سکتی ہے (۲) حکم غیر ثابت؛ جزئی اور ایسے قوانین جو مجلس مشاورت اور مجلس سنا میں بنائے جاتے ہیں۔ علامہ کی ایک تشریح ملاحظہ فرمائیں: اسلام میں ڈموکراسی کا معنی لوگوں کے درمیان قدرت کا زیادہ سے زیادہ تقسیم کرنا ہے (۴)

۱۔ نہج البلاغہ، خ ر۳۔

۲۔ نہج البلاغہ، مکتوب ر۶۲۔

۳۔ عیسی ولائی مبانی ص ر۶۵، حاشیہ پر۔

۴۔ عیسی ولائی مبانی اساسی ص ر۶۵

اسلامی قوانین کی جامعیت

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (۱)

کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اہل یقین کیلئے اللہ سے بہتر حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔

عرب میں لوگ قبائلی نظام کے مطابق زندگی بسر کر رہے تھے، جہاں ہر قبیلہ کا ایک رئیس اپنے خاندان کو ادارہ کرتا تھا، قبیلہ کے فخر و مباہات کا یہ عالم تھا کہ عموماً جنگ قتل و غارت اور ناجائز قبضہ کی صورت پیش آتی تھی آرام وسکون اور امنیت ناپید تھی، ساری فکر خودنمائی، قبیلہ کی بڑائی، کسی قیمت پر دوسرے قبیلہ کو تسلیم نہ کرنا، حد یہ کہ ایک قبیلہ کے خدا کو دوسرے قبیلہ کے پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے لئے دوسرا خدا گڑھ لیتے تھے۔ ایسی تہذیب، آداب ورسومات میں اسلام ظہور کرتا ہے اور نعرہ بلند کرتا ہے کہ:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ
وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ (۲)

اے لوگو! اپنے پروردگار کے احکام کی مراعات کرو! جس نے تمھیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے جوڑا بنا کر ان سے بہت سے مرد اور خواتین پیدا کیا۔

" أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ آبَائَكُمْ وَاحِدٌ كُلُّكُمْ لِآدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ.

۱۔ سورہ مائدہ آیت ۵۰۔

۲۔ سورہ نساء آیت ۱۔

انّ اکرمکمْ عِندَ اللہِ اتقاکمْ لا فضلَ لِعربیّ علی عجمی اِلا بِالتّقویٰ" (۱)

اے لوگو! تمہارا خدا ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم کی نسل سے ہو، آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے عزیز اور بلند وہ ہے جو تمہارے درمیان تقویٰ، نظم اور اعتدال میں بڑھا ہوا ہے عرب کو عجم پر اور نہ ہی عجم کو عرب پر کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر جو تقویٰ و نظم میں بڑھا ہوا ہو۔

مولا امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

" فَلَوْ رَخَّصَ اَللّٰہُ فِی اَلْکِبرِ لأحدٍ مِنْ عِبادِہِ لرَخَّص فِیْہ لِخاصّۃِ أنبیائہ وأوْلیائِہ وَلکِنّہ سُبْحانَہ کَرَّہ اَلَیْھِم التکابُرَ وَ رَضِیَ لَھُمْ التّواضُعَ " (۲)

اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو فخر و مباہات کی رخصت دی ہوتی تو خاص طور سے اپنے انبیاء اور ان کے اولیاء کو رخصت دیتا لیکن اس پاک و پاکیزہ خدا نے ان خاص بندوں سے بھی فخر و مباہات کو ناپسند کیا اور اپنے خاص بندوں سے انکساری اور اچھا اخلاق پسند کیا۔

اسلام آیا اور جو کچھ بھی ان کے قبائلی فخر و مباہات اور خرافاتی رسم و رواج تھے، حسب نسب، رنگ روپ، قوم، قبیلہ ذات پات، مال، ثروت، مقام اور مکان کی وجہ سے فخر و مباہات سب کو باطل قرار دیدیا۔

" مَنْ فَاتَہُ حَسَبَ نَفْسَہُ لَمْ یَنْفَعْہُ حَسَبَ آبائِہ"

جو خود کسی شخصیت اور علمیت کا حامل نہ ہو، باپ اور خاندان کا رشتہ اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ہے۔

" فَاعْتَبِرُوا بِمَا أصابَ الاُمَمَ اَلْمُسْتَکْبِرِیْنَ مِنْ قَبْلِکُم مِنْ بَاسِ اَللّٰہُ وَصَوْلاتِہِ" (۳)

لوگو! تم سے پہلے ظالم امتوں پر ان کے اعمال سے عقاب و سختیاں پڑ چکی ہیں، اس سے عبرت حاصل کرو۔

" الا، فَالْحَذَرَ اَلْحَذَرَ مِنْ طَاعَۃِ سَادَاتِکُمْ وَ کُبَرَائِکُمْ اَلذِیْنَ تکَبَّرُوْا عَنْ حَسَبِہِمْ، وَترفعُوْا فَوْق نَسَبِہِمْ، وَأَلْقوْا اَلْھَجِیْنَۃَ عَلی رَبِّھِمْ" (۴)

۱۔ ابوالقاسم پاینده: نہج الفصاحۃ، ج ۱/ ص ۲۱۱، ح ۱۰۴۴۔

۲۔ نہج البلاغہ/ ۲۳۴۔

۳۔ نہج البلاغہ، خ/ ۱۹۲۔

۴۔ نہج البلاغہ، خ/ ۱۹۲۔

خبردار، ہرگز! ایسے سیدوں (اہل منصب ومقام) اور بزرگوں کی پیروی سے پرہیز کرو، جو اپنے حسب پر ناز کرتے ہیں، اپنے نسب پر فوقیت جتاتے ہیں اور ناروا کاموں کو اللہ کی طرف نسبت دیتے ہیں (۱)

امام محمد باقر ؑ فرماتے ہیں:

" أَصْلُ الْمَرْءِ دِيْنُهُ وَحَسَبُهُ خُلقُهُ وَ كَرَمُهُ تقْوَاهُ وَ اِنَّ النّاسَ مِنْ آدَمِ شَرَعَ سِوَاء " (۲)

جناب آدم سے لیکر آج تک لوگ انسانیت کی نظر سے ایک جیسے ہیں۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں داخل ہوئے۔ لوگوں نے محبت اور قربت کے سبب احترام کرتے ہوئے آگے جگہ دی، ان کے بعد حضرت عمر داخل ہوئے، محبّ رسول کو آنحضرت سے قریب بیٹھا دیکھ کر کہا:

یہ کون عجمی ہے جو عربوں میں آکر بیٹھ گیا ہے؟

رسول خدا (کو یہ بات بڑی ناگوار لگی) منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا:

"أنّ النَّاسَ مِنْ عَهْدِ آدَمَ اِلَى يَوْمَنا هَذا مِثْل أسْنَانِ المُشِط ،لا فَضْلَ لِلعَرَبِیْ عَلى العَجَمِیْ وَلا لِلاحْمَرِ عَلى الاسْوَدْ الا بِالتَّقْوىٰ ،سَلمَان بَحْرٌ لا يَنْزِف ،وَكَنْزٌ لا يَنْفَد، سَلمَانُ مِنّا اهلَ البَيْتِ سَلسَلٍ يَمْنَحِ الحِكمَةَ وَ يُؤتِی البُرْهَان "(۳)

لوگ عہد آدم سے آج تک کنگھی کے دانہ کی طرح ہیں...

اسی کتاب کے اصل متن میں آیا ہے کہ عمر کے جواب میں سلمان فارسی نے فرمایا:

میں سلمان ایک بندہ خدا کا بیٹا ہوں، گمراہ تھا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے ذریعہ ہدایت پائی، بینوا تھا ان کے ذریعہ بے نیاز ہوا، غلام تھا ان کے وسیلہ سے آزاد ہوا، یہ ہے میرا حسب اور نسب (۴)

۱۔ نہج البلاغہ خ ۱۹۲۔

۲۔ شیخ عباس قمی: سفینۃ البحار، ج ۲، ص ۳۴۸۔

۳۔ شیخ مفید: الاختصاص، ص ۳۴۱۔

حاکم کا رعایہ سے سلوک

امیر المومنین علیہ السلام اپنے حکومتی، سیاسی، نظامی، اخلاقی دستور العمل کو اس طرح لکھتے ہیں:

" فَاِنَّ حَقًّا عَلَی الْوَالِی اَلَّا یُغَیِّرَهُ عَلٰی رَعِیَّتِه فَضْلٌ نَالَهُ وَلَا طَوْلٌ خُصَّ بِهِ وَ اَنّ یَزِیْدَهُ مَا قَسَمَ اللّٰهُ لَهُ مِنْ نِعَمِهِ دُنُوّاً مِنْ عِبَادِهِ وَعَطْفاً عَلٰی اِخْوَانِهِ" (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت طیبہ سے امام رضا علیہ السلام کی سیرت کے بارے میں آپ کے خادم کا بیان ہے:

" اذ خلا جَمَعَ حَشَمَه کُلّهُمْ عِنْدَه الصَغِیْر وَ الکَبِیْرِ فَیُحَدّثهُمْ وَ یَأنَس بِهِمْ وَ یُؤنِسهُمْ وَ کَانَ اذَا جَلَسَ عَلَی المَائِدَة لا یَدَع صَغِیْرا وَلا کَبِیْرا حَتّی السَائِسَ وَ الحَجام الا قَعدَه مَعَه عَلی مَائِدَتِه" (۲)

امام رضا علیہ السلام جب تنہا اور روزمرہ مسائل سے فارغ ہوتے، تمام اطرافیوں، چھوٹے بڑے سب سے گفتگو کرتے، سب سے انس و محبت کرتے اور جب دستر خوان پر بیٹھتے خورد و کلاں یہاں تک کہ خدمت گزاروں اور حجام کو بٹھاتے تھے۔

قیادت کی ذمہ داری

بندہ خدا علی ابن ابیطالب (امیر المومنین علیہ السلام) کی جانب سے مسلح گارڈ، بارڈر کے پاسبانوں کے نام:

حمد و ثنائے خدا نیز درود و سلام کے بعد، بیشک والیوں کیلئے واجب ہے کہ اگر اموال پر دسترسی ہو یا کوئی نعمت ہاتھ لگے تو اس میں کسی رد و بدل، کمی زیادتی کئے بغیر اموال کو زیادہ سے زیادہ بندگان خدا تک پہنچائیں۔

" اَلَّا وَاِنّ لَکُمْ عِنْدِیْ اَلَّا اَحْتَجِزَدُوْنَکُمْ سِرّاً اَلَّا فِیْ حَرْبٍ..."(۳)

آگاہ ہو جاؤ تمہارا حق میرے اوپر یہ ہے کہ اسرار جنگی کے علاوہ کوئی راز تم سے نہ چھپاؤں اور کوئی کام سوائے احکام شرعی کے مشورہ نہ کروں۔ تمہارے حقوق کو ادا کرنے میں تاخیر نہ کروں.. اور برابر کا سلوک کروں۔

۱۔ نہج البلاغہ، نامہ ۵۰، ص/۵۶۲۔

۲۔ مجلسی، محمد باقر: بحار الانوار ج/۴۹، ص/۱۶۴۔

۳۔ نہج البلاغہ، نامہ ۵۰، ص/۵۶۲۔

اقتصادی مسائل

"مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلِیٍّ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِلٰی أَصْحَابِ الْخَرَجِ ..."

" وَاعْلَمُوْا اَنَّ مَا کُلِّفْتُمْ بِهِ یَسِیْرٌ وَاَنَّ ثَوَابَهُ کَثِیْرٌ..."

مال کی جمع آوری کرنے والوں کے نام

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرماتے ہیں: جس شخص نے روز قیامت کو یاد نہ کیا تو وہ اپنے لئے کوئی زاد سفر نہیں بھیج سکا، آگاہ ہو جاؤ کہ جس امر کے ذمہ دار بنائے گئے ہو وہ اگر چہ چھوٹی ذمہ داری ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کا صلہ و ثواب بہت زیادہ ہے۔ اگر خداوند عالم نے ظلم وعدوان، جس میں عقاب ہے، منع نہ کیا ہوتا جبکہ اس کے ترک میں کوئی عذر نہیں تھا لہذا لوگوں کے ساتھ اپنے نفس کی طرح انصاف کرو۔ ان کی حاجت روائی میں صبر و شکیبائی سے کام لو کیونکہ تم لوگوں کے خزانہ دار ہو (۱)

"هٰذَا مَا أَمَرَ بِهِ عَبْدُ اللّٰهِ عَلِیّ أَمِیرُ الْمُؤْمِنِینَ" ثُمَّ اعْلَمْ یَا مَالِکُ اَنِّی قَدْ وَجَّهْتُکَ اِلیٰ بِلَادٍ قَدْ جَرَتْ عَلَیْهَا.. وَأَشْعِرْ قَلْبَکَ الرَّحْمَةَ لِلرَّعِیَّةِ وَالْمُحَبَّةَ لَهُمْ وَاللُّطْفَ بِهِمْ وَ لَا تَکُوْنَنَّ عَلَیْهِمْ سَبُعاً ضَارِیاً تَغْتَنِمُ اُکْلَهُمْ فَاِنَّهُمْ صِنْفَانِ اِمَّا اَخٌ لَکَ فِی الدِّیْنِ اَوْ نَظِیْرٌ لَکَ فِی الْخَلْقِ" (۲)

اے مالک جان لو! میں نے تمھیں ایسے شہر کی طرف بھیجا ہے، جہاں پر تم سے پہلے اہل انصاف یا سرکش و ظالم لوگوں نے حکومت کی ہے، لوگ تمہارے امور کو بھی ایسے دیکھیں گے جس طرح تم اپنے سے پہلے حکام کو دیکھو گے، وہ سب تمہارے بارے میں وہی کہیں گے جو تم ان کے بارے میں کہو گے۔

امام علی علیہ السلام کا بہترین موقف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام علی علیہ السلام سے فرماتے ہیں:

۱۔ نہج البلاغہ، نامہ/۵۱، ص/۵۶۲۔

۲۔ نہج البلاغہ، نامہ/۵۳، ص/۵۶۳۔

"اِنَّکَ تَسْمَعُ مَا اَسْمَعُ وَ تَرَی مَا اَرَی اِلاَّ اِنَّکَ لَسْتَ بِنَبِیِّ وَلٰکِنَّکَ وَزِیْرٌ اِنَّکَ لَعَلٰی خَیْرٍ" (۱)

اے علی ابن ابیطالب! ہر وہ کلام جو میں سنتا ہوں تم سنتے ہو، جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں تم دیکھ رہے ہو سوائے اس کے کہ تم میرے بعد نبی نہیں ہو لیکن تم میرے وزیر ہو اور بیشک خیر پر ہو۔

چنانچہ امام نے رحلت رسول کے بعد جب خلافت میں کھینچا تانی شروع ہوئی تو فرمایا:

"میرے لئے بہتر یہی ہے کہ میں وزیر رسول اللہ رہوں"

جسوقت امیر المومنین علی علیہ السلام کی بیعت ہوئی اور امام نے قبول فرمایا نیز لوگوں کی داد و ستد میں افزائش ہوئی تو امام اپنی سیاسی شخصیت کی وضاحت فرماتے ہیں: مجھے دوسرے سیاستدانوں اور حکمرانوں پر قیاس نہ کرو، ایسا مت کہنا کہ ایک حاکم گیا دوسرا حاکم آ گیا، میں ان میں سے نہیں ہوں۔ وہ دوسرے حکام ہوں گے جنھوں نے تملق کو پسند کیا، تمہاری تعریفوں اور خوشامد گوئی کو دوست رکھتے ہونگے اور رعایا سے اسکا انتظار رکھتے ہیں، میں ایسا نہیں ہوں۔ دوسرے حکام خوش نہیں ہوتے کہ حق بات کو ان کے سامنے کہا جائے یا کوئی ان کو امر بالمعروف اور نہی از منکر کرے ان کی خطاؤں اور عیوب کو بتائے لیکن مجھے ویسا مت گمان کرنا۔ خیال نہ کرنا حق بات کہنا مجھ پر گراں گزرے گا کیونکہ جو حق بات سننے سے ناخوش ہو بدرجہ اولیٰ حق پر عمل کرنے سے ناخوش ہوگا۔

امیر المومنین خلافت سے پہلے حیات گرامی رسول میں کوئی بھی خطبہ نہیں دیا، کوئی خط یا خطاب نہیں فرمایا، اگر ہے تو شاذ و نادر، زیادہ تر کلام پنج سالہ دوران حکومت کا ہے۔ قابل ذکر ہے کہ ایسا عظیم خطیب جو خطابت پر زبردست مہارت رکھتا ہو، جسکو شہنشاہ خطابت "امیر کلام" کہا گیا ہے (نہج البلاغہ خ ر۲۳۳) ان تمام سالوں میں

۱۔ (نہج البلاغہ خ القاصعہ) مالک اشتر نخعی: سرزمین یمن کے بیشہ نامی قریہ میں پیدا ہوئے آپ کا تعلق مذحج قبیلہ سے تھا مالک اشتر سے مشہور ہوئے، آپ کے پدر یغوث بن نخع تھے، مالک نخعی سے بھی معروف ہوئے۔ مالک اشتر پہلے شخص تھے جنھوں نے امام علی علیہ السلام کی بیعت کی اور کوفہ کے لوگوں کو جنگ جمل کیلئے تیار کیا، جنگ جمل میں مالک کی شجاعت و لیاقت کا بڑا شہرہ ہوا، جنگ صفین میں بنیادی کردار پیش کیا، صرف شجاعت میں نہیں بلکہ ایمان، عبادات اور پرہیزگاری میں مشہور ہوئے اور ۳۸ ہجری قلزم نامی قریہ جو مصر کے راستے میں واقع تھا، معاویہ کے جاسوسوں کے ذریعہ زہر سے شہید ہوئے۔ (نہج البلاغہ، ص ر۵۶۵۔ حاشیہ نامہ ۵۳، ترجمہ: محمد دشتی)

خاموش بیٹھنے والا جسکو حد سے زیادہ خداداد صلاحیت حاصل تھی لیکن قبل از خلافت ظاہر نہیں کیا اور ناگہاں وقت ضرورت اس آتش فشاں کا جوالا جوش میں آیا اور ایسے بیش بہا گوہر پارے سینہ اقدس کے بحر قلزم سے باہر آئے، جو مافوق کلام بشر اور تحت کلام خالق بن جاتے ہیں۔

سیاست میں امام کا موقف کہاں، اور عہد حاضر میں حکومت اور حکمراں جماعت کا موقف کہاں؟ آج کے سیاستدانوں کا طریقہ کار شاطرانہ، عیارانہ اور لوگوں کو مختلف طریقوں سے اپنی طرف ملتفت کر کے حکومت واقتدار حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ امیر المومنین امام علی علیہ السلام کا نظریہ حکومت جو مختلف بیان سے ماخوذ ہے، حسب ذیل عناوین میں معنون ہوتا ہے:

۱. خدائی فرمان کی پیروی اور اس کے قانون کا نفاذ کرنا ہے۔

۲. اسلامی اخلاق وعادات اور تہذیب وثقافت کی ترویج کرنا۔

۳. ممتاز علوم وفنون اور معلومات جس کی قرآن نے تائید کی ہے، عام کرنا ہے۔

۴. سماج میں عدالت کا نفاذ کرنے کی عملی جدوجہد کرنا ہے۔

۵. خدائی خصوصیات کو اتنا عام کرنا تا کہ وہ انسانی پیکر میں رچ بس جائے۔

۶. ایسی سیاست جسکو حکومت کا مقصد بنایا گیا ہو اس سے مقابلہ کرنا۔

۷. باطل کی تائید وحمایت اور منافقت سے پرہیز کرنا ہے۔

۸. سیاسی مقاصد میں حرص وہوس اور ذاتی منفعت سے پرہیز کرنا۔

۹. شائستہ اور متدین لوگوں کو حکومتی امور کیلئے منصوب کرنا۔

۱۰. جنگ وجدال، ملکوں پر ناجائز قبضہ اور ہتک حرمت سے پرہیز کرنا۔

۱۱. الٰہی مقاصد کے مطابق حکومت بنانا تا کہ دنیاوی رفاہ وراحت اور دوسری ساری سہولت میں بہشت کا نمونہ بن جائے۔

اسلامی تحریکیں

جب لوگوں کو مفید اور کار آمد بنیادی فکر معلوم ہوگئی کہ کون سا راستہ فطرت اور شریعت سے زیادہ قریب ہے، اگر چہ نام جو بھی ہو لیکن اسلامی بیداری مسلمانوں میں پیدا ہو چکی تھی، اصلاح طلبی ہو، وحدت مسلمین ہو، اسلامی بیداری، استعمار سے مقابلہ یا حق طلبی... بعض تحریک کے نتیجہ میں اسلامی اقتدار کا نمونہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے، اگر چہ سامراج نے ان تحریکوں کو ناکام بنانے کا اپنا منصوبہ فعال کر رکھا تھا۔ جو ہمہ وقت اسلامی ملکوں کی تقسیم و تحصیل میں مصروف تھے۔ آپ اس بات کا تجزیہ کر سکتے ہیں کہ جب دنیا کے سامنے اسلامی حکومت کی قدرت آئی تو دو مسلک و حکومت نمایاں ہوتی ہیں، ایک صفویہ حکومت جن کا دعوی تھا کہ انھوں نے رسول اللہ اور ان کے اہل بیت کی سیرت و سیاست پر اسلامی حکومت بنائی ہے، یعنی شیعہ حامی حکومت تھی۔ دوسری عثمانی حکومت جو سنی مذہب کی حامی تھی۔ ظاہر میں یہ دونوں حکومتیں ایسی تھیں جو غیر اسلامی طاقتوں کیلئے مانع بنی ہوئی تھیں، لیکن دیگر اقوام و ملل کی نیشنلزم تحریک نے ان دونوں کے استقلال کو ختم کر دیا۔ اور اپنے مفاد کی خاطر دوسری طاقتوں سے محرمانہ تعلق بھی برقرار کر رکھا لیا، جس کی مثال صلاح الدین ایوبی نے حکومت فاطمی کے ساتھ کیا تھا، کہ بے پناہ قدرت کے باوجود بغداد کی حکومت اور سامراج کے تعاون سے فاطمی حکومت کا سقوط ہو جاتا ہے۔ سامراج کو سنہرا موقع مل جاتا تھا اور وہ اپنی منمانی اسلامی ملکوں کا استحصال کر لیتے تھے اور مسلمانوں کی تقسیم بندی اور عقائدی اختلاف کی وجہ سے انھیں ناکارہ بنا دیتے تھے۔ ہر زمانے میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ افغانستان میں اسلامی احزاب تاسیس پائی،

ترکیہ میں حزب رفاہ جو پہلے حزب ,,سلامت ملی،، تھی اس کی جگہ ,,اسلامی حزب،،

الجزائر میں ,, جبہہ نجات اسلامی،،

سوڈان میں حزب جنبش قومی اسلامی سوڈان، حسن ترابی کی قیادت میں،

مصر میں اخوان المسلمین کی طرح اکثر مملکت میں لوگوں کی مرضی سے اسلامی حزبیں بنیں اور خاص بات یہ کہ انتخابات میں اکثر ملکوں میں بہترین کامیابیاں نصیب ہوتی آئی ہیں۔ جماعت اسلامی پاکستان، جماعت اسلامی افغانستان، حماس فلسطین اور حزب اللہ لبنان وغیرہ کامیاب اسلامی جماعتوں کا نمونہ ہیں۔ جس میں معاشرہ ادارہ کرنے کی بھرپور صلاحیت پائی جاتی ہے۔ چونکہ یہ پارٹیاں غربیوں سے ملکر ملک وملت کیساتھ خیانت کرنے کو آمادہ نہیں، اس لئے بڑی طاقتوں کو پسند نہیں ہیں کہ یہ پارٹیاں برسر اقتدار یا سرگرم عمل رہیں۔ ان کی سیاست کئی جہت سے بھی ہوتی تھی۔ مرزا آقا خان، مرزا زین الدین مراغہ ای، سر سید احمد خان معتقد تھے کہ اسلام میں اصلاحات ہونا بہتر ہے، شیخ محمد عبدہ وغیرہ جو معتقد تھے کہ اسلام عصر حاضر کے تقاضوں کا جواب دہ ہے۔

لیکن رفاعہ طمطاوی اس یقین پر تھے کہ لبرالزم کو اسلام کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔

اسلامی تحریک اور انقلاب کے بعد اس فکر کو تقویت ملی کہ اسلام عصر حاضر کے ساتھ سازگار ہے اور آج ہماری زندگی کی تمام مشکلوں کے حل کی صلاحیت رکھتا ہے، نیز اسلام کارآمد مفید سیاست اور عدل وحق پر مبنی حکومت تشکیل دینے کی توانائی رکھتا ہے۔ ہر زمانہ میں نہ معلوم کتنی تحریکیں وجود میں آئیں، جن میں سیاسی اور مختلف مقاصد کی ترویج کیخاطر قیام کیا ہے، جن میں چند کا بطور مثال اشارہ کرتے ہیں:

سلفیہ کی تحریک

اس کی بنیاد بڑی قدیمی رہی ہے، جسکا سلسلہ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ ھ)، ابن قیم الجوزیہ (م ۷۵۱ ھ) علما حنبلی اہل سنت تک پہنچتا ہے۔ ابن تیمیہ، ابن قیم اور شاہ ولی اللہ دہلوی کو اس فرقہ میں پیش قدم دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ فرقہ ''سلف صالح کی پیروی'' کے نام پر متاخرین کے نظریات کی ترویج کرتا ہے۔ سلفی مذہب حنبلی اور وہابیت کی تاسی کرتا ہے۔ ان کا صوفیوں سے قبور کی زیارت کے مسئلہ پر مقابلہ ہوا تھا، سلفیوں نے انھیں ''قبوریون'' کہا ہے(۱)

۱. ڈاکٹر علی اصغر حلبی: تاریخ نہضت ہای دینی سیاسی، ص ۷۲/۹۳۔

وہابیت کی تحریک

اس مذہب کا پیشوا محمد بن عبدالوہاب نجدی (م۱۷۰۳ء/۱۷۸۲ء) ہے، جس کی مقام عیینہ عربستان میں پیدائش ہوئی۔ مخالفوں نے وہابی کہا اور اس کے ماننے والوں کو مؤحد کہا گیا ہے۔ احمد بن حنبل (۱۶۴ھ/۲۴۱ھ) ابن تیمیہ کی مانند اس نے بھی زیارت قبور کی سخت مخالف کی ہے۔ سوائے اللہ کی ذات کے کسی کا ذکر نہیں کرنا چاہئے، اگر مرسل اعظم ﷺ، اولیاء الٰہی یا فرشتہ خدا کا ذکر نماز میں آ جائے تو موجب شرک ہوگا۔ جو سراسر قرآن وسنت اور اعمال وعبادات کے خلاف ہے، آپ ملاحظہ فرمائیں: مسلمان نماز میں کیا پانچ وقت نہیں کہتے ہیں؟

''اَلسَّلامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرکَاتُہ، اَلسَّلامُ عَلَیْنَا وَعلیٰ عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ، اَلسَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرکَاتُہ''

ان کا کہنا ہے کہ غیر اللہ کیلئے شفاعت کا عقیدہ رکھنا کفر ہے، جو قرآن کی آیتوں کے خلاف ہیں:

﴿مَنْ ذَالَّذِی یَشْفَعُ عِنْدَہُ اِلَّا بِاِذْنِہِ﴾(۱)

بغیر اذن خدا کون ہے جسے شفاعت کرنے کا اختیار ہے (اس وجہ سے اگر کوئی شفاعت کرتا ہے تو اس کے شفاعت کرنے سے خدا کا اختیار کم نہیں ہو جاتا ہے، دراصل شفاعت اذن خدا سے ہوتی ہے یعنی اس کا مالک خداوند عالم ہے) ﴿مَامِنْ شَفِیعٍ اَلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِہِ﴾(۲)

اسکی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے (دوسری آیتوں میں بھی شفاعت سے متعلق بیان آیا ہے کہ غیر از خدا شفاعت کر سکتے ہیں۔

﴿یَوْمَئِذٍ لا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمَنُ..﴾(۳)

اس دن جس دن کسی کی سفارش کام نہیں آئے گی، سوائے اسکے جسے اللہ حکم دے...

---

۱. سورۂ بقرۃ آیت/۲۵۵۔

۲. سورۂ یونس آیت/۳۔

۳. سورۂ طٰہٰ آیت/۱۰۹۔

جمال الدین افغانی کی تحریک

موصوف ۱۸۳۸ء/۱۸۹۷ء میں شرق عالم کے پیش قدم رہبروں میں شمار ہوتا ہے جو خود ایک نہضت ، قیام کرنے والے، تنہا ایک قوم تھے۔ ترک وایران، ہندوستان اور افغانستان کی قومیں ابھی تک اس جیسی شخصیت پر فخر کرتی ہیں۔ چند ملک منجملہ ہندوستان میں تعلیم کی غرض سے مقیم رہے، سیاسی کارکردگی کے بعد بھی ہندوستان تشریف لائے لیکن حکومت ہندوستان نے سیاسی میدان ان پر تنگ کردیا تھا، اسوجہ سے مصر کے راستہ قسطنطنیہ روانہ ہوئے۔ ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۳ء ایک مناظرہ ''اسلام اور علم'' کے عنوان سے انجام پایا اور ۱۳۰۲ھ میں اپنے شاگرد محمد عبدہ مصر کی ہمراہی میں ہفتہ وار مجلّہ ''العروۃ الوثقی'' نکالا۔ جسکا مقصد مسلمانوں کو غربیوں کے عقائد اور اختیار سے نکال کر آزادی دینا تھا۔ اس پر برٹش حکومت نے فورا مصر اور ہندوستان میں پابندی لگوادی۔ جس سے مزید معلوم ہوا کہ جہان اسلام کو متحد ہوکر قومی یکجہتی سے اپنے دین ومذہب اور ملک کا دفاع کرنا چاہتے تھے۔ مذکورہ مجلّہ عروۃ الوثقی میں جمال الدین کا ایک بیان ملاحظہ فرمائیں:

''ملک کا دفاع کرنا قانون طبیعت، فریضہ حیات انسانی ہے، یہ انسان کی خوراک پوشاک کی خواہشوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے''۔ ملک کے خائن سے متعلق کہتے ہیں:

''میری رائے فقط یہی نہیں کہ جو ملک کو مال کے مقابل بیچ دیتے ہیں وہی خائن ہوتے ہیں بلکہ اس سے بڑے خائن جو اپنی سرزمین میں دشمن کو مستقر ہونے دیں، جو قدرت رکھتے ہوں کہ دشمن کے مقابلہ میں عکس العمل کا مظاہرہ کریں اور وہ ڈر سے بیٹھ جاتے ہیں، خائن ہیں۔''(۱)

یہ چند مثالیں تھیں جن کو نمونہ کے طور پر بیان کیا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری تحریک اسلام یا مسلمانوں کے دفاع میں ہی نہیں وجود میں آئی ہیں بلکہ دیگر اغراض ومقاصد کیلئے بنائی جاتی ہیں۔ ہر زمانے میں خود دشمن نے اسلام کی تباہی کے لئے اور مسلمانوں کے قتل وغارت کیلئے تحریکیں بنواتے آئے ہیں اور خود ہی ان کا ادارہ کرتے ہیں۔ جس کو آج آسانی سے افغانستان، عراق، لبنان اور دوسرے ملکوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

---

۱. ڈاکٹر علی اصغر حلبی: تاریخ نہضت ہای دینی سیاسی، ص۳۲/۳۸۔

شیعہ تحریک اور کارنامہ

جب پیغمبر اکرم ﷺ مدینہ میں مستقر ہو گئے، دینی اعتقادات کو جو اصل مقصد بھی تھا، سیاسی استحکامات اور شہری انتظامات کے حکومتی ڈھانچے میں شامل کیا۔ دس سالہ حکومتی عرصہ میں آنحضرت کو چھوٹی بڑی اسی لڑائیوں کا سامنا کرنا پڑا، رسول خود جنگوں کی قیادت کرتے یا اپنی جگہ کسی کو بھیجتے اور بہت سے دیگر اقدام کرنے پڑتے، جیسے قضائی امور، زکات وصدقات کی جمع آوری، اجتماعی امور کو نظم دینے کا مسئلہ آنحضرت کے حکم سے انجام پاتا تھا۔ لیکن رسول کی رحلت کے بعد اصل جانشینی میں اختلاف ہوا جس کے نتیجہ میں سقیفہ بنی ساعدہ تک مسئلہ پہنچا۔ پھر رسول اللہ کی طرح ایک مرکزی حکومت پر اتفاق نہیں ہوا۔ ابو بکر نے دو سال اسلام کی ترویج اور مرکزی حکومت کی توسیع کی غرض سے شام وعراق.. پر چڑھائی کی۔ عمر نے وفا نہ کی، چنانچہ زندگی میں ہی عمر بن خطاب کو حکومت کے لئے منتخب کیا۔ جس میں مصر، ایران، شام اور افریقہ کی فتح ہوئی۔ روم اور ایران کی طولانی اور خستہ کن جنگ اور اپنے حکمرانوں سے بیزار لوگ اسلام کی طرف مائل ہو گئے اور ہر پہلو سے اسلام کو ادارہ کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ سیاسی دیوان، ادارے اور مختلف ارکان دولت کا انتظام عمل میں آیا۔ اصول وعقائد جسکو حضور نے بنیادی مقام دیا تھا، فراموش کر دیا گیا۔ اب یہاں سے شیعہ مذہب کی تاریخ سامنے آتی ہے، جو نہایت خوں چکاں رہی ہے۔ مظلومیت اس کی شناخت بن گئی، اقلیت کے سبب عالمی پیمانہ کی بڑی قوموں کے مقابلہ میں چہ چہ کم رہا ہے لیکن کچھ خصوصیتیں ایسی ہیں جو بغیر شک وتردید دوسری قوموں میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ اہل تحقیق کو انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ بعض خصوصیت کی بناء پر یہ قوم ہمیشہ ظالم وجابر اور سامراج کی دشمنی، ظلم وبربریت کا نشانہ بنی رہی ہے۔ ان کی تحریکیں کم وبیش فکر کربلا سے ہم آہنگ ہیں، بعض دیگر تحریکیں جیسے زیدیہ، اسماعیلیہ، آل بویہ... ان

سب کا قیام دینی، سیاسی، تہذیبی امور کیلئے ہوتا تھا۔ چند کو ذکر کرتے ہیں، جن خصوصیت کی بناء پر شیعہ قوم، دنیا کی زندہ، متحرک اور کامیاب قوم محسوب ہوتی ہے اور یہی چیز دوسری قوموں کیلئے مخالفت کی وجہ بھی بنی ہوئی ہے۔

امتیازی خصوصیت

(۱) دین اور دنیا سے متعلق علمی وارتقائی امور میں عقل اور اجتہاد کا دخل ہوتا ہے جو دنیا کے دیگر مذاہب اور مکاتب فکر سے ممتاز ہے۔

(۲) زمانہ کے امام ہدیٰ، حجت خدا، وصی رسول اللہ حضرت بقیۃ اللہ جو بقاء کائنات کا سبب ہیں، ان کی محبت اور انھیں کی زیر سرپرستی عدل وانصاف کے قیام کا منتظر ہونا ہے۔

(۳) اعلم دوراں حاکم شرع یا ولی فقیہ، زمانۂ غیبت میں لوگوں کا ناصر و ناظر اور لوگ بھی ان کی پیروی وتقلید کرتے ہیں کیونکہ ان کا حکم اور فتویٰ قرآن، رسول اور ائمہ کے بیانات نیز عقل ودلیل کی روشنی میں ہوتا ہے، ایسا نہ ہو تو وہ حکم شریعت نہیں ہوگا اور اس اعلم کی کوئی تقلید یا پیروی نہیں کرے گا۔

(۴) ولایت الٰہی، فطری وقانونی حاکمیت خدا اور رسول کے قائل ہیں آنحضرت کے بعد امام معصوم جانشین رسول ہیں کیونکہ وہی حضرات خواست خدا اور رسول کو بہتر جاننے سمجھنے اور اس کی محافظت کرنے والے ہیں۔

(۵) اپنے معاملات، اختلافات میں عدل وانصاف قرآن اور سیرت اہلبیت کے ذریعہ حل کرنا ہے۔

(۶) لوگوں کا اسلام کے حقیقی وارث اور محافظ اہل بیت رسول اللہ کی اطاعت ومحبت کا دعویٰ، جس کے بعد خود اعتمادی، اللہ اس کے خاص بندوں پر بھروسہ، دنیائے فانی کے بعد عالم آخرت سے رابطہ مضبوط کرنا ہے۔

(۷) اوراق تاریخ میں قوم تشیع کا تبادر حق وانصاف اور آسمانی قوانین کے صحیح نفاذ سے ہوتا آیا ہے اس قوم نے ہمیشہ ظلم وبربریت اور ناانصافی کا مقابلہ کیا ہے، جو انبیاء وائمہ کی سیرت رہی ہے لہذا باطل پرست طاقتیں اس قوم سے خوفزدہ رہی ہیں اور اس کے نمائندوں سے ظالم حکمرانوں میں جذبہ انتقام بھی پایا گیا ہے۔

(۸) اس قوم کے اعتقاد میں دنیاوی زندگی آخرت کی زندگانی کا ایک جزء یا پیش خیمہ محسوب ہوتا ہے، اس وجہ سے سوائے اللہ کی قدرت وطاقت کے دنیاوی سیاست اور ستمگروں کی کوئی خاص توجہ نہیں کی ہے۔

مشرق وسطیٰ عالمی اقتصاد

میڈل ایسٹ میں، ایران عراق، کویت، فلسطین، بحرین، ترکیہ، سوریہ، لبنان، اردن، عربستان، قطر، امارات متحدہ عربی، یمن، مصر اور عمان اور ان میں خاص طور سے خلیج فارس (pershian gulf) کے مناطق کی ستر فیصد آبادی شیعہ مسلمان سے تشکیل پاتی ہے۔ جہاں دنیا کا تین حصہ تیل کا بہترین ذخیرہ ہے۔

فرانسوا توال کے بقول:

خلیج فارس کے پچھتر فیصد تیل کے ذخائر، اسی منطقہ کی ستر ۷۰ رفیصد شیعہ آبادی کے اختیار میں ہے۔ یہ خلیج فارس جو دنیا کے ارتباط کا شاہراہ ہے، اقتصادی، ثقافتی اور دینی کون سا کردار نہیں ادا کرسکتا ہے؟(۱)

بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیعہ تاریخ کا تجزیہ

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے اہل تحقیق کے لئے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حقیقت میں یہی قوم ہے جو تعلیمات رسول کی درست نمائندگی کررہی ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے آج تک اسلام کی حفاظت میں شیعہ قوم، قتل، قربانی اور ایثار وفداکاری کا سنگین بوجھ اٹھاتی چلی آرہی ہے۔ ہر زمانہ میں اس قوم نے جان ومال کی سخت قربانی دے کر اسلام کی اصل ماہیت حقیقت یعنی خدائی ولایت کے ساتھ رسول اعظم اور معصوم اماموں کی بھی ولایت اور حاکمیت کا تحفظ کیا ہے۔

۱۔ فرانسوا توال، ژئو پولیتیک شیعہ، ترجمہ علی رضا قاسم آقا، ص ر ۱۳۷۔

صدر اسلام سے ہی منافقین اس حقیقی راہ اور بنیادی فکر کو ختم کرنے کے درپئے تھے، اس ظریف نکتہ کو مؤرخین سرسری طور سے ذکر کرکے آگے بڑھ جاتے ہیں پھر بھی اہل حق ان مطالب کی گہرائی میں اتر کر مطالب کا استخراج کرہی لیا کرتے ہیں۔ بعض نکات کا اشارہ کیا جارہا ہے:

۱. پیغمبر اسلام کو آخری وقت میں جب شدید مرض، ضعف اور نقاہت لاحق ہوگیا تھا، جس سے جان بر ہونے کی امید کم تھی اس وقت آپ نے قلم دوات مانگا کہ ایسا مطلب مرقوم کردوں جس کے بعد قوم گمراہی میں نہ پڑسکے، آنحضرت کو قلم دوات نہیں دیا گیا، ستم بالائے ستم آنحضرت ﷺ پر ہزیان کا بہتان لگایا گیا۔

۲. جنگ تبوک کے راستے میں پہاڑ سے گذرتے ہوئے بلندی سے منافقین کی ایک جماعت نے پتھر گراکر ناقہ رسول کو منحرف کرنا چاہا، رہ گیا قبل اس کے کہ وہ اپنی بدنیتی میں کامیاب ہوتے، جبرئیل امین نے اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچادی اور آنحضرت اس قتل کی سازش سے امان میں رہے۔

۳. آخر عمر میں حضور کا قبرستان سے گذر ہوا تو شہداء بدر اور احد کو اس طرح خطاب کرتے ہیں:

تمہارے لئے یہ شہادت مبارک رہی، تم نے بعد کے ناگوار حالات کو اپنی نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ اس جملے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ روز بروز حالات کتنے سخت ہوئے جارہے تھے، جن کا مقابلہ آنحضرت کے اہل بیت کو کرنا پڑا۔

۴. اللہ کے رسول نے اسامہ کی سرکردگی میں لشکر اسلام کو بھیجا تھا لیکن خاص خاص لوگوں نے آپ کے حکم سے سرپیچی کی۔ یہ حضور کی حیات کے آخری واقعات تھے کہ اہل دنیا اپنی خواہش کے مقابلے میں حکم خدا اور رسول کی کوئی اعتنا نہیں کررہے تھے۔ آنحضرت کی بڑی تاکید تھی حجۃ الوداع کے بعد غدیر خم پر سب کو جمع کیا، اپنے بعد ولایت اور حکومت کو ادارہ کرنے کا اعلان کیا، جو حاضر نہیں تھے ان کو بھی دوسروں کے ذریعہ پیغام پہنچایا لیکن لوگوں نے کیا کیا؟ بہت سے قریش دور جاہلیت کی طرف پلٹ گئے۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾(۱)

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۴۴۔

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالی کے رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اب اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید کر دئے جائیں تو کیا تم اپنے سابقہ حالت کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ یعنی اسلام کو چھوڑ کر جاہلیت اور کفر اختیار کر لو گے؟

﴿اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُم عَلَى اَعْقَابِكُم﴾(۱)

اگر اللہ تعالی انھیں اٹھا لے یا کفار قتل کر دیں تو کیا تم ایمان لانے کے بعد الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور کافر ہو جاؤ گے؟ صاف واضح ہے کہ آنحضرت کے عہد سے ایسے حالات اور علامات پائے جا رہے تھے کہ بہت سے نامور حضرات جاہلیت اور بے دینی کی طرف پلٹ گئے تھے۔ جنھوں نے اہلبیت رسول کو ستایا، قید و بند میں رکھا اور شہید کیا۔ یہ ایسے حقایق ہیں کہ جس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی انکار کیا جاسکتا ہے۔

بنی امیہ خود کو دوسروں سے برتر اور دوسروں کو اپنا غلام سمجھتے تھے عالم یہ تھا اگر کوئی اموی عرب پیدل چل رہا ہوتا ہو اور کوئی غیر عرب سواری سے جا رہا ہوتا تو کیا مجال کہ وہ آگے بڑھ جائے، اس اموی کو گھر تک پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ مؤمن، جانثار اور اصحاب میں حضرات حمزہ، عمار یاسر، ابوذر، سلمان، مقداد، بلال وغیرہ تھے، جو بہت زیادہ مشکلوں کو برداشت کر رہے تھے۔ حجاز اور جزیرۃ العرب سے جو دور تھے، وہ قریش وانصار کے علاوہ دوسرے لوگ تھے، وہاں اسلام خاص طور سے تشیع زیادہ پھیلا۔ مثال کے طور پر عراق، مصر، ایران، یمن، شام...

شیعہ حکومتیں

اموی دور ختم ہوتے ہی بعض شیعہ حکومتیں وجود میں آئیں، منجملہ عراق میں بنی حمدان کی حکومت، ایران میں آل بویہ کی حکومت، شمال میں زیدیہ اور علویہ حکومتیں، شمالی افریقہ میں ادریسی حکومت، یہ سب شیعہ حکمراں تھے۔ اس کے بعد فاطمیین مصر کی حکومت کا سلسلہ رہا، جنوب ہند میں بہمنی سلاطین شیعہ حکمران تھے۔ ہندوستان کے شمال میں شاہان اودھ۔ اور جنوب کی گولکنڈہ، بیجاپور اور مرشد آباد جیسے علاقوں میں نویں ہجری سے لیکر بارہویں صدی ہجری تک شیعہ حکومتیں برسر اقتدار رہی ہیں، گورکانیان کی حکومت میں بھی زیادہ تر شیعہ دانشمند حضرات کی شمولیت تھی۔

۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۴۴

جنوب ہندوستان حیدر آباد، یا علی گڑھ اور علی پور....جو امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کے نام نامی سے موسوم کیا گیا ہے، یہ سب زندہ ثبوت ہیں کہ تشیع بیرون حجاز اور جزیرۃ العرب میں زیادہ پنپ، پھل اور پھول رہا تھا، چونکہ بنی امیہ شروع ہی سے تشیع کے خلاف تھے اور ہر جگہ شیعوں کے آثار کو مٹایا اور برباد کیا جارہا تھا۔

سلطنت اودھ

سلطنت اودھ؛ دہلی کی مغلیہ سلطنت کے بعد جو نیم آزاد اور خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں ان میں سے ایک سلطنت اودھ بھی تھی۔ اودھ کی ریاست بھی سلطنت دہلی کی بالا دستی قبول کرتی تھی۔ شجاع الدولہ (۱۷۵۴ء تا ۱۷۷۵ء) وزیر سلطنت کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔ شجاع الدولہ کے بعد اودھ کی ریاست پر انگریزی دباؤ بڑھ گیا اور نوابان اودھ انگریزوں کے احکام کے آگے بے بس ہو گئے۔

شجاع الدولہ کے زمانہ تک اودھ کا دار الحکومت فیض آباد تھا۔ اس کے بیٹے آصف الدولہ نے نے لکھنؤ کو دار الحکومت بنایا اور آخر تک اس کی یہ حیثیت برقرار رہی۔

نوابان اودھ نے (از ۱۷۲۲ء تا ۱۸۵۶) حکومت کی، جو امیر سعادت خان ۱۷۲۳ء سے شروع ہو کر، صفدر جنگ، آصف الدولہ، شجاع الدولہ، حافظ رحمت خان، سعادت علی خان، غازی الدین حیدر، محمد علی شاہ، آخر میں واجد علی شاہ ۱۸۴۷ء تا ۱۸۵۶ء پر تمام ہوئی (۱) تمام خطۂ عالم کی مانند اودھ بھی انگریزوں کی ماتحتی میں رہنے کیوجہ سے یہ حکومتیں مستقل اور دیرپا ثابت نہ ہوئیں اور اپنی تمام تر خصوصیت کے باوجود انگریزوں کے فتنے کے سبب سلطنت اودھ کا سقوط ہو گیا، اگرچہ یہ سلطنت بڑی منظم اور دوسری قوموں کے اتحاد، میل جول سے تشکیل پاتی تھیں۔ ہر قوم کی شمولیت ہوتی تھی، ہر مسلک کو رسمیت ملی تھی۔ شاہان اودھ خود دیگر مذاہب کے مراسم میں شریک ہوتے تھے۔

مصر کی فاطمی حکومت

مقریزی نے لکھا ہے: فتح مصر کے اوائل سے ہی شیعہ بلکہ بعض موالی اہل بیت کی شرکت دیکھی جا سکتی ہے۔ جن میں مقداد بن اسود، ابوذر، ابوایوب انصاری جیسے نمایاں صحابی کرام کو دیکھا جا سکتا ہے اور عمار یاسر بھی عہد عثمان میں مصر آئے تھے۔ مقریزی کے مطابق پہلا قیام عصر عباسی میں علی بن محمد، فرزند نفس زکیہ کا تھا، جنھوں نے لوگوں کو اپنے پدر اور عم محترم کے مقاصد کی دعوت دی (۱)

حالانکہ مصر کے ابتدائی زمانہ سے عمرو عاص اس کے بعد عتبہ بن ابی سفیان، عقبہ بن عامر اور مسلمہ بن مخلد نے ۴۳ق سے ۴۹ق تک مصر کی باگ ڈور سنبھالی۔ یہاں تک کہ سعید بن یزید/۶۲ق میں مصر کا حاکم ہوا۔ امویوں کے زمانے تک بحران اور لوگوں کے ساتھ خیانت نا انصافی کا غلبہ رہا۔ انھیں زمانے میں گرانی بہت بڑھ گئی تھی اتنی زیادہ افزائش اور اقتصادی حالات کی ابتری پہلی مرتبہ ذکر کی جاتی ہے (۲)

اس کے بعد سے بنی عباس کی تحریک زور پکڑتی گئی۔ بہر حال مروان حمار (۱۲۷-۱۳۲ق) کیوجہ سے امویوں کے خلاف بحران میں شدت پیدا ہوئی۔ آخر میں وہ صالح بن علی عباسی کے ہاتھوں قتل ہوا اور امویوں کا دور اقتدار ختم ہو گیا۔ صلاح الدین نے فاطمیان پر غلبہ پانے کے بعد جب تمام حالات پر کنٹرول پا لیا تو آثار تشیع اور فاطمیان کو مٹانا شروع کر دیا، صلاح الدین نے ذی الحجہ/۵۶۵ میں حکم دیا تا کہ اذان سے حی علی خیر العمل کو نکال دیا جائے اور اس کی جگہ خلفاء راشدین پھر عباسیوں کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

خلیفہ فاطمی میں المعز کی شکست کے بعد اس کے گھر کو شافعی مذہب کا مدرسہ بنایا گیا، فاطمی محل کو اسپتال میں تبدیل کر دیا گیا۔ شیعہ مراکز میں سنی مذہب کی تبلیغ کے لئے علما کو بھیجا گیا۔ فاطمی سلطنت پر قبضہ کے بعد قاہرہ کے سب سے بڑے اسماعیلی کتابخانہ کو جلا دیا گیا۔ عاشورا جو اہل بیت رسول کی مظلومیت کا دن ہے، اس دن کو مصر کے لوگ حزن و غم کا دن مناتے تھے، لیکن مقریزی کے بقول وہ خوشی و شادمانی کے دن میں تبدیل کر دیا گیا (۳)

۱۔ فاطمیان در مصر، ص/۷۰۔

۲۔ فاطمیان در مصر، ص/۹۸، ۹۹۔

۳۔ [illegible]

اس طرح کے واقعات کئی ملک میں انجام دیئے گئے، لیکن عزاداری کی برکت سے یہ ساری سازشیں سیلاب کے خس وخاشاک کی مانند بہ جاتے ہیں۔ آیۃ اللہ محمد علی تسخیری ایرانی عالم کے بقول شمالی افریقہ کے مراکش میں روز عاشورا کو عید کا دن گڑھ لیا گیا تا کہ لوگ نئے کپڑے پہنیں، تاویل میں باتیں بناتے ہیں کہ آج ہی کے دن کشتی نوح زمین پر بیٹھی تھی لہذا جشن مناؤ۔ اندلس میں بھی اسی طرح کے رسم ورواج دیکھنے کو آئے۔

غرضکہ اس طرح کی عداوتیں شیعہ ہونے کی وجہ سے اوران کی بیداری کی بناء پر ہوتی تھیں۔ بنی حمدان عراق فاطمیین مصر، بہمنی سلاطین جنوب ہند، علوی شمالی افریقہ، زیدیہ اور ادرسی یہ ساری حکومتیں شیعہ تھیں۔ اکثر حکومتیں قدرت مند اور شریعت اسلامیہ کی پابند ہوتی تھیں۔

محمود غزنوی نے ایران کے شہر رے میں سینکڑوں علماء، بزرگ، سادات کو جو اکثر مازندرانی تھے، پھانسی پر چڑھا دیا تھا۔ حلب میں ایک پتھر، جو صخرۃ الدم سے مشہور ہے، یہاں پر کئی ہزار شیعہ علماء کا صلاح الدین کے حکم سے سرقلم کر دیا گیا تھا۔

آپ دیکھیں! زمانہ صفویہ میں خان ازبک اور سلطان عثمانی سب متحد ہو گئے تھے تا کہ صفویہ جو شیعہ حکومت تھی ختم ہو جائے (۱)

فاطمی حکومت میں ایک مدت ۲۹۷ھ سے ۳۶۲ھ تک مغرب میں عبید اللہ المہدی، القائم بامر اللہ ابوالقاسم محمد، المنصور باللہ اسماعیل اور المعز لدین اللہ ابوتمیم معد بعنوان خلافت حکومت کی۔

فاطمی حکمران کے دوسرے دور میں ۳۶۲ھ سے ۵۶۷ھ تک ۱۱؍خلافتوں نے حکومت کی، جس کی فہرست اس طرح ہے:

المعز لدین اللہ، العزیز باللہ ابومنصور نزار، الحاکم بامر اللہ ابوعلی منصور، الظاہر لاعزاز دین اللہ ابوالحسن علی، المستنصر باللہ ابوتمیم معد، المستعلی باللہ ابوالقاسم احمد، الآمر باحکام اللہ ابوعلی منصور، ابوعلی الافضل، الحافظ لدین اللہ ابو میمون عبدالمجید، الظافر باعلاء اللہ ابومنصور اسماعیل، الفائز بنصر اللہ ابوالقاسم عیسی اور العاضد لدین اللہ ابومحمد عبداللہ۔

۱۔ فصل نامہ شیعہ شناسی، سال اول ش ۲، سال ۱۳۸۲۔

مرزائے شیرازی اور تنبا کو حرمت کا فتویٰ

اس وقت انگریزوں کی حکومت کے عروج کا یہ عالم تھا کہ ان کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا جس جگہ کرہ ارض پر بھی سورج چمکتا ہوتا وہاں ان کی حکومت ہوتی تھی۔ شیعہ مفتی مرزائے شیرازی کے تاریخی فتوے نے ایک مثال قائم کردی ہے کہ اتنی بڑی حکومت جس میں سورج نہیں ڈوبتا تھا ایک فتوے کے ذریعہ متزلزل کردیا۔

انگریزوں کے لئے تنبا کو کا مسئلہ اتنا اہم نہیں تھا، اس سے زیادہ مہم یہ تھا کہ ان کے اتنے بڑے اقتدار کی جاہ وحشمت اور صولت وعظمت کو ایک فتویٰ نے خاک میں ملادیا۔ اگرچہ اس کا انگریزوں نے انتقام لیا اور کہا جاتا ہے کہ مرحوم شیخ فضل اللہ نوری کو اسی سلسلہ انتقام میں سولی پر چڑھایا گیا تھا۔

مرحوم مرزائے محمد تقی شیرازی نے، جو مرزائے دوم سے مشہور ہیں، انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔

عثمانی شکست کے بعد ملک کے کسی عالم یا مصلح میں یہ جرأت نہ تھی کہ جو یہ کام کرے۔ اگرچہ عثمانی حکومت میں مشکلیں تھیں۔ اس کے باوجود انگریزوں سے جہاد کرنے کا فتویٰ دیا۔

مرزائے محمد تقی شیرازی، مرحوم سید مصطفیٰ کاشانی جو آیۃ اللہ کاشانی کے والد محترم تھے، طلبہ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اسلحہ بدوش انگریزوں سے جہاد کیلئے نکل پڑے تھے۔

اس کے بعد تیل کا بھی مسئلہ پیش آیا لیکن خاص بات کہ جہاں بھی شیعوں نے کوئی اتحاد کا ماحول بنایا، یا حکومت بنائی اس کے مقابلہ میں سب متحد ہوگئے کیونکہ شیعوں کا وجود سیاست وحکومت کے میدان میں یقیناً بہت موثر پائیدار کارآمد اور مفید ثابت ہوتا تھا، وجہ یہ تھی کہ سربراہان مملکت چاہے لوگوں کے خوف سے صحیح اسلامی حدود و شرائط کی رعایت کرتے تھے۔

یہاں قدرے شیعہ مسلک کے متعلق بحث ہوئی، اگرچہ عہد حاضر میں کوئی سالم فہم و درک رکھنے والا تاریخ اسلام کا دقت سے مطالعہ کرنے والا صدر اسلام کا کافی حد تک حالات کا جائزہ۔ لے سکتا ہے کہ سامراجی طاقتیں جو اسلام اور اس کے شعائر کو نابود کرنے پر تلی ہوئی ہیں ہر جگہ شیعوں کے آثار اور شعائر کو ختم کررہے ہیں اگرچہ یہ صدر اسلام سے ہی دیکھا جارہا ہے، آج بھی اس فرقہ وارانہ تصادم میں زیادہ تر سامراج کا ہاتھ رہا ہے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کے زمانے سے ہی اسلام کو سب سے زیادہ نقصان ایسے لوگوں سے پہنچا ہے، آج بھی ایسے ہی

مسلمانوں کے ساتھ ملکر سامراج مسلمان کشی کر رہا ہے۔افغانستان کی بربادی ہو یا عراق کی تاراجی، لبنان پر لشکر کشی ہو یا فلسطین کی غارت گری اس میں بڑے منصب کے سربراہ جیسے صدر محمود عباس ابو مازن.. مسلمان دشمن، قاتلوں اور ظالموں کا ہم نشین ہم مقصد ہے، یہ سب منافق خود فلسطینی عوام کا خون پی رہے ہیں، امریکہ سے دولت اور حکومت کی ضمانت ملی ہوئی ہے لہذا مسلسل محروم مخلص صدر اسلام کے بعد اہلبیتؑ کے حق میں بھی کفر نفاق کا کچھ کیطرح کا طریقہ کار رتھا چنانچہ آج بھی استعمار مسلمانوں کا قتل ہو رہا ہے،استعمار کے گماشتہ درباری مفتیوں کا مسلسل شیعہ کشی آثار اہلبیت کی بربادی اور شعائر الٰہی کے انہدام کا فتوی آرہا ہے، قاضی شریح جیسے مفتی نے ہی نواسۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا فتوای دیا تھا۔آج بھی ان کے خاندانی اور سیاسی عناصر موجود ہیں۔جن کا مشغلہ ابھی تک وہی فتنہ، فساد اور قتل و دہشت ہوا کرتا ہے۔اب اگر مسلمانوں کے درمیان وارداتیں ہوتی ہیں تو انھیں ظالموں کے دست ظلم اس جرم میں ملوث ہوا کرتے ہیں اور بدنامی اسلام و مسلمان کی ہوتی ہے۔

اسلام خوشی یا غم، خوف یا امن

اسلام سلم سے ماخوذ ہے۔ سلم کے معنی امن وسلامتی اور راحت ہے۔ خداوند عالم سلام ہے، (حشر/۲۳) بہشت امن وسلام کی جگہ ہے، دین کا نام اسلام ہے، جس کی بنیاد ہی امن وسلامتی ہے، دین کی رسالت صلح ہے، اسلام صلح وصفا کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ اب دین کا بنیادی مقصد لوگوں کو ایسے درست اور پرامن راستے کی نشاندہی کرنا ہے، جو لوگوں کو نشاط وراحت فراہم کرتا ہے۔ آج اکیسویں صدی میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ یورپی ممالک کی نسبت اسلامی ملکوں میں خودکشی، بداخلاقی، جنسی بے راہ روی، قتل وغارت اور لوٹ مار نسبتاً بہت کم ہے اور جو بھی ہے وہ بیشتر غربیوں کی مرہون منت ہے۔ سامراج کتنا عظیم سرمایہ اپنی تہذیب وثقافت اور افکار پھیلانے میں صرف کر رہا ہے جبکہ خود یورپی ملکوں میں مایوسی، حیرانی، سرگردانی، خودکشی، زنا، ہم جنس بازی، لوٹ مار اور قتل وغارت زیادہ ہے اگرچہ میڈیا اور سکیورٹی کے بل بوتے پر ان کو عام نہیں ہونے دیتے ہیں۔ جبکہ اسلام کو تمام مادی مکاتب کے مقابلہ میں ایک خاص ہویت اور خصوصیت حاصل ہے۔

﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اَنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (۱)

حق آیا اور باطل گیا یقیناً باطل نابود ہونے والا تھا۔ خدا کا حق کی تائید کرنا تاکہ انسانیت کو نجات دیا جاسکے۔

﴿وَيُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ﴾ (۲)

اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کی حقانیت کا اثبات کردے۔

۱۔ سورہ اسراء آیت ۸۱۔

۲۔ سورہ انفال، آیت ۷۔

اس سلسلہ میں امام علی - نے پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانہ بعثت کی یوں توصیف کی ہے:

"أَرْسَلَهُ عَلَى حِينَ فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ وَطُولِ هَجْعَةٍ مِنَ الأُمَمِ وَ اعْتِزَامٍ مِنَ الْفِتَنِ وَ انْتِشَارٍ مِنَ الأُمُورِ... ثَمَرُهَا الفِتْنَه وَطَعَامُهَا الجِيْفَه وَشِعَارُهَا الخَوْف وَ دِثَارُهَا السَّيْف"(۱)

خداوند عالم نے اپنے پیغمبر کو ایسے وقت میں بھیجا کہ نبیوں سے پہلے، قوم طولانی خواب غفلت میں سوئی ہوئی تھی، فتنہ وفساد پورے عالم پر محیط تھا، تمام امور زندگی منتشر اور ایک دوسرے سے بچھڑے ہوئے تھے، آتش جنگ چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی۔ دنیا سے نور اور اس کی روشنی جا چکی تھی، قوم ظلمت وتاریکی میں گر چکی تھی، غلو اور غرور عالمگیر ہو چکا تھا، درخت زندگی کے اوراق زرد، ان کی شاخوں پہ کوئی میوہ باقی نہ رہ گیا تھا، نشاط وشادابی لوگوں کی اجتماعی زندگی سے رخت سفر باندھ چکی تھی، آثار ہدایت منہدم ہو چکے تھے، بدبختی وذلت کی نشانیاں ہر طرف سے سر اٹھائے ہوئے تھی، شکل وقیافہ بدنما ہو چکا تھا۔ اس درخت کا ثمر فتنہ، اس کا طعام مردار جانور، دلوں میں سخت خوف اور ہاتھوں میں شمشیر تھی اور ادھر اسلام کا ہمیشہ باقی رہنے والا ہمہ گیر آئین، رہنما، راہ گشا، معنوی اور مادی مشکلات سے چھٹکارا دینے والا، سعادت وخوشحالی بخشنے والا، دنیوی اور دینی معاشرہ پر مشتمل بہترین آئیڈیل اور مدینہ فاضلہ کی لاجواب مثال ہے۔

امام خمینیؒ نے سوویت یونین، کمیونسٹ کے صدر میخائیل گورباچوف کو لکھا تھا: آپ کی اصل مشکل مالکیت، آزادی اور اقتصادی امکانات نہیں بلکہ تمام تر پریشانیوں کا منبع خداوند عالم کی ذات پر یقین نہ رکھنا ہے۔ یہ وہی مشکل ہے کہ جس نے اہل مغرب کو تباہ وبرباد کیا ہے۔ امام خمینی نے پیشین گوئی کی تھی کہ جس قوم کا اعتقاد اللہ کی ذات پر نہیں ہوگا تو اس کو ایک نہ ایک دن تباہی وگمراہی کے گڈھے میں گرنا ہی ہے۔ کہا تھا کہ اس کے بعد کمیونسٹ کو تاریخی عجائب خانوں میں تلاش کرنا پڑے گا کیونکہ یہ انسان کی اصل ضرورت کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔

اب جب کہ ساری چیزوں کی بازگشت ذات باری تعالیٰ تھی ہر قوم وقبیلہ کا ہدف معین تھا، ہر شخص کو اپنی کامیابی کے بارے میں فقط یہ تشویش ہوتی کہ ہم اس سعادت اور رضائے الٰہی کو کیسے حاصل کریں۔

۱۔ ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ، ج ۶/ص ۳۸۷/۔

دینی افکار سے جنگ

ہادیان دین کی خصوصیتوں میں سے ایک بنیادی خصوصیت معاشرہ کے لوگوں میں علم ومعارف، عدل اور مساوات کا اقامہ کرنا ہوتا ہے تا کہ لوگوں کو راحت وامنیت بہم پہنچ سکے۔ سامراج اپنی تمام تر طاقت اور وسائل سے مداخلت کر کے انقلاب وتحریک اور کودتا کے ذریعہ لوگوں کے ذہنوں سے دینی افکار اور خدائی اصول چھین لینا چاہتا ہے۔ اسی لئے ہر ملک میں نفوذ بڑھا کر باگ ڈور اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔

الجزائر: میں جس وقت انقلاب کامیاب ہوا، ملک کا پہلا صدر احمد بن بلا ہوا، ایک ہی دوسال میں بومدین جو فوج کا جنرل تھا اس کے خلاف بغاوت کروادی، بومدین برسر کار تھا اس کے مرنے کے بعد شاذلی بن جدید صدر ہوا وہ بھی فوجی تھا۔

امریکہ: اپنی ڈموکراسی کی ہر جگہ تاکید اور تشہیر کرتا ہے۔

الجزائر میں اس کا بہت اصرار تھا، ڈموکراسی برقرار کرو!

امریکہ نے شاذلی بن جدید کو دعوت دی، ریگن سے واشنگٹن کے ہوائٹ ہاوس میں ملاقات کی، مشترک انٹرویو دیا، لوگوں کی آزادی کے لئے میئر کا انتخاب برگزار کروایا، ہر جگہ الیکشن میں ''جبہہ نجات اسلامی'' نامی پارٹی کامیاب ہوئی۔ امریکہ فوری طور پر خود آ گیا اور صاف صاف لفظوں میں کہا ہم ڈموکراسی کے رواج سے اس طرح کا نتیجہ نہیں چاہتے تھے۔ بعض امریکی نظریہ پردازوں نے کہا ہمارا مقصد سکولر حکومت ہے اور اگر اس ڈموکراسی سے حاصل کیا گیا نتیجہ دینی اور اسلامی حکومت ہے تو نتیجہ کو قبول نہیں کرتے ہیں لہذا ڈائریکٹ مداخلت کی، یہاں تک کہ کودتا کرائی اور آقا عباس مدنی اور آقا بلحاج اور دوسرے ''جبہہ نجات اسلامی'' کے سرکردہ افراد کو گرفتار اور قید

کردیا گیا، اس وقت سے آج تک وہاں پر قتل وخونریزی کرا کے ان کی نسل کشی کا سلسلہ جاری ہے۔

یہ غریبوں کی ڈموکراسی جیسی حکومت کی مثال ہے!

جس میں ایک لاکھ کا قتل عام ہوا، جرم فقط یہ کہ لوگ اسلامی نظام چاہتے ہیں، بس!

یہی واقعہ شیلی میں آلندہ پر اور ونز وئلا میں چاوز پر تکرار ہو چکا تھا۔

امریکہ، انگلینڈ، پیرس سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، یہ سب نہیں چاہتے کہ کہیں پر اسلامی حکومت قتدرتمند اور پائدار ہو سکے۔

ترکیہ میں اسی طرح کا سفید کودتا کرایا گیا۔

اربکان کو بھی اور آگے کی سوجھی، لائیک حکومت بنی، جسکو آتاتوک نے بنایا تھا، جب وہاں صدر مملکت کے عنوان سے وزارت عظمیٰ کے مکان میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے، وزیر اعظم کے کارمند، دیگر وزراء اور بڑے بڑے ڈپلومیٹ سیاسی لوگوں نے پیچھے کھڑے ہو کر نماز جماعت ادا کی، آخر کار جنرل آیا اور ان کو برخواست کر دیا۔ امریکی نظریہ پردازوں نے کہا:

تمام اسلامی ملک ٹرورزم اور دہشت گرد ہیں، علاوہ ایک ملک جو اچھا ہے وہ ہے ترکیہ، کیوں؟

چونکہ ترکیہ کا جنرل امریکہ کا فرمانبردار تھا، جب بھی امریکہ چاہتا لوگوں کی حکومت کو گرا دیتا تھا۔

سوڈان کو دیکھ لیجئے

امریکہ کا مطیع نہ ہونے پر کون سی بلا اور سختی میں گرفتار نہیں ہوا۔ اقتصادی محاصرہ، لوگوں کو کودتا کیلئے تحریک کرنا، آخر میں دوا کے کارخانہ پر بمباری کر کے پورے کارخانہ کو تباہ و برباد کرا دیا گیا۔

جنوب کے باغیوں کو تحریک کرنا، ارتیرہ کو سوڈان کے بارڈر پر صف آرائی کی تحریک، مصر کو سوڈان کے شمالی حصہ پر قبضہ جمانے کی تحریک اور اس طرح کے سیکڑوں مشکل آفریں کاموں کی تحریک کرنا شامل ہے، کیوں؟

سوڈان چاہتا ہے اپنی معلومات کے مطابق شریعت کو ملک اور ملت پر حاکم بنائے۔

جہاد مقدس یا داد خواہی

انسان فطری طور پر پرامن اور حیات بخش ایک دین یا ایک طریقے پر پیدا ہوا ہے جو لوگوں میں حقوق اور مساوات چاہتا ہے۔ عدم مساوات ناانصافی ظلم و سرکشی جیسے کام انسان اپنی فطرت سے ہٹ کر انجام دیتا ہے۔ دنیاوی جنگوں کے اسباب و علل مختلف ہوتے ہیں، عام طور پر سلاطین اور فاتحین کی جنگوں میں لڑنے کا طریقہ، اپنے مقاصد تک پہنچنے کا سلیقہ اور اسلام کے اصول جنگ میں بنیادی فرق ہے۔

انبیاء، وائمہ رحمت خدا ہوتے ہیں، ان پر خواہشات غالب نہیں آتی وہ ہمیشہ باوقار کرامت کیساتھ اپنے غیض وغضب کو مہار کئے ہوتے ہیں، جب تک امکان میں ہوتا ہے اسلحہ نہیں اٹھاتے، اگر اٹھایا بھی تو جہاں تک ممکن ہوتا ہے کسی کو قتل نہیں کرتے، معاف کردیتے ہیں۔ اگر ممکن نہ ہوا تو مقصد جنگ کو پہلے بیان کردیتے تھے۔

﴿اِنَّ الَّذِینَ کَفَرُوا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰہِ اَکْبَرُ مِنْ مَّقْتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَی الْاِیْمَانِ فَتَکْفُرُوْنَ﴾ (۱)

بیشک جنھوں نے کفر اور روگردانی کی انھیں یہ پیغام دیدیا جائے کہ یقیناً اللہ کا تم پر غصہ ہونا اس سے بہت زیادہ ہے جو تم خود سے غصہ ہوتے تھے، جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر تو کفر کرنے لگتے تھے۔

رہ گیا جنگ کی ایک خاص شرط ہوتی ہے۔ خاص طور سے ظہور اسلام میں شرائط بڑے سخت تھے، دشمن قدرتمند تھے، فتنہ وفساد اور ہجوم برپا کرنے کی خاطر اسلام کی کمین میں پناہ گزین تھے۔

۱۔ سورۂ غافر، آیت ۱۰۔

﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوْا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْءَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَ تْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۱)

اگر مومنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑ جائیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اگر لوٹ آئے پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اگر دو جماعتوں میں نا اتفاقی ہو جاتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب ہمیشہ کیلئے دشمنی، عناد، قتل و غارت اور فتنہ و فساد پھیلایا جائے! نہیں بلکہ معاملات کو رفع دفع کر کے زندگی کو از سر نو بحال کیا جائے۔

''اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي الْجِهَادِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعَلَيْكُمْ بِالتَّوَاصُلِ وَالتَّبَاذُلِ، وَاِيَّاكُمْ وَالتَّدَابُرَ وَالتَّقَاطُعَ''

خدا کیلئے اس کی راہ میں اپنی جان، زبان اور مال سے جہاد کرو، ایک دوسرے کے ساتھ میل محبت اور عفو و بخشش کرو، زنہار ایک دوسرے سے جدا نہ ہو، دوستی و محبت ختم نہ کرو، امر بالمعروف اور نہی از منکر ترک مت کرو (۲)

امیر المومنین امام الموحدین علی بن ابیطالب جنگ سے متعلق بیان فرماتے ہیں: جنگ میں

(۱) قومی تعصب سے پرہیز

(۲) آغاز جنگ سے پرہیز

(۳) تشدد و فساد سے پرہیز

کرنا ضروری ہے۔

۱۔ سورۂ حجرات، آیت ۹/۔

دنیا کا نظام جنگ اس کے برعکس ہوتا ہے، ان جنگوں میں اپنا غیض وغضب اور خود غرضی، ملک گیری اور دینی خصوصیات کو ختم کرنا ہوتا ہے لہذا رحمت وعفو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی وجہ سے پہلی فرصت میں اسلحہ اٹھالیا جاتا ہے، جہاں تک ممکن ہوتا ہے قتل وغارت کرتے ہیں اور اختتام جنگ پر مغلوب جماعت کو اسیر بنا لیتے ہیں (۱)

ظالم وجابر حکمرانوں کی یہی تاریخ رہی ہے، جیسا کہ عہد حاضر میں سب سے بڑے ظالم اور جارح اسرائیل اور اس کی حمایت کرنے والے مستکبر ممالک ہیں۔ جن کا بنیادی مقصد قتل وغارت اور فتنہ وفساد کو بڑھاوا دیکر دوسروں پر حکومت کرنا ہے۔

ہر زمانہ میں ایسے ملوک رہے ہیں، جنھوں نے قوموں پر ظلم ڈھایا، قرآن نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوکَ اِذَ دَخَلُوا قَرْیَۃً اَفْسَدُ وْھَاوَ جَعَلُوْا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَا اَذِلَّۃً وَ کَذَالِکَ یَفْعَلُونَ﴾ (۲)

ملکہ سبأ نے کہا جب بادشاہ یا حکمراں کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تہس نہس اور ویران کر دیتے ہیں، وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔

ملکہ سبأ بلقیس کی زبانی پتہ چلتا ہے کہ عموما بادشاہ اور حکمراں جماعت ایک دوسرے ملکوں پر حملہ کرکے قوم کو برباد اور ناموس کی آبروریزی کرتے تھے لیکن اس کے مقابل حق کی حکمرانی جس میں کسی کی حق تلفی وغیرہ نہیں، سب کو ان کے حقوق بہم پہنچانا ہی حکومت کی اہم ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس کے لئے باطل سے دفاع کی طاقت اور حق وداد خواہی کے نفاذ کی قدرت بہر حال ہونی چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ جس وقت قریش پر غالب آئے اور فتح مکہ سے جزیرۃ العرب کو اپنی خدائی قدرت سے غلبہ پالیا تو مغلوب (شکست خوردہ) لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ آزاد ہو (۳)

جنگ احد میں پیغمبر اسلام کو بڑا صدمہ پہنچا، نفرین کی باری آ گئی لیکن چہرہ مبارک سے آنحضرت نے خون

۱۔ عبداللہ جوادی آملی، حماسہ وعرفان، ص ۱۲۸۔

۲۔ سورۂ نمل، آیت ۳۴۔

صاف کرتے ہوئے ہاتھوں کو بلند کرلیا اور بارگاہ احدیت میں فرمایا:

"خدایا میری قوم کی ہدایت فرما"(۱)

امام علی علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل فرماتے ہیں:

"میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، پروردگارا میری امت کو بخش دے، وہ نادان اور جاہل ہیں"(۲)

اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی اور دینی جنگوں میں بنیادی فرق ہے۔

اسلام میں "جہاد" قیام امن کیلئے ہوتا ہے نہ کہ دہشت گردی یا خونریزی پھیلانے کیلئے۔ حالانکہ اسلام دشمن جماعتوں کا کہنا ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو جہاد کا حکم دیکر انھیں آتش جنگ میں جھونک دیتا ہے..ان کی یہ فکر کم علمی یا تعصب کی وجہ سے ہے۔ اسلام کا مقصد جنگ سے دہشت پھیلانے کا نہیں جہاد کے ذریعہ امن وسلامتی اور انصاف عام کرنا ہے، دنیا سے فساد، خونریزی، لوٹ مار، ظلم وتشدد، بے جا من مانی اور شر پسندوں کی دھاندلی کو ختم اور روک تھام کرنا ہے۔ کیا اسلام میں محارب کو مجرم نہیں مانا جاتا ہے؟ یہی تو دہشت گردی ہوئی اسکا بھی حکم ہے ۱۱ر ستمبر کے بعد امریکہ اور اس کے حامی ممالک نے باقاعدہ طور پر دہشت گردی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جس بہانے سے دنیا بھر میں خصوصاً عالم اسلام میں دہشت، قتل وغارت گری کا بازار گرم کر دیا ہے...

دنیا کے امن وانصاف پسند لوگ غور کریں کہ امریکہ و برطانیہ اور دیگر ممالک نے کس جواز کی بناء پر دیگر ملکوں پر حملہ کیا، کتنی بڑی ہٹ دھرمی سے کام لیا ہے۔ یقیناً یوروپین ممالک کے حالات کو سامنے رکھ کر ہر منصف مزاج نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جو آج یہ سب امن کے دعویدار بنے ہیں، در اصل یہ خود ہی دہشت گرد ہیں اور رہا اسلامی دہشت گردی کا سوال تو اس کا اسلام سے کوئی ربط ہی نہیں ہے۔ یہ محض الزام ہے، ایک فریب ہے جو مغرب کی طرف سے عوام الناس کو ورغلایا جاتا ہے تاکہ خود ان کا اپنا حقیقی بھیانک چہرہ بے نقاب نہ ہو جائے(۳)

۱۔ علامہ محمد باقر مجلسی: بحار الانوار ج ۹۶/۲۰۔

۲۔ علامہ محمد باقر مجلسی: بحار الانوار ج ۳۰/۱۰۔

۳۔ یوسف رامپوری، روزنامہ راشٹریہ سہارا، ۲۸ر جولائی ۲۰۰۲۔

دہشت گردی یا جہاد مقدس

تشدد کی ایک اور مثال

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ اَرْضِنَا اَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَاَوْحَىٰ اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ﴾(۱)

کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں ملک بدر کردیں گے یا کہ تم لوگ ہماری ملت کی طرف لوٹ آؤ، ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ہی غارت کردیں گے، جن ظالموں کا مطالبہ یہ تھا کہ خدائی نمائندے اپنی رسالت اور لوگوں کی حمایت سے دست بردار ہو کر ظالم اور کافر کی اطاعت کرلیں۔

رسول کو اذیت کا سامنا

ابن اسحاق سے نقل ہے ابولہب کی بیوی ام جمیل حمالۃ الحطب نے جب سنا کہ میرے، اور شوہر کے لئے قرآن میں آیت نازل ہوئی ہے تو وہ ایک پتھر لئے ہوئے رسول خدا ﷺ کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی، رسول اکرم ﷺ مسجد الحرام میں بیٹھے ہوئے تھے، ابوبکر بھی تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی سلب کرلی اور اپنے رسول کی حفاظت فرمائی (۲) پتہ چلا کہ رسول اکرم کو یہ ساری تکالیف اسلام وقرآن کے احکام کی تبلیغ میں اٹھانی پڑی ہے۔

۱۔ سورۂ ابراہیم: آیت ۱۳۔

۲۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ، ج ۸/۲۔

عذاب کی خبر دو

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِآیَاتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیِّیْنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر اور روگردانی کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کرڈالتے ہیں اور جو لوگ عدل وانصاف کی بات کہتے ہیں انھیں بھی قتل کرڈالتے ہیں، اے نبی! انہیں دردناک عذاب کی خبر دیجئے (۱)

دہشت اور وحشت

اس میں شک نہیں کہ قرآن میں بڑے عبرتناک قصے بیان ہوئے ہیں، ان میں ایک قصہ فرعون کے بارے میں مشہور ہے کہ جب فرعون نے قوم سے کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر ایمان لے آئے؟

یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا سردار ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے، سو تمہیں ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا، قسم ہے میں ابھی تمہارے ہاتھ پاؤں الٹا کر کے کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا (۲)

اس سے پتہ چلتا ہے دشمنان حق نے ہمیشہ انبیاء اور خدا کے نیک بندوں پر رعب و دہشت پھیلانے کا ایک طریقہ اپنا رکھا تھا تا کہ اس سے اپنے پست مقاصد کو حاصل کرسکیں منجملہ یہ کہ انبیاء اپنی تبلیغی ذمہ داری کو ترک کردیں اور لوگوں کو بھی رسولوں کی حمایت سے دور کردیں۔ اس طرح اگر لوگ اپنے نبیوں اور اماموں سے جدا ہوگئے تو اسلامی مقاصد ناکام ہو جائیں گے۔

قرآن میں دہشت گردی کی سزا

اسلام نے دہشت گردی کے حکم کو عام اور اس کے خطرات سے لوگوں کو آگاہ کیا ہے۔ دہشت گرد کو لفظ محارب سے یاد کیا ہے، جو بڑا جرم ہے چنانچہ جو بھی اس کا مرتکب ہوگا، وہ دہشت گرد شمار ہوگا اس کی شریعت میں سزا معین ہے

۱۔ سورہ آل عمران، آیت/۲۱۔

۲۔ سورہ شعراء، آیت/۴۹۔

أَنَّمَا جَزَاؤُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَ رَسُولَه وَ يَسعَونَ فِي الارضِ فَسَادًا اَن يُّقتَلُوا اَو يُصَلَّبُوا اَو تُقَطَّعَ اَيدِيهِم وَ أَرجُلُهُم مِن خِلَافٍ أَو يُنفَوا مِنَ الاَرضِ ذَالِكَ لَهُم خِزيٌ فِي الدُّنيَا وَلَهُم فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ .

جو اللہ اس کے رسول سے جنگ کریں اور زمین پر فساد برپا کریں ان کی سزا یہی ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ اور پیر مخالف سمت سے کاٹ دیئے جائیں یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ ان کی دنیوی ذلت ورسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے(۱)

یہ ایک عام حکم ہے، مسلمان ہو یا غیر، اگر مرتکب ہوا پھر تو حدود اسلامی کا مستحق ہے۔ اس میں منظم اور مسلح کوئی جتھا، جماعت ہو جو حکومت کے خلاف کوئی کاروائی کرے، یا صحرا و بیابان اور راستوں پر بیٹھے ہوں اور اچانک قافلوں پر حملے کر دیں یا یرغمال بنالیں یا آبروریزی کریں۔ غرض رہزنی، قتل، لوٹ مار، ہتک حرمت، خوف زدہ کرنا، قانون کی خلاف ورزی کرنا، جرم کا مرتکب ہونا اور دیگر فساد شامل ہیں جن کی بناء پر اسلام نے اس کی سخت سزا معین کی ہے۔ اس کو خدا، رسول سے جنگ کے مترادف قرار دیا ہے تا کہ یہ سلسلہ موقوف ہو جائے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ افراط و تفریط کا حق کسی کو حاصل ہو۔ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ المستشار عبدالحلیم الجندی مصری نے اپنی کتاب الامام الصادق کے باب،، علی خلفائے راشدین کے دور میں،، لکھا ہے کہ ایک خاتون نے اقرار زنا کیا، حضرت عمر نے رجم کا حکم دیدیا، امیرالمومنین امام علی ابن ابیطالب آئے فرمایا شاید اس کے پاس کوئی عذر ہو، ابھی سزا مت دو۔ پوچھنے پر بتایا کہ اس امر میں وہ شخص شریک ہے کہ جس کے اونٹ، دودھ اور پانی سب تھا، میرے پاس یہ سب نہ تھا۔ جب پیاس لگی تو پانی پینا چاہا، اس نے روکا تا کہ میں اپنا نفس اس کے حوالے کر دوں، تین مرتبہ یہی واقعہ ہوا کہ اس نے مجھے پانی نہیں پینے دیا یہاں تک کہ جب پیاس حد سے بڑھی کہ میری روح جسم سے نکل جائے گی تو میں نے چند قطروں کے عوض اس کو اجازت دیدی جس کا یہ نتیجہ ہے۔ امام علی مانع ہوئے اور کہا اللہ نے نہیں فرمایا.. فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ؟ حرام کام کی انجام دہی پر مجبور کیا گیا تو ظالم نہیں ہوگا۔

۱۔ سورہ مائدہ آیت ر۳۳۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین کا سامنا

اسلام میں منافقت اس وقت ظاہر ہوئی جب پیغمبر اسلام بڑی جاہ وحشمت کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے۔ منجملہ عبداللہ بن ابی نے دیکھا کہ اب تو ہماری سیادت اور ریاست ہاتھ سے نکل گئی، تو آنحضرت سے بغض وعناد کرنا شروع اور آخری عمر تک باقی رہا۔ مقابلہ کرنے سے عاجز تھے اس کے باوجود خاموش نہ بیٹھے بلکہ جدید طریقہ اختیار کیا کہ ظاہری طور پر رسول اللہ کے ہمراہ ہوگئے اور رسول اللہ کی وصف صحابیت سے فائدہ اٹھایا، نئے سادہ لوح مسلمان سمجھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ، اسلام وقرآن اور رسول کی حفاظت میں سرگرم ہیں۔

سب سے خطرناک حالت منافقین کی یہ تھی کہ مسلمانوں کے ہمراہ جنگوں میں شرکت کریں مگر شک وتردید میں ڈالتے تھے۔ قرآن میں بارہا منافقین کی وصف بیان ہو چکی تھی کہ اگر ان پر اعتماد کرو گے تو خیانت کرینگے، کلام کریں گے تو جھوٹ، عہد وپیمان کرتے ہیں تو وعدہ وفا نہیں کرتے۔

انھیں لوگوں نے احادیث نبوی کی جمع آوری اور اس کی تدوین کے بہانے رسول اللہ کی خاص حدیثوں کو جو فضائل اہل بیت اور حضرت علی ؑ کی وصایت وفضیلت کے بارے میں تھی، اکثر ضائع کردیا اور ولایت، امامت و خلافت میں ہمیشہ کے لیے ابہام واشکال پیدا کر کے اس کی معنویت وحقیقت کو چھپایا۔ علم وفضل اور جملہ کمالات کے باوجود امام کو خانہ نشین ہونا پڑا، پچیس سال کے عرصہ میں جب حالات مساعد نہ رہے، مختلف مقامات سے شخصیتوں بزرگوں نے اصرار کیا کہ اب کوئی نہیں ہے جو اسلامی خلافت کی باگ ڈور سنبھال سکے۔ امام نے زبردستی قبول فرمایا تو اپنی کوتاہیوں کو امام کی گردن پر ڈالنا چاہا اور امام کی درست سیاست وعدالت سے گریز کیا۔

ابوسفیان سردار فتنہ وفساد۔ نے شروع ہی سے عجیب وغریب اور منافقانہ رویہ اختیار کیا، جس وقت ابوبکر نے

اقتدار سنبھالا اور غصب خلافت کا مسئلہ سامنے آیا تھا تو ابوسفیان نے اختلاف ایجاد کرنے کی غرض سے امام علیؑ کے پاس آیا اور قیام کی دعوت دی تا کہ ابوبکر اور امام کے درمیان جنگ و اختلاف سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے، اس کی سیاست سے کوئی دوسرا متاثر ہوسکتا تھا لیکن امامؑ فتح مکہ کے وقت اس کی بدنیتی دیکھ چکے تھے، اس کی سیاست سے بخوبی آگاہ تھے لہذا بیعت قبول نہ کی۔ یہی شخص جب قبر حضرت حمزہؓ پر آیا تو اپنا پیر قبر پر مارتے ہوئے کہتا ہے:

''اے حمزہ! جس اسلام کی خاطر کل تک تم لوگ لڑ رہے تھے، آج وہ ایک گیند کی طرح میرے فرزندوں کے اختیار میں ہے''(۱)

رسول اللہ ﷺ نے تین مخالف افراد کے بارے میں حکم فرمایا:

حضور مدینہ پہنچے تو مخالفین کی ایک جماعت نے مخالفت کی کعب بن مالک، مرارۃ بن الربیع، ہلال بن امیہ تو رسول اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ''ان تینوں میں کسی سے کلام نہ کرنا''

عمار کو منحرف جماعت نے قتل کیا، جس کی رسول اسلام ﷺ پہلے خبر دے چکے تھے:

''اِنَّما تَقْتُلَکَ الْفِئَۃَ الْبَاغِیَۃَ''(۳)

''اے عمار! تمھیں ایک گمراہ اور باغی گروہ قتل کرے گا''

وہ منحرف جماعت معاویہ اور اس کے پیروکاروں کی تھی، جب عمرو عاص اور معاویہ کے سامنے اس کی تائید میں بزرگوں نے بیان دیا اور یقین ہوگیا کہ وہ گمراہ اور لعنتی جماعت ہماری ہی ہے تو کہا ہماری فوج نے عمار کو قتل ضرور کیا ہے لیکن ان کو میدان میں لانے والے علی ابن ابیطالبؑ ہیں۔

ابوسفیان جیسے طلقاء اور اس کے ہمراہیوں کا سابقہ، ان لوگوں کی اسلام اور پیغمبر اسلام سے جنگ وعداوت

۱۔ ابن ہشام: سیرۃ النبویہ، محقق (۱) مصطفیٰ آل ابراہیم، عبدالحفیظ شیعی ج ر۴، ص ر۱۸۵۔

۲۔ المستشار عبدالحلیم الجندی: امام جعفر الصادق: میں تقریبا یہی نقل کیا ہے۔ دیگر کتب تاریخ اور سیرت میں مختلف طریقوں سے یہ روایت ذکر ہوئی ہے۔ ابن ہشام نے السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ر۱۱۰۔ میں ذکر کیا ہے۔

نیز بنی امیہ خاندان کا وقت سے مطالعہ کرنے سے سارے حقایق کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

عہد عثمان میں فاصلہ ہو جانے سے اب منافقت نے کچھ زیادہ ہی سر اٹھایا اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو منافقین کے غلط پروپگنڈہ کا زبردست سامنا کرنا پڑا۔ امام علی علیہ السلام کی بے نظیر حکومت کا استحکام دیکھ کر منافقین نے قتل عثمان کا امام پر جھوٹا الزام لگایا اور خون خواہی کے بہانے بغاوت کا علم سردار منافقین معاویہ نے بلند کیا، جو خون خواہی کا حق دار بھی نہیں تھا۔ عہد خلافت میں معاویہ کو گذشتہ خلیفہ نے شام کا گورنر بنا کر قدرت مند بنایا تھا۔ جس نے شیطانی سیاست کا اتخاذ کیا، امام علی علیہ السلام جیسے مولود کعبہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والے، آنحضرت کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے، معصوم عن الخطا، مجاہد فی سبیل اللہ کو نعوذ باللہ نازیبا القاب سے یاد کیا اور معاویہ جو عرب کا بڑا امکار اور منافقوں کا سردار تھا مسلمان کا امیر کہلایا، یہ تاریخ کا ظلم نہیں تو کیا ہے؟

ہاشم بن عتبہ کہتا ہے، میں نے:

''معاویہ کے لشکر میں ایک جوان کو دیکھا جو بڑے نشاط، امنگ و جذبہ اور ولولہ سے لڑ رہا تھا'' جب اس سے پوچھا: اتنے جذبہ و نشاط سے لڑنے کا سبب کیا ہے؟ جواب دیا: چاہتا ہوں کہ ایسے شخص کو قتل کردوں جو نماز نہیں پڑھتا ہے'' مراد امیر المومنین امام علی علیہ السلام تھے، جنھوں نے نماز کا اقامہ کیا اور اس کی حفاظت فرمائی ہے (۲)

منافقین اتنے جسور ہو گئے تھے کہ امام پر لعن کرنا نماز کا جز بنا لیا تھا اور عبادت بغیر اس کے قبول نہیں سمجھی جاتی، ایسا بھیانک ماحول معاویہ کے قلمرو میں رواج پا رہا تھا۔

جب امام کی مظلومانہ شہادت مسجد کوفہ میں ہوئی، تو معاویہ کی منافقانہ سیاست کا منھ توڑ جواب بن گئی۔ اس سے بڑھکر مظلومیت کیا ہو سکتی ہے کہ بعد شہادت امام علی علیہ السلام کو جائے نامعلوم دفن کیا گیا، جس سے معاویہ اور گروہ منافقین کے غیر انسانی سلوک کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔

بنی امیہ سے عمر بن عبد العزیز بھی تھے کہ جنھوں نے اپنی خلافت کے دوران صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ

۱۔ قاموس الرجال ج ۱۰/ص ۸۹۔

۲۔ تاریخ طبری ج ۶/ ۲۵۵۲۔

خلافت وزعامت میرے اجداد کا حق نہیں تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے سب وشتم جیسی بدعت کو بھی بند کروایا۔ غرض اس طرح کے واقعات سے انسان بخوبی درک کرسکتا ہے کہ اسلام کا حامی وہمدرد کون تھا، دنیا طلب اور مفاد پرست لوگوں نے پوری انسانیت کو خاک وخون میں ملادیا ہے!

معاویہ نے جنگ جمل میں جب ہزیمت اور ذلت کے سوا کچھ نہ دیکھا، جنگ صفین جیسا معرکہ بھڑکایا، دیکھا شکست یقینی ہے تو لشکر علی ابن ابیطالب علیہ السلام میں نفوذ پیدا کیا اور قرآن کا غلط فائدہ اٹھایا اور فوجیوں نے قرآن کو نیزوں پر بلند کردیا۔ کتنے نادان اور جاہل تھے کہ قرآن جن کی شان میں نازل ہوا ہو، جو آیتوں کا روشن اور بہترین مصداق ہو، جو بولتا ہوا قرآن ہو، اس کے قتل کی سازش رچی جائے اور حکم کے مسئلہ میں بھی امام علیہ السلام کی باتوں پر توجہ نہ کی گئی۔ ابوموسیٰ اشعری کو منتخب کیا جس نے امام کو حکومت سے معزول کردیا اور جھٹ پٹ عمروعاص نے معاویہ بن ابوسفیان کو شاطرانہ اور عیارانہ طور سے مسلمانوں کا حاکم منصوب کردیا۔ اسی سیاست نے خوارج کو جنم دیا جس جماعت نے امام کو محکوم ومجبور کرنا چاہا۔

مکروفریب کے ڈرامے سے حرقوص بن زہیر سردار ہوا، یہی شخص تھا کہ جب حنین میں جنگی غنائم تقسیم ہو رہے تھے تو ہمارے پیغمبر اکرم ﷺ پر اعتراض کیا اور کہا تھا:

”اَعْدِلْ یَا مُحَمَّدُ..“ اے محمد! عدالت سے کام لیجئے!!

آنحضرت نے جواب دیا: مجھ سے زیادہ عدل وانصاف کرنے والا کون ہے؟

مسلمان اٹھے کہ اس بدتمیز وگستاخ کو اس کے کیفر کردار تک پہنچادیں لیکن آنحضرت نے فرمایا:

اسے چھوڑ دو! کیونکہ اس کے پیروکار ہوں گے جو اتنی عبادت کرنے والے ہوں گے کہ تم اپنی عبادتوں کو اس کی نسبت ناچیز شمار کروگے لیکن وہ ان عبادتوں کے باوجود دین سے خارج ہوجائیں گے (۱) اسی طرح سورۂ توبہ میں آیت ۷۴ میں آیا ہے: یہ منافق اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں، انھوں نے نہیں کہا ہے حالانکہ انھوں نے کفر کہا ہے اور اسلام لانے کے بعد کافر ہوگئے ہیں۔ اس آیت میں رسول کیساتھ گستاخی کی، استفسار کیا گیا تو منکر ہوگئے۔

۱۔ الدرالمنثور، ذیل سورۂ توبہ آیت ۵۸۔

مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا فتنہ

اب انھیں منافقین نے منصوبہ بنایا، حبیب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر راتوں رات چالیس اہل قبائل کیساتھ حملہ کردیا گیا تاکہ آنحضرت کو شہید کرڈالیں، رسول اللہ کے لئے ابوجہل نے قریش سے کہا:

دیکھا! ہمارے دین میں عیب لگاتا، ہمارے بزرگوں کا مذاق اڑاتا، ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے، لہذا میں نے اللہ سے عہد کیا کہ کل جسوقت وہ سجدہ میں جائیں گے، میں اس کے سر پر پتھر ماردوں گا، دوسرے دن صبح ہوتے ہی ابوجہل نے پتھر لیا اور جب رسول اللہ نماز پڑھنے لگے، قریش اطراف میں بیٹھے کہ ابوجہل کیا کرتا ہے؟ جیسے ہی سجدہ میں گئے ابوجہل نے پتھر اٹھایا، پتھر کا اٹھانا تھا کہ ابوجہل کا ہاتھ شل ہوگیا اور پتھر ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا (۱)

امام علی علیہ السلام نے فرمایا: قوم نے قریش سے چاہا کہ ہمارے نبی کو قتل اور ہماری جڑ کو ختم کردیں، اور اس سلسلہ میں بڑی تدبیر کی اور جو چاہا ہمارے ساتھ کیا اور ہم سے خوشحال زندگی چھین لیا، ہم کو خوف و وحشت میں مبتلا کیا اور صعب العبور پہاڑوں کو طے کرنے پر مجبور کیا (۲) یہ ہے محارب اور دہشت گردی کی مثال۔ دوسری جانب امام علی جو محافظ رسول ہیں۔ امام نے اس جملے میں لیلۃ المبیت کا اشارہ کیا ہے، چالیس مختلف قوم و قبیلہ کے افراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنا چاہتے تھے لیکن امام علی علیہ السلام آنحضرت کی جگہ سوئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر گئے، اس وقت امام علی کی شان میں آیت نازل ہوئی: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللَّهِ﴾ (۳)

۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج۱/ ۱۷۷۔
۲۔ نہج البلاغہ نامہ/ ۹ ص/ ۴۸۷۔ حاشیہ پر اس واقعہ کا اشارہ کیا گیا ہے۔
۳۔ سورۂ بقرۃ، آیت/ ۲۰۷۔

واقعہ کی تفسیر یہ ہے کہ لیلۃ المبیت کو چالیس افراد مختلف خاندان سے پیغمبر کی جان کو پڑ گے کہ امام علی -کو اپنی جگہ سلایا اور پیغمبر ہجرت کر گئے ۔جس کے بعد پیغمبر اپنے گھر والوں کے ساتھ سخت تپش والے درہ میں چلے گئے بے آب و گیاہ شعب ابیطالب میں تین سال محاصرہ میں بسر کیا، یہاں تک جبرئیل آئے اور قریش کے ساتھ جو عہد و پیمان ہوا تھا اس کو دیمک کے کھا جانے کی خبر دی سوائے ''بِسْمِکَ اللّٰھُمّ'' اور محاصرہ ختم ہوا۔

آگے فرماتے ہیں:

غرض اللہ کا مصمم ارادہ تھا کہ توحیدی معاشرہ اور اس کے حدود وامتیازات کی حفاظت ہمارے ذریعہ سے ہو... اس کے علاوہ بھی رسول اللہ کو آئے دن ڈراتے دھمکاتے رہتے تھے جس کے سبب آنحضرت کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنا پڑا۔صدر اسلام میں جو ایمان لاتے انھیں شکنجہ دیا جاتا تھا، قتل کر دیا جاتا تھا، تاکہ اللہ تعالی کے نمائندہ کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں، جیسے جناب یاسر، جناب سمیہ اور حضرت بلال وغیرہم۔

وفات رسول کے بعد درانحالیکہ جنازۂ رسول دفن نہیں ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ کی وصیت اور تاکید کو بھلا دیا گیا۔واقعہ غدیر جو لاکھوں مسلمانوں کے درمیان پیغمبر نے نہایت صاف لفظوں میں علی ابن ابی طالب -کی جانشینی کا اعلان کیا تھا، جس امر میں مفاد پرست لوگوں نے اختلاف کر لیا(۱)

جب تک آنحضرت باحیات تھے ،قبائل عرب اور دیگر قوم وقبیلہ کی عداوتیں چھپی ہوئی تھیں لیکن بعد از رحلت رسول اعظم ﷺ شیطانی سیاست سامنے آئی ،قریش نے بنی ہاشم سے انحراف کر لیا، دوسرے قبائل بھی جدا ہونے لگے، مدینہ انصار کا شہر تھا چاہا کہ انھیں کے درمیان سے کوئی خلافت کے لئے اٹھ کھڑا ہو(۲)

سقیفہ کے جلسہ میں سعد بن عبادہ انصاری بھی نامزد دعویدار تھا لیکن بعض لوگوں کے سمجھانے بجھانے کی وجہ سے ان کا نام حذف کر دیا گیا تھا(۳)

۱۔ غدیر خم میں حاضر مسلمانوں کی تعداد ۹۰ ہزار سے ۱۲۰ ہزار تھی۔حوالہ: عبدالحسین امینی، الغدیر ج ۹/۱۔

۲۔ محمد بن جریر طبری، تاریخ الطبری، ج ۲/۴۵۵۔۴۶۰۔

۳۔ دیکھئے: طبری، تاریخ الطبری ج ۲/۴۵۹۔

خوف وہراس پیدا کرنا

مرسل اعظم ﷺ کے حالات میں بہت سے واقعات ہیں جو اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ ابو جہل وابوسفیان اور ان کے ہمراہیوں نے رسول خدا کو بڑی اذیت پہنچائی، سب کچھ سن کر رسول خدا، وہاں سے افسردہ دل گھر واپس آ گئے، آنحضرت کے جانے پر ابو جہل نے حاضرین سے کہا: اے جماعت قریش جیسا کہ مشاہدہ کیا محمد بن عبداللہ ﷺ نے تمہارے کام سے مخالفت کی ہے؟ تمہارے دین میں عیب جوئی کی، آباء واجداد کو ناسزا کہا، بزرگوں کو سفیہ اور دیوانہ کہا، تمہارے خداؤں کی بدگوئی سے باز نہیں آتے لہذا میں اپنے سے عہد کرتا ہوں کل بہت بڑا پتھر جتنا اٹھا سکوں گا لیکر جاؤں گا اور محمد ﷺ جیسے ہی سجدہ میں جائیں انکے سر پر ماردوں گا، جب میں یہ کام کروں تو تم بنی ہاشم سے میری مدد کرو گے یا مجھے تنہا چھوڑ دو گے؟ حاضرین نے کہا خدا کی قسم تم کو تنہا نہیں چھوڑیں گے جو عزم وارادہ کیا ہے انجام دینگے۔

دوسرا دن آیا، شب میں ابو جہل نے بہت بڑا پتھر اٹھایا اور جہاں کہا تھا انتظار رسول میں بیٹھ گیا، رسول بھی اپنے معمول کے مطابق مسجد الحرام میں نماز کیلئے تشریف لاتے ہیں۔

دوسری جانب قریش ابو جہل کی قاتلانہ حرکت دیکھنے مسجد میں آئے۔ رسول اللہ ﷺ مشغول نماز ہوئے، یہاں تک کہ سجدہ میں گئے، ابو جہل نے پتھر اٹھایا، آنحضرت کی طرف آیا نزدیک ہوتے ہوئے لوگوں نے دیکھا، پتھر اسکے ہاتھ میں تھا، چند لحہ میں دیکھا رنگ اڑا ہوا، بدن میں لرزہ، وحشت زدہ پیچھے ہٹا، واپس آیا پتھر کو زمین پر پھینکا۔ کئی شخص قریش کے دوڑے کہا اے ابا حکم کیا ہوا اور یہ کیا حال ہے؟ کہا جیسا کہ رات میں کہا تھا میں نے پتھر کو اٹھایا کہ سر پر ماروں جیسے نزدیک ہوا دیکھا ایک شتر زغرانہ ہوا مجھ پر حملہ آور ہوا، خدا کی قسم ایسا بڑا سا اونٹ تیز دانتوں والا ابھی تک نہیں دیکھا تھا، منہ کھولے میرے سر کو پکڑ لیا تھا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ فقط بت پرستی سے مبارزہ تھا بلکہ نفس پرستی، جہل پرستی، خود پرستی، ہٹ دھرمی، دہشت گردی سب سے مبارزہ اور جہاد کیا۔

امام علی علیہ السلام اور آپ کے حامیوں کو آپ سے جدا کرنے نیز ان پر رعب ودحشت بڑھانے کیلئے بدوی بن اسلم کا قبیلہ جو مدینہ میں تھا، بڑے شاطرانہ انداز میں پولیس کے بھیس میں معرکہ میں اتر آیا تھا، جس کے بارے میں حضرت

عمر نے کہا جب تک اسلم کا طائفہ معرکہ میں نہیں آیا تھا کامیابی کی کوئی امید بر نہیں آئی تھی (۱)

ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:

ایک دن رسول خدا ﷺ نے امام علیؑ کے بازو پر ہاتھ رکھا اور رونے لگے، پوچھنے پر بتایا:

(اے اباالحسن!) اس قوم کے دل میں تم سے جو کینہ متعلق ہے اس سبب سے میں رو رہا ہوں، اس کینہ کو ابھی آشکار نہیں کرتے لیکن میرے بعد ظاہر کریں گے (۲)

آل رسول ﷺ پر بہیمانہ ہجوم

یزید بن معاویہ نے جناب مسلم بن عقیل اور ہانی کو بعد شہادت ان کی لاش کو بازار کوفہ میں تشہیر کر کے شام بھیجا اور دمشق کے دروازہ پر ان کے سر کو آویزاں کروا دیا گیا۔

اسیطرح جناب زید بن علی بن حسین کو شہید کر کے ناک اور کان کاٹ کر سولی پر لٹکایا گیا تھا اور پانچ سال تک جنازہ سولی پر پڑا رہا، اس کے بعد جنازہ کو نذر آتش کر دیا گیا۔

یحی بن زید کو کئی سال تک سولی پر آویزاں کر رکھا تھا، چنانچہ اس طرح کے ہزاروں واقعات ملتے ہیں کہ جس کا اصل سبب لوگوں میں خوف و ہراس، دہشت اور قہر و غلبہ سے حکومت کو تحفظ دینا، ساتھ ہی لوگوں کو دین حق سے دور اور غافل بنا دینا تھا۔

اہل کوفہ نے امام حسینؑ کو بیشمار خطوط لکھے تا کہ لوگ امام وقت کی قیادت میں زندگی بسر کر سکیں، امام نے حضرت مسلم ابن عقیل کو نزدیک سے حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا تا کہ امام وہاں جانے کا ارادہ مصمم کر سکیں۔ جناب مسلم ہزاروں مشکلوں کے باوجود کوفہ پہنچے اور اٹھارہ ہزار افراد نے بیعت کی، امام کو خط لکھا لیکن نعمان بن بشیر جو معاویہ و یزید کی جانب سے کوفہ کا فرمارواتھا، اس کے بارے میں کچھ افراد جیسے عبد اللہ بن مسلم حضرمی، عمارۃ بن عقبہ، عمر بن سعد بن ابی وقاص ..نے یزید لعنۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ نعمان نہایت ڈرپوک اور

۱۔ شیخ مفید: الجمل، تحقیق علی میر شریفی ص۵۹۔

ناتواں شخص ہے لہذا کسی قدر تمند و بے باک شخص کو جناب مسلم کے کچلنے کیلئے بھیج دے۔

یزید نے مشورہ کر کے عبید اللہ جو نہایت ظالم سفاک اور خونخوار وحشی درندہ تھا، بصرہ کی گورنری کیساتھ کوفہ کا بھی گورنر منصوب کر دیا اور اسکو کوفہ بھیجا، وہاں پہنچتے ہی لوگوں میں خوف و دہشت کا ماحول پیدا کر دیا اور پیغام دیا:

"فَتَطْلَبَ اِبْنِ عَقِيْل طَلَبَ الخِزْرَة حَتّى تثقفهُ فتو ثقهُ اَوْ تقتلهُ اَوْ تنفيهِ، وَالسَّلام"،(۱)

مسلم ابن عقیل کو مارنے کیلئے ایسا درہ تلاش کرو جس سے غالب آ جاؤ اور قید کر لو یا پھر قتل یا جلا وطن کر دو۔

عبید اللہ بن زیاد شب کی تاریکی میں مخفیانہ طور پر کوفہ میں داخل ہوا، لوگوں میں افواہ پھیلائی گئی کہ امام حسین۔ کوفہ پہنچنے والے ہیں۔ چنانچہ عبید اللہ بن زیاد جب داخل کوفہ ہوا تو چہرہ ڈھانپے ہوئے تھا، اب نہ پوچھئے صبح ہوتے ہی پہلے خطاب میں لوگوں سے گویا ہوتا ہے:

"سَوْطِي وَ سَيْفِيْ عَلى مَنْ ترَكَ اَمْرِىْ وَخَالَفَ عَهْدِىْ ، فَلْيَتّق اٗمْرَء عَلى نَفسِه"،

میرا تازیانہ اور تلوار اس کے لئے ہے جس نے میرے حکم اور عہد و پیمان سے سرپیچی کی، جو بھی اپنی جان بچانا چاہتا ہے، مسلم کی بیعت کرنے سے پرہیز کرے۔

ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کو جو بڑے شجاع اور مؤمن شخص تھے، بلایا اور کہا مسلم کو ہمارے حوالہ کر دو، انھوں نے انکار کیا جس کی وجہ سے انھیں شہید کر دیا گیا۔ لوگوں نے ابن زیاد کے قصر کا محاصرہ کیا تو لوگوں میں خوف اور وحشت پھیلانے کیلئے محمد بن اشعث، کثیر بن شہاب، قعقاع ذہلی، شبث بن ربیعی جیسوں کو بھیجا تاکہ ڈر سے لوگ جناب مسلم کی حمایت سے باز آ جائیں۔ نیز عام اعلان کروایا دیا تھا کہ

"اے لوگو! اپنے گھروں اور زندگی کی طرف واپس چلے جاؤ اور شر و فساد میں جلدی نہ کرو، اپنے آپ کو قتل کے خطرہ میں نہ ڈالو کیونکہ بہت جلد شام سے لشکر یزید پہنچنے والا ہے اور امیر بن زیاد نے خدا سے عہد کیا ہے کہ اگر تم مسلم کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوتے تو تمہارا وظیفہ بیت المال سے کٹ جائے گا، جنگجو فوجیوں کو شام تک

---

۱. شیخ مفید، ارشاد، ص ۲۰۶۔

یا الارشاد: ترجمہ و شرح، ج دوم ص ۵۷: ہاشم رسول محلاتی۔

متفرق کردیں گے اور مجرموں کو گرفتار کرکے جائے نامعلوم لیجایا جائیگا اور فراریوں کو سزادی جائے گی تاکہ مخالفت کی کوئی ہمت نہ کرسکے اور ہر شخص سخت قید و بند اور عذاب میں ہوگا(۱)

جس وقت لوگوں نے ان اشتعال انگیز اور تہدید آمیز پروپگنڈہ کو سنا، متفرق ہو گئے، خواتین نے آکر اپنے بیٹے، بھائیوں کا ہاتھ یہ کہتے ہوئے پکڑا، واپس چلو! یہ سارے لوگ جناب مسلم کی حمایت میں کافی ہیں۔ مردوں نے آکر اپنے بھائی اور بیٹوں کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہتے ہوئے لے گئے" شام سے لشکر یزید آنے والا ہے تمھیں جنگ اور فساد سے کیا لینا دینا ہے، اپنی زندگی اور کاموں میں واپس چلو" (۲)

چنانچہ مجمع کائی کی طرح چھٹا، چاہنے والے متفرق ہونے لگے اور حضرت مسلم کے ساتھ اٹھارہ ہزار کا مجمع کم ہوتے ہوتے، نماز مغرب تک ۳۰ رلوگ باقی بچے اور بعد مغرب وہ سب بھی واپس چلے گئے۔

دوسرے دن لوگوں کے قتل عام سے شہر کے لوگوں میں خوف و ہراس اور دہشت کا ماحول پیدا کیا گیا، لوگ قتل و غارت گری اور فتنہ کے ڈر سے خاموش اپنے گھروں میں سہم کر بیٹھ گئے۔

یزیدی نمائندوں نے اہل کوفہ کو فریب سے نہ ہٹایا ہوتا، اہل کوفہ بھی دشمنوں کی تہدید اور قتل کے خوف سے اپنے گھروں میں نہ بیٹھ گئے ہوتے تو جناب مسلم ابن عقیل علیہ السلام اور ان کی حمایت کرنے والے شہید نہ ہوتے اور امام حسین علیہ السلام پر کربلا میں جو مظالم ڈھائے گئے، ایسا بھیانک المیہ پیش نہ آتا کہ نواسہ رسول اور ان کی اولاد کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔

۱۔ شیخ مفید، ارشاد ص ر ۲۱۱۔

۲۔ شیخ مفید، ارشاد ص ر ۲۱۱۔

اسلام کے خلاف منصوبہ

۲۰ رویں صدی کے اوائل سے ملکوں سامراج کے خلاف میں جوش وخروش کی حرکت پیدا ہوئی ہے، یہ آزادی وحریت کا فلک شگاف نعرہ نہ فقط اسلامی ملکوں بلکہ غیر اسلامی ملکوں سے ظلم وستم کے خلاف آواز اٹھ رہی ہے ۔استعمار جو ابھی تک مخفیانہ طور پر اسلام کے خلاف سازشیں کر رہا تھا، وہ اسلام کی الہام بخش حق وعدالت کی تحریکوں سے خوف زدہ ہے۔اس سے نجات پانے کے لئے غرب کمیونسٹ کے ساتھ ہو گیا تھا، یہود ونصاری دونوں بڑی طاقتوں نے ملکر قینچی کی طرح اسلام پسند اور حق پرست کی چھٹائی اور صفائی کر رہے ہیں ۔اسلامی تحریکوں سے اپنا کینہ جو دراصل اسلام سے رکھتے ہیں، اس کے انتقام کیلئے اس حد تک پہنچ گئے کہ کہتے ہیں:

امریکہ کے سابق صدر نے کہا:

''باوجودیکہ میں کمیونسٹ کا مخالف ہوں لیکن اگر میری مملکت کمیونسٹ ہو جائے تو میں اس سے زیادہ خوش ہوں گا بہ نسبت اس کے کہ میری مملکت کے لوگ مسلمان ہو جائیں''

دوسری جگہ پر کہا ہے:

''ایسی جگہوں پر جہاں اسلام قدرت مند دکھائی دے تو ایسے مقامات کو پسپاں کر دینا چاہئے''(۱)

منجملہ سازشوں کے ایک صہیونی حکومت کی تشکیل بھی اسلام سے انتقام کا نتیجہ ہے جیسا کہ غرب کی ساری کارگردی کا محور اور اسلامی ملکوں میں تشتت ، تقسیم، تعصب وغیرہ سب کچھ اس لئے تھا تا کہ استعمار کے خلاف جہان

۱۔ انقلاب اسلامی وریشہای آن، ص۱۹۔

اسلام کی بیداری کا انتقام لیا جائے، لہذا شرق وغرب کے مشترکہ اتحاد نے جہان اسلام کے قلب میں ناسور کی طرح اسرائیل کو لے آئے، روز بروز اپنے خونی پنجے مضبوط کرتے جارہے ہیں، یہ بعض اسلامی ملک کے منافق حکام کی خیانت کا نتیجہ ہے ورنہ حضرت امام خمینی کے بقول سارے اسلامی ملک ایک ایک بالٹی پانی اسرائیل پر ڈال دیں تو مٹھی بھر اسرائیلی بہہ جائے۔

سامراج نے عالم اسلام کی بعض مشکل اور کمزوری سے فائدہ اٹھایا چنانچہ اسلامی ملک پسماندگی اور مشکلات میں ہمیشہ کی طرح گرفتار ہوئے جارہے ہیں جس سے وہ خود اپنے علمی اور مالی ذخائر، اقتصادی، سیاسی، جغرافیائی موقعیت اور معنوی قدرت کے باوجود غرب کے غلام ہیں۔ اگر چہ اسلامی منطق اور معنوی طاقت کے مقابلہ میں ہزاروں سال کی سخت عداوت اور مخالفت کے باوجود بھی ساری متحدہ طاقتیں لرز رہی ہیں۔ آج بھی ان کا سب سے بڑا سرمایہ اسلام کی بربادی اور مسلمانوں کی سرکوبی کیلئے صرف ہوتا ہے۔

یہ طاقتیں کتنی ہی متحد ہو جائیں، اسلام کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں، ہاں وقتی طور پر ظلم و بربریت پھیلا سکتی ہیں، آج بھی غربی متحدہ محاذ مختلف اسلامی اقتدار پر حملہ کرنے سے باز نہیں آتا، سلمان رشدی جیسے مزدوروں سے قرآن اور اسلامی شخصیتوں کی توہین کرائی پھر ڈنمارک میں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی اہانت جیسا حادثہ ایسے وقت میں رونما ہوتا ہے جبکہ آزادی بیان، حقوق بشر اور ڈموکراسی کا بانگ دہل اعلان کرنے والوں کے سامنے ہولوکاسٹ (ہٹلر کے ذریعہ یہودیوں کا ایک ساتھ قتل کر دیا جانا) کا واقعہ برملا ہونے لگا تھا۔

عہد علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے سیاسی بحران

امام العارفین امیر المومنین مرتضی علی علیہ السلام کے حریف خلفاء جن کی کارستانیوں کے سبب اسلامی معاشرہ روز بروز مشکلوں سے دوچار ہوتا گیا۔ گذشتہ چھوٹ یا منصوبے کے تحت معاویہ بن سفیان نے کسی مکروفریب اور سازش کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ اسی وجہ سے امام نے پہلا کام یہ کیا کہ معاویہ کو حکومت شام سے برکنار کر دیا تاکہ دوسرے امور میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

اگر امام علیہ السلام نے معاویہ کی حکومت کو رسمی قرار دیدیا ہوتا تو یقیناً اسلامی اور آسمانی حکومت کے نفع میں تمام نہ ہوتا لہذا معاویہ کی حکومت کو رسمیت نہیں دی۔ معاویہ سابق سیاستوں کی بنا پر جسور اور خاندان رسول کا سخت ترین دشمن ہو گیا تھا لہذا جرم کا مرتکب ہوتا گیا اور خاص طور سے عثمان کے عہد خلافت سے ہی شام اور دیگر قبائلی حکومتوں میں "منافع مشترک کی حفاظت" کرنے کے سبب گہرے اثر و رسوخ اور روابط بنے ہوئے تھے جس کی وجہ سے کسی خلیفہ کے لئے اس حکومت کو بدلنا آسان کام نہیں تھا۔ معاویہ اور دیگر اہل سیاست کو پتہ تھا امام علی علیہ السلام کو تھوڑی سی فرصت مل گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ اور تکمیل کا مقصد پائدار اور مستحکم ہو جائے گا، جس کی حاکمیت کو بشریت گلے لگالے گی۔ حیات دنیوی و معنوی ممزوج ہو کر سماجی زندگی نمونہ بہشت بن جائے گی۔ حقیقی اسلام کی بنیادیں پائدار ہو جائیں گی جس کے بعد اموی حکومت کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں رہ جائے گا اسی سیاست کی بنیاد پر اہل دین و دنیا دینداروں کا استحصال کر رہے تھے، وہ لوگوں پر واضح ہو جاتا، اس کے علاوہ امام -کو جن عناصر کا سامنا کرنا پڑا ،وہ چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱. امت کا اصول و معارف سے دور اور بدعت کی ترویج

۲. معاویہ کی حکومت کے جملہ امور پر مخفیانہ حالات کا جائزہ

۳. طرفداروں اور حامیوں کا متضاد نظریہ کا ہونا، جیسا کہ معلوم ہے

جس طرح دیکھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے بعد ابھی اصول آسمانی کی تعلیم، ترویج و تنظیم میں مصروف تھے، ابھی کوئی عملہ منظم کرنے اور منصوبہ بندی میں مصروف تھے کہ وسیع پیمانہ پر یہ سب کام انجام دیں، با اثر لوگوں نے خاندان پیغمبر پر ہجوم اور اطراف و جوانب جیسی زمینوں پر قبضہ اور ملکوں کو فتح کرنے کی طرف ساری توجہ مبذول ہو گئی۔ سرمایہ دار، رفاہ طلب، اہل مقام جاہ و مقام، دوسروں پر ظلم و ستم اور جاہلیت کے منصوبوں کو بڑھاوا دینے لگے۔ دوبارہ جاہلی عادات طبقاتی نظام جیسے عناصر بڑھے، عربوں کی حکمرانی سے عجم ناخوش ہوئے ،معارف اسلامی، سیاسی اور اقتصادی بحران سے دوچار ہونا پڑا، خاص طور سے پچیس سال کا عرصہ سنت و حقیقت اور بدعت میں تشخیص نہ دی جاسکی۔ تاویل و توجیہ اور ناروا باتوں کو عام کیا جانے لگا اور دھیرے دھیرے خلفاء کے اچھے برے کرتوتوں کو سنت کا نام دیا جانے لگا۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آنحضرت کی اصل تحریک کو ناکام بنایا گیا۔

ابن ابی الحدید کا اظہار تعجب

ابن ابی الحدید نے اپنی حیرت کا اظہار کیا ہے کہ کیونکر امام علیؑ کو بعد از رحلت رسول قتل نہیں کیا گیا؟ اس کی دو وجہ سمجھ میں آئی ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ ابھی اسلام کی فتوحات کے سبب بڑی تعداد میں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے جس میں نئے نئے مسائل درپیش تھے جو علی ابن ابیطالبؑ کے علاوہ کوئی دوسرا حل کرنے سے قاصر تھا۔ چنانچہ آنحضرت شب و روز نئے رونما مسائل اور حوادثات کا جواب دیتے تھے۔ جس کا اعتراف امام کے سب سے بڑے حریف عمر نے کیا ہے "کہ اگر ابا الحسن علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا"

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ عمر بن خطاب امام علیؑ سے بہت ڈرتے تھے۔ وہ ہر اس امر جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی کوئی وصیت ہوتی تھی یعنی اس کے بارے میں آنحضرت کی پیشین گوئی معلوم ہوتی تھی تو اس کو بڑی بے باکی، شاطرانہ انداز میں انجام دیتے کیونکہ یقین تھا کہ امام علیؑ فرمان رسول اللہ ﷺ کے خلاف کچھ انجام نہیں دے سکتے ہیں لیکن جس امر کے بارے میں کوئی وصیت معلوم نہیں ہوتی تھی تو نہایت خوفزدہ رہتے کہ ایسا نہ ہو کہ امام علیؑ سے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔

سامراجی طلسم توڑنا ہوگا

﴿ اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی. فَقُوْلَا لَه قَوْلًا لَّيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾(۱)

اے موسیٰ! تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ اس نے سرکشی کی ہے، اس کو نرمی سے سمجھاؤ، شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔

پیغمبر اسلام اور اصلاح مفاسد

﴿ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ... ﴾(۲)

اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔

اس آیت سے چند مطلب کی وضاحت ہوتی ہے:

(۱) نرمی اور اخلاق سے گفتگو کرنا خداوند عالم کی بہترین نعمت ہے جس میں یہ وصف نہ ہو تو وہ اس عطا سے محروم ہوگا (۲) سخت دل افراد لوگوں سے قریب ہوکر ان کی خدمت نہیں کر سکتے (۳) درست ادارت اور قیادت لوگوں کے ساتھ الطاف و مہربانی اور درگذر کے ساتھ ہی ممکن ہے (۴) رائے مشورہ کرنے سے لوگوں میں انسجام و اتحاد اور میل محبت کی فضا بحال ہوتی ہے۔

۱۔ سورہ طٰہٰ، آیت ۴۳، ۴۴۔

۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹۔

آنحضرت صاحب خلق عظیم تھے، جو دعوت اسلام کے لئے ضروری تھا، اگر یہ نرمی اور ملائمت نہ ہوتی تو لوگ آپ کے قریب نہ بھٹکتے۔

ہجرت کے نویں سال میں جب ''طی'' جیسا سرکش قبیلہ سپاہ اسلام سے مغلوب ہو چکا تھا، اس قبیلہ کا معروف ''عدی بن حاتم'' شام فرار کر گیا تھا تو اس کی بہن ''سفانہ'' کو لشکر اسلام نے اسیر کر لیا اور دیگر تمام اسیروں کے ساتھ مدینۃ النبی میں مسجد کے قریب ایک مکان میں رکھا گیا۔ ایک روز جب رسول اعظم ﷺ اسیروں کا معائنہ کرنے گئے، سفانہ نے موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور کہا:

اے محمد! میرے باپ حاتم طائی دنیا سے کوچ کر گئے، میرے سرپرست عدی نے راہ فرار اختیار کر لی۔ اگر مناسب سمجھئے تو مجھے آزاد کر دیجئے تا کہ قبیلہ عرب کی بدگوئی سے امان میں رہوں۔ میرے باپ نے غلاموں کو آزاد کیا، پڑوسیوں کی نگہبانی فرمائی، لوگوں کو کھانا دیا، آشکار سلام کرتے، سخت اور ناگوار حالات میں لوگوں کی مدد کرتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے سفانہ سے فرمایا:

''يَا جَارِيَةَ هَذِهِ صِفَةُ الْمُؤْمِنِيْنَ حَقًّا ، لَوْ كَانَ أَبُوكِ مُسْلِمًا لَتَرَحَّمْنَا عَلَيْهِ''

اے بیٹی! یہ تو درحقیقت مومنین کے اوصاف ہیں، اگر تیرا باپ مسلمان تھا تو ہمیں اس پر رحم والطاف اور احسان کرنا چاہیے، اس کے بعد فرمایا کہ اس بچی کو آزاد کر دو کیونکہ اس کا باپ مکارم اخلاق کو دوست رکھتا تھا(۱)

اسلام میں اس کام کی مذمت ہوئی ہے مگر جب یہ کام اجتماعی امور میں سرایت کر جائے اور وہاں پر طریقہ کار کوئی مسالمت آمیز نہ رہ جائے۔

اگر طاغوت کے دائرہ اقتدار میں اصلاح اور مسالمت کی تدریجی صورت ممکن ہو جب بھی پیغمبروں کا طریقہ کار سخت نہیں ہوتا ہے بلکہ اصلاح اگر فساد کی جڑ کا سد باب نہیں کرتا تب بھی گفتگو کا دروازہ بند نہیں ہوتا ہے۔ جیسے فرعون کے لئے اللہ سبحانہ نے فرمایا: ہم نے خود اس کو اور اس کے جملہ ہمراہیوں کو غرق در آب کر دیا۔

﴿فَاَغْرَقْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ جَمِيْعًا﴾(۲)

۱۔ علوم سیاسی: فصلنامہ تخصصی سال نہم، شمارہ ۳۵، ۱۳۸۵، ص ر ۱۴۳۔

فرعون کی ہلاکت کے بعد اس کا جسد پانی میں چھوڑ دینے کیلئے کہا تا کہ آئندہ ایک تاریخی عبرت بن جائے۔

"لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَفَكَ آيَةً"

قرآن کی روشنی میں اگر کوئی طائفہ اصلاح وہدایت کے راستے پر نہ چلیں اور اصلاح طلب نہ ہوں، جنگ و قتل پر اٹھ کھڑے ہو جائیں تو وہ بھی مفسد ہیں اور ان سے سختی سے نپٹنا چاہئے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ..﴾(۱)

اے نبی! کفار و منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کا برتاؤ کرو۔

پر امن معاشرہ کو کوئی آسیب پہنچے تو سختی سے نپٹنا ہوگا لیکن وہ برتاؤ قانون کے دائرہ میں ہونا چاہئے۔

﴿إِنَّمَا جَزَاؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْيُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَ أَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ﴾(۲)

اس کا مطلب ظلم وفساد اور تشدد جو مفاسد کی جڑ اور سیدھی راہ سے ہٹانے والے ہیں، ان کے مقابلہ میں ایک ایک فرد کا وظیفہ بنتا ہے کہ حق کی حاکمیت اور اسلامی حکومت کیلئے حتی المقدور کوشش کریں، بغیر شک و تردید ایسے انسان کی اللہ نصرت فرمائے گا۔

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا﴾ (۳)

تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان ناتواں مظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے جہاد نہیں کرتے؟ جو لوگ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار اس ظالم بستیوں سے ہمیں نجات دے اور ہم کو اپنے پاس سے مشمول نصرت و مدد قرار دے۔

تاریخ شاہد ہے کہ انبیاء، ائمہ اور اولیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے فراعین وقت کے ظلم وستم اور بے عدالتی کے خلاف

۱۔ سورۂ توبہ، آیت ۷۳۔

۲۔ سورۂ مائدہ، آیت ۳۳۔

قیام کیا ہے کیونکہ ان حضرات کا مقصد حق وعدالت کا قیام اور انسانوں کو تمام انحرافات سے نجات دلانا تھا، جو لوگوں کیلئے عزت وشرف کا نمونہ اور ان کا کردار قیامت تک زندہ رہے گا۔

آج بھی عالم انسانیت کو امام حسین علیہ السلام، آپ کے اصحاب وانصار جیسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ معرکہ کربلا حق وعدالت اور انسانی کرامت سے دفاع کا کامل نمونہ ہے۔ تحریک انبیاء کی آخری راہ اور قرآنی آیات کا عملی مصداق ہے۔ جس کی پیروی اہل حق وانصاف پر ضروری ہے۔ کبھی بھی قلت تعداد کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ امام حسین نے اس کا عملی نمونہ پیش کردیا ہے۔ اس کی تائید حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام فرماتے ہیں:

"یَا اَیُّهَا النَّاسُ لا تَسْتَوْحِشُوْا فِی طَرِیْقِ الْهُدَیٰ لِقِلَّةِ اَهْلِه"

اے لوگو! راہ ہدایت میں اہل حق اور ہدایت کی قلت وکمی سے نہ ڈرو(۱)

اس سلسلہ میں امام خمینی نے امام متقین امیر المومنین علیہ السلام کے راستہ کی پیروی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

میں تمام اہل عالم سے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر یہ جہانخوار ہمارے دین کے مقابلہ میں قیام کرنا چاہتے ہیں تو میں تمام دنیا کے مقابلہ میں قیام کروں گا اور ان کی نابودی کے بغیر نہیں بیٹھوں گا، یا تو سب آزاد ہوجائیں گے یا وہ عظیم آزادی جو شہادت سے حاصل ہوتی ہے، نصیب ہوجائے گی (۲)

بغیر اسلحہ کی جنگ (none voilence)

گذشتہ صدی سے استعمار کی سازش سب پر ظاہر ہوچکی ہے، اب اس بات کو ہر شخص جو مغربی میڈیا کی سازشوں سے آشنا ہے، یقیناً بخوبی درک کرسکتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کیا کچھ منصوبہ بندی نہیں کی جارہی ہے، اندھا دھند سرمایہ صرف کرکے اسلام اور اس کی پیروی کرنے والوں کی غلط نمائش کی جارہی ہے، ابھی تک امریکہ، لندن، جرمن کے اہل ظلم وجور اپنے فوجی قوت کے بل بوتے پر دوسرے ملکوں پر لشکر کشی، بغاوت اور کودتا کے ذریعہ لوٹ مار کرتے تھے، اب اسلام اور اس کی پیروی کرنے والوں کو فروکش کرنے کیلئے میڈل ایسٹ میں اپنے جھوٹ، مکر د

۱۔ نہج البلاغہ، خ/۱۹۲۔

۲۔ امام خمینی، صحیفہ نور، ج ۲۰، ص ۱۸ [illegible]

فریب اور ظالمانہ کاموں سے بہت بڑی تعداد میں فوجیں اتار کر قیمتی ذخائر پر ناجائز قبضہ کرلیا ہے، ستم بالائے ستم، خود ہی اسلامی نام نہاد ظالم حکام کی بھرپور حمایت کررہے ہیں، خود ہی ناجائز اسلحوں سے مسلمانوں کو مسلح کیا، انھیں آپس میں لڑایا اور فوراً بعد افغانستان اور عراق دونوں ملکوں پر یکے بعد دیگرے لشکر کشی اور اسلحوں کے زور پر باگ ڈور سنبھال لیا۔ فلسطین کے نہتھے مسلمانوں کی جدید قسم کے اسلحوں سے نسل کشی کی، ان کے شہروں کو منہدم اور مسمار کیا، مسلمانوں کو بیدار اور متحد پایا تو ملک میں تفرقہ ڈلوایا، ملک کی حکمران جماعت کو تقسیم کروادیا۔ لبنان پر تجاوز کیا وہ تو کہئے اس ملک کی حزب اللہ جیسی دلیر فوج اور بے لوث قیادت نے جدید اسلحوں سے لیث اسرائیلی فوجوں کو مار بھگایا پھر بھی بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ سوریہ کو آئے دن ڈراتے دھمکاتے رہتے ہیں اور دیگر اسلامی ملکوں کی سیاستوں پر سینسر کی ایسی سکیورٹی بیٹھائی ہوئی ہے کہ وہ صحیح بات کہنے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ آج حقوق بشر کے عالمی مصلح ہونے کا ڈھینڈھورا پیٹا جارہا ہے جبکہ اس سے حقیقت کا کوئی تعلق نہیں رہ گیا ہے ہر اس جگہ جہاں استعمار کو نقصان پہنچتا ہے، یا اپنے مفاد کیلئے احتمالی خطرات محسوس کرتے ہیں، ان کو دہشت گرد کہہ کر چل دیتے ہیں۔ اس آمریت میں ہر وہ حکومت تعاون کرتی ہے، جس کا سپوٹ خود وہاں کی قوم نہیں کرتی اور انھیں اپنی قوم وملت کی سچائی پر اعتماد نہیں ہوتا ہے لہذا حکومت بڑے سے بڑے عالمی پیمانہ کے دہشت گردوں، ظالموں اور قاتلوں کا سہارا لیکر اپنے ملک اور قوم سے خیانت کرتے ہیں۔ اسلام نے جہاد کا جو اصول بتایا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ فقط اپنے تحفظ کے لئے دفاعی جنگ کا حکم ہے، نہ کہ کسی پر تجاوز اور لشکر کشی کا حکم ہے۔

امام علی علیہ السلام حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ:

جنگ میں دشمن پر زہر کا استعمال نہ کرو، بوڑھے بچوں، سیویلین اور غیر مسلح افراد سے جنگ نہ کرو۔ غرضکہ اہل اسلام نے انسانی کرامت، عزت اور عظمت کی بہت زیادہ تاکید کی ہے، امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اَنّی اَکرہُ لَکُمْ اَنْ تَکُونُوا سَبَّابِیْنَ" (۱)

تمہارے لئے برا بھلا کہنا مجھے ناگوار معلوم ہوتا ہے۔

اسیطرح جب عبدالرحمن ابن ملجم مرادی ملعون نے آپ پر قاتلانہ حملہ کرکے زخمی کردیا تھا تو امام فرماتے ہیں:

۱۔ صبحی صالح: نہج البلاغہ، خ/۲۰۶۔ فیض الاسلام، خ/۱۹۷۔

"اِیَّاکُمْ وَالْمُثْلَۃ" (۱)

ہرگز جسم کو مثلہ نہیں کرنا چاہئے، جنازہ کو پامال اور ٹکڑے کرنے سے پرہیز کرو۔

دوسری جگہ عدالت کے سلسلہ سے امامؑ فرماتے ہیں:

یہ بات اس وقت کہی جبکہ لوگوں نے بتایا اے امام معاویہ بہت زیادہ مال وثروت لوگوں میں تقسیم کر رہا ہے، آپ بیت المال کو عدالت سے تقسیم کرنے کی بات چھوڑ دیں، جواب میں امامؑ نے فرمایا تھا:

"اَتَامُرُوْنِّي اَنْ اَطْلُبَ النَّصرَ بِالْجَوْرِ فِيْمَنْ وُلِّيْتَ عَلَيْهِ.."

چاہتے ہو کہ اپنی حکومت کے لوگوں پر ظلم وجور کے ذریعہ کامیابی حاصل کروں (۲)

ہم یہاں پر جہاد کی چند قسم کو ذکر کرتے ہیں۔

تاکہ قدرے روشن ہو جائے کہ مخالفین کا پروپگنڈہ غلط ہے۔ جہاد ہر ملک وملت کی عزت و وقار اور حفاظت کی ضامن ہے۔ ہر طرح کی ہزیمت، ذلت اور شکست سے نجات دیتا ہے، مقابل میں کوئی بھی ہو، جہاد کے زیر سایہ ہر شخص آسودہ خاطر ہوتا ہے۔

جہاد کے پانچ مقامات کا ذکر کیا گیا ہے:

۱) جب حدود اسلام اور اراضی مسلمین پر کفار ہجوم اور حملہ کریں۔

۲) مسلمانوں کی عزت وآبرو اور جان ومال کے مقابلہ میں ہو۔

۳) ایسے مسلمانوں کی مدد کرنا جو کافروں سے جنگ میں گرفتار ہوں۔

۴) ایسے کفار سے جو مسلمانوں کی سرزمین پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں ان مظلوموں کی شکست کا خوف ہے۔

۵) کفار کو اسلام کی دعوت دیں (اس قسم میں امام معصوم کے وجود کی شرط بتائی گئی ہے) اور اسلام کی خوبیوں کو سنیں تو آمادہ جنگ نہ ہو جائیں یعنی اگر وہ نہ چاہیں تو ان لوگوں سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرنا چاہئے۔

اس سے زیادہ صلح کی تاکید کیا ہو سکتی ہے۔

۲۔ نہج البلاغہ رنامہ ر۴۷۔

۳۔ نہج البلاغہ خ،۱۲۶ اص ۲۳۸۔

"وَلَاتَدْفَعَنَّ صُلْحًا دَعَاکَ اَلَیْهِ عَدُوُّکَ وَلِلّٰهِ فِیْهِ رِضًی فَاَنَّ فِي الصُّلْحِ دَعَةً لِجُنُودِکَ وَرَاحَةً مِنْ هُمُومِکَ وَ اَمْنًا لِبِلَادِکَ"(۱)

اس صلح کی دعوت کا انکار نہ کرنا جس کی پیش کش دشمن کی طرف سے ہوئی ہو، اس میں اللہ کی رضامندی ہے جس میں فوجیوں کو آرام وسکون مل جاتا ہے اور تمہارے نفس کو بھی راحت وطمانیت مل جاتی ہے اور شہروں میں بھی امن وامان کی فضا بحال ہو جاتی ہے۔

"اِیَّاکَ وَالدِّمَاءَ وَ سَفْکَهَا بِغَیْرِ حِلِّهَا، فَاِنَّهُ لَیْسَ شَیْءٌ اَدْنیٰ لِنِقْمَةٍ..."

خبردار ناحق کسی پر تجاوز، خون ریزی، سفاکیت سے بچو کیونکہ اس سے زیادہ کسی اور چیز میں ہزیمت وذلت اور رسوائی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فیصلوں کا آغاز ایسے لوگوں سے کرے گا جنھوں نے کسی کا خون ناحق بہایا ہے(۲)

ہاں جب اس سے کوئی چھٹکارہ نہ ہو پھر ایک حکم خدا سمجھتے ہوئے، اس کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اور جہاد دنیاوی اعتبار سے مضبوط زرہ اور مستحکم سپر ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ قوم اور ملک کا تحفظ ہوتا ہے اور اسی سے بہشت کا راستہ بھی نکلتا ہے۔

فَاِنَّ الجِهَادَ بَابٌ مِنْ اَبْوَابِ الجَنَّةِ، فَتَحَهُ اللّٰهُ لِخَاصَّتِهِ اَوْلِیَائَه وَهُوَ لِبَاسُ التَّقْوٰی.

قرآن میں فردی اور اجتماعی اصطلاح کا بارہا ذکر آیا ہے۔

فردی اصلاح میں نرمی وملائمت کی تاکید وتجویز کی گئی ہے جس کی مثال جناب موسیٰؑ وفرعون کی داستان ہے کہ جناب موسیٰ کو حکم ہوا کہ اگر مسالمت آمیز طریقہ سے کوئی مسئلہ حل ہو جائے تو کسی سختی، تندی، توہین اور جنگ وجدال کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۔ نہج البلاغہ، مکتوب/۵۳۔

۲۔ نہج البلاغہ، مکتوب/۵۳۔

تبشیر و تکفیر

سارے جہان کے لوگوں کو اعتقاد اور اعمال کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱) شرقی بلاک

اس بلاک کے لوگوں کا کافی حصہ مادیوں کا ہے، جس میں بیسویں صدی کے بعد نمایاں فرق دکھائی دیا ہے، ان لوگوں کا اعتقاد، دین والوہیت اور رسالت سے یکسرے خالی ہے لہذا سیاست کے معنی و مفہوم کا رابطہ بھی دین سے جدا ہے۔ اس میں لوگوں کا بھی کسی پر تکیہ کرنا درست نہیں کیونکہ سب آپس میں مساوی اور جب ان پر کوئی کسی سے بڑا نہیں تو ظاہر ہے کسی کو کسی پر حکومت کا حق حاصل نہیں ہے۔

۲) غربی بلاک

غربیوں کا نظریہ بہر حال عیسوی، موسوی دین سے اور خدا کے تصور سے بالکل خالی نہیں ہے بلکہ اکثر و بیشتر لوگ کسی نہ کسی دین و آئین پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن خاص بات یہ کہ ان کا کہنا ہے کہ سیاست کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے یعنی دین فقط چند اعتقادی امور پر ہی نظارت رکھتا ہے۔

ان کا نظریہ فرعون وقت کی طرح ملکوں کو اپنے قبضہ میں رکھنا اور اس ملک کے لوگوں کو نوکر، مزدور اور انکے ذخائر کا اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ ہڑپنا (انا ربکم الاعلیٰ) کا مطلب یہی تو ہوا کہ تمھیں اپنے معاملہ میں کوئی فیصلہ کا حق نہیں ہے۔

۳)اسلامی بلاک

اسلامی نظریہ بہرحال دین سے معنون ہے،عیسائی اور یہودی دین سے الگ اسلام کی ایک جداگانہ خصوصیت ہے وہ یہ کہ ان کے اعتقاد، اخلاق،احکام حیات میں اجتہادوفقاہت کے ساتھ سیاست بھی ہے، اس دین کا مقصدانسانیت کودنیوی منافع سے فائدہ پہنچاتے ہوئے اس جہان آخرت میں سعادت وکمال کے درجہ تک پہنچانا ہے۔اگراصل دین عیسوی اورموسوی میں کوئی تضادنہیں تھالیکن بعد میں بربناء سیاست عیسائیوں اور یہودیوں نے تحریف کردیا ہے۔

انسانوں کی تقسیم بندی

اسی طرح دنیامیں بسنے والے انسانوں کی بھی تین قسم ہے۔

(۱)انسانوں کی پہلی قسم جو ہدایت یافتہ اور صالح، اہل ولایت وصاحبان معرفت ہیں۔یہی لوگ نعمت وجنت کے مستحق ہیں (۲) دوسری قسم منحرف اور گمراہ لوگوں کی ہے، جو ہدایت ونعمت کے بجائے گمراہی وہلاکت کے اسباب فراہم کرتے رہتے ہیں اور ہمیشہ حیران وپریشان رہتے ہیں (۳)قسم معذب اور مغضوب لوگوں کی ہے جوخدائی ولایت اور ہدایت سے دور ہوتے رہتے ہیں۔یہ صورت امت رسول میں صدراسلام سے ہی پیش آچکی ہے۔پہلی قسم جو بعدرسول امیرالمومنین علی بن ابیطالب کی ولایت اور امامت پرجمع ہوگئے۔دوسری قسم جواس ولایت کے بارے میں متحیراورسرگرداں رہے، پائداری اوروقت سے کام نہیں لیاچنانچہ انھیں معرفت نہیں ہوسکی۔ تیسری قسم مخالفوں اوردشمنوں کی ہے، جورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افرادخاندان،ائمہ معصومین کی محبت کے بجائے ان سے دشمنی وکدورت رکھتے ہیں۔اس تقسیم کوسورۂ حمد سے استخراج کیا جاسکتا ہے۔

دین کی ضرورت

ابتداء خلقت سے لوگوں نے دین واعتقاد اور عبادات کے تحت زندگی بسر کی ہے، چنانچہ آج بھی اطراف واکناف عالم میں بسنے والوں انسان تین مکتب فکر یا اعتقاد میں بٹے ہوئے ہیں:

۱. پہلی قسم وہ ہے جن کا کوئی دین یا اعتقاد ہی نہیں ہے، اگر دین بمعنی مذہب مانیں۔
۲. دوسری قسم کے لوگ دین وآئین کے معتقد ضرور ہیں لیکن مکمل اسکی پیروی نہیں کرتے ہیں۔
۳. تیسری قسم وہ ہے جو دین کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں اور اس کی تعلیمات پر عمل بھی کرتے ہیں۔

اب دیکھنا ہے کیا دین کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟ اگر دین ہے تو یہ دین کیا ہے؟ دین یعنی دیانت، جو انسان کو متدین بنادے اور کسی چیز کا معتقد و متعبد ہونا جو علم و عمل اور عزم سے تکامل کی جانب آگے بڑھائے (۱) فکر و عقیدہ کی اصلاح کرنا (۲) انسان کے اخلاقی، جسمانی و مالی اصول کی تربیت کرنا (۳) معاشرہ کے افراد سے حسن معاشرت رکھنا (۴) دین یعنی چند عمل کے انجام دینے اور چند رزائل چیزوں سے پرہیز کا نام ہے۔ جو نظم اور فطرت کے مطابق مطلوب ومرغوب زندگی کو مہیا کرتا ہے۔ اگر برہان و نظم کو دیکھئے اس میں بڑی حکمتیں ہیں، جب دنیا میں کوئی چیز عبث نہیں ہیں تو یہ کائنات کیا بے مقصد پیدا کی گئی ہے؟ اب سوال ہے کہ پھر کس نے پیدا کیا ہے؟

﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴾ (۱)

اللہ ہی خالق اور پروردگار ہے، اس نے پیدا کیا ہے، اور انسانوں کو ہدایت کی۔

سب سے پہلے جہاں ماں باپ کا بھی کوئی اختیار نہ تھا، اسی ذات نے پیدا ہونے سے پہلے عالم کون وطبیعت

۱۔ سورۂ طٰہٰ، آیت ۵۰۔

میں پرورش کی پھر عالم وجود میں آجانے پر ماں باپ کے ذریعہ تربیت کی اور دھیرے دھیرے رشد و کمال کی طرف انسان بڑھتا گیا، اعضاء و جوارح مضبوط ہوتے گئے، مربی اور معلم نے اس کی تربیت و تعلیم کا بیڑا اٹھایا یعنی جیسے جیسے بچہ میں صلاحیت بڑھتی گئی، مربی کا پہلے سے بہتر انتظام ہوتا رہا کیونکہ وہ عادل و حکیم ہے، عدالت کا تقاضہ تھا کہ ہر کسی کو اس کے ظرف کے مطابق ہی عطا کرے جس کی جتنی قدرت و صلاحیت ہوتی ہے، یہی حکمت ہے، یعنی کوئی بھی فعل عبث اور مصلحت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ اگر کوئی قرآن و دین کی بات نہ بھی مانے تو بہر حال روزانہ اپنی زندگی میں ہر کام کو کسی نہ کسی غرض و مصلحت کی بنا پر کرتا ہے، اس کو ہر حال میں تسلیم کرنا ہی پڑے گا، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی انسان کسی فعل کو بغیر کسی مقصد کے انجام دیتا ہے؟

انسان پانی پیتا ہے اس میں بھی مقصد رفع تشنگی ہے۔ کبھی فعل میں مقصد ہوتا ہے اور کبھی فاعل میں، کبھی بھی یہ امر دو حال سے خالی نہیں ہوتا، یا تو فعل میں نقص ہوتا ہے یا خود فاعل میں۔ دنیا کے تمام امور کا یہی حال ہے۔ ہر کام کی ایک آخری غایت ضرور ہوتی ہے سارے انسانوں کا حال یہی ہے کہ عیش، راحت و رفاہ میں زندگی بسر کریں۔ یہاں سے وہ لوگ جن کا دین و مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، آخرت پر ایمان اور اعتقاد نہیں ہے پھر ان کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟

اب اگر مال دنیا زیادہ ہونے یا مادی وسائل کا زیادہ ہونا ہی راحت اور سعادت کا راستہ ہے تو بھلا بتائیں کہ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کر کے، روس نے افغانستان میں قدم جما کر، پیرس نے افریقہ کے ملک پر حکومت کر کے، امریکہ نے میڈل ایسٹ کے عربی ملکوں کو آپس میں لڑایا، قبضہ کیا اور لوٹ مار کیا تباہیاں مچائیں اور اسرائیل جیسے سرکش، ظالم و غاصب کی بھرپور حمایت کی، فلسطین کے نہتھے لوگوں کا قتل عام کرایا پھر بھی کیا ان سب کو راحت و سکون حاصل ہوا، یا حرص و ہوس کی شدت بڑھتی جا رہی ہے اور جرائم بھی روبافزائش ہیں؟ ہیروشیما پر جس پوائلکیٹ نے کیمیائی بم مارا، بے شمار لوگوں کے قتل عام کی خبر سنی تو وہ دیوانہ ہو گیا اور اسی اضطراب میں مر گیا۔ معلوم ہوا کہ اگر انسان اظہار نہ بھی کرے لیکن اس کا وجدان خود گواہی دیتا ہے کہ انسان کے اندر ایک تدین، ایک طاقت ہے جس سے کسی لحہ بھی انسان متاثر ہو سکتا ہے۔ اگر عقل سلیم سے کام لیتا ہے تو ہدایت بھی پاتا ہے۔ یہی دین اور وجدان کا کام ہے، جو بھٹکتے ہوئے کو عقلانیت، کرامت اور درست حیات کے راستہ پر لگا دیتا ہے۔

آزادی کے دوراہے پر

انسان آزاد ہے چاہے کسی دین کو قبول کرے یا قبول نہ کرے۔ اسلام نے کسی کو مجبور نہیں کیا ہے، اگر کسی فرد نے اسلام قبول کیا تو اسے بھی حکم ہوتا ہے، دقت وفکر کرلو پھر کوئی فیصلہ کرو، زنہار ہر کسی کی پیروی مت کرنے لگے۔

﴿اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ اِمَّا شَاكِرً وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ (۱)

حق اور بھلائی کے راستہ کے ساتھ اللہ نے باطل اور برائی کے راستہ کا بھی تعارف کرادیا ہے، اب اگر آپ چاہیں تو حق کے راستہ کو اختیار کریں یا چاہیں تو باطل کے راستہ کو قبول کریں۔

﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (۲)

اعلان کردو یہ حق، تمہارے رب کی طرف سے ہے اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔

کیا انسان کیلئے صرف خوراک و پوشاک کافی ہے؟

مادی وسائل سے لبریز ہونے کے باوجود بھی نفسیاتی طور پر وہ آسودہ نہیں ہوتا ہے، اسی وجہ سے قرآنی تہذیب وادب نے انسان کو دو حصہ میں تقسیم کیا ہے۔

۱. آخرت کیطرف تمائل رکھنے والے لوگ۔

۲. آخرت سے گریز کرنے والے لوگ۔

۱۔ سورۂ دہر، آیت/۳۔

۲۔ سورہ کہف، آیت/۲۹۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيْهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَدْحُوْرًا. وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوْرًا﴾ (۱)

جوصرف اس فانی دنیا کا فائدہ فوری طور پر چاہتے ہیں، اسے ہم یہاں جس قدر بھی چاہتے ہیں دیتے اور اس کے لئے ہم جہنم مقرر کردیتے ہیں جہاں وہ بری حالت میں دھتکارا ہوا داخل ہوگا اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور جیسی کوشش اس کے لئے ہونی چاہیے وہ کرتا بھی ہو اور وہ باایمان بھی ہو، تو وہ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کی کوششوں کی اللہ قدردانی کرتا ہے۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَصِيْبٍ﴾ (۲)

جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہوتا ہے، ہم اسے اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو ہم اسے اس میں سے ہی کچھ دے دیں گے اور ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ جیسا کہ انسان کا پورا سسٹم ہی دو عنصر سے ترکیب پایا ہے۔ ابن سنان نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

''اَنَّ اللّٰهَ رَكَّبَ الْمَلَائِكَةَ مِنَ الْعَقْلِ بِلَا شَهْوَةٍ وَالْبَهَائِمَ مِنَ الشَّهْوَةِ بِلَا عَقْلٍ وَبَنِي آدَمَ مِنْ كِلَيْهِمَا فَمَنْ غَلَبَ عَقْلُهُ عَلَى الشَّهْوَةِ فَهُوَ اَعْلٰى مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَمَنْ غَلَبَ شَهْوَتَهُ عَلٰى عَقْلِهِ فَهُوَ اَدْنٰى مِنَ الْبَهَائِمِ''

اللہ نے ملائکہ کو عقل سے بغیر شہوت کے خلق کیا، جانوروں کو شہوت سے بغیر عقل کے خلق کیا اور اولاد آدم کو دونوں س (شہوت اور عقل) سے بنایا ہے لہذا جو اپنی عقل کو شہوت پر غلبہ دے وہ ملائکہ سے افضل و بہتر ہے اور جس نے شہوت کو عقل پر غلبہ دیا تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔

یہ حدیث شریف کا آخر حصہ آیت قرآنی سے ملتا ہے: ﴿اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ (۳)

۱۔ سورۂ اسراء، آیت/۱۸، ۱۹۔

۲۔ سورۂ شوریٰ، آیت/۲۰۔

۳۔ سورۂ اعراف آیت/۱۷۹۔

آزادی اور آشتی

اسلام صلح و آشتی رحمت و امنیت اور آزادی کا دین ہے نہ کوئی جبر ہے اور نہ ہی کوئی زبردستی ہے، ﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّینِ﴾ رہ گیا جن اصول و افکار اور اعتقاد کا ذکر ملتا ہے اس میں عقل عملی کی ارتقاء نیز انسانی فلاح و بہبودی کا لحاظ کرتے ہوئے مکمل آزادی کے ساتھ پورے طور پر انتخاب کا حق دیا گیا ہے۔

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ﴾

اگر چہ یہ اصول عین فطرت اور خاص مصلحت کے حامل ہیں۔ یہ بھی طے ہے کہ جب تک کسی مذہب و مسلک اور اس کے اصول و افکار کے انتخاب میں آزاد فضا نہ ہو تو گویا انسان خود مختار نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے دل کی گہرائی تک وہ نفوذ کرسکتا ہے۔ اسلام کی دعوت جو پیار و محبت سے لبریز، علم و حکمت سے مملو، نصیحت و ہدایت کی فضا سے ہموار، طمانیت و امنیت سے سرشار، عقل و منطق کی روشنی سے آراستہ اور اتحاد و اتفاق جیسی نعمت سے مزین ہے۔ پھر یہی سب انسانیت کو کمال کی جانب بڑھانے میں معاون ہیں۔

صدر اسلام کے حالات میں سید امیر علی کے بقول سیمون اسقف بزرگ نے یہ جملہ کہا ہے:

جب سے خداوند عالم نے اعراب کو سلطنت عطا کی، نہ یہ کہ وہ مسیحی آئین پر حملہ نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس ہمارے دین میں ہماری مدد کرتے ہیں، ہمارے خدا، مقدسات کا احترام کرتے ہیں اور کلیسا و صومعہ کو ہدیہ دیتے ہیں(۱)

۱۔ سید امیر علی: روح اسلام، ص ۲۵۴ (ترجمہ ایرج رزاقی)

یقیناً یہ تدین اور عقل سے کام لینے کا فائدہ ہے۔ انسانیت اور اخلاق کے اعتبار سے مسلمان اور غیر مسلمان قانون کی نظر میں برابر تھے، عدل و انصاف کے پروردگار امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''مَنْ كَانَ لَه ذِمَّتُنَا فَدَمَه كَدَمِنَا''

اہل ذمہ کا خون ہمارے خون کی مانند محفوظ ہے۔

اگر کسی اہل ذمہ پر کوئی مسلمان دست درازی کرے، اس کی ہتک حرمت کرے، یا قتل و غارت گری کرے تو شخص مسلمان مجرم اور محکوم ہوگا، جس امر کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگزیں کرنے کی تاکید فرماتے تھے وہ اصل توحید کا مسئلہ تھا جو دنیا کے ہر کسی صاحب اعتقاد کے اندر فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ اس امر کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بہترین اخلاق و حسن عمل کی تصدیق اور تائید حاصل کر لی تھی۔

جمہوریت اور حریت

کسی بھی معاشرہ کی شادابی، نشاط اور کامیابی میں چار چیزیں نہایت مؤثر ہیں:

۱) وسیع زمین، اس کی آبادکاری

۲) اس زمین پر بسنے والی آبادی

۳) انسان کی دینی وفکری آزادی

۴) نظم اور انسجام کا معقول انتظام

اللہ تعالیٰ نے روز اول سے کرۂ ارض جیسی طویل وعریض زمین کو وجود بخشا ہے تا کہ صحیح طرح سے استفادہ اور نگہداشت کی جا سکے، اس پر بسنے والے افراد کی تعداد بھی ہر ملک میں خواستہ یا نخواستہ طور پر قابل ملاحظہ ہے، جس نے بڑے بڑے حکمرانوں کو تشویش میں ڈال رکھا ہے، لگتا ہے وہی ان کے رازق و مالک ہیں، ہر ملک کے حکام اپنے طور سے منصوبہ چلا رہے ہیں تا کہ آبادی میں کمی اور کنٹرول کر سکیں۔ ہمارا یہاں پر یہ موضوع نہیں ہے، ممکن ہے ہمدردی کا جذبہ پایا جاتا ہو۔

اعتقاد کا تعلق اگر چہ انسانی ضمیر سے ہے پھر بھی سیاسی اور سماجی جماعت بڑی حد تک دخالت رکھتی ہے اور سیاست کے تحت نسلوں کا ملیامیٹ کر دیتی ہے۔ آپ حبیب خدا کی بات میں تھوڑا سا غور کر لیجیے:

" كُلُّ مَولُودٍ يُولَدُ عَلى فِطرَةِ الِاسلَامِ وَ اَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِه وَ يُنَصِّرَانِه وَ يُمَجِّسَانِه "

ہر پیدا ہونے والا بچہ فطری طور پر دین اسلام (یعنی امنیت، سالمیت اور راہ اعتدال) پر پیدا ہوتا ہے، رہ گیا ان کے ماں باپ (خاص تربیت اور تعلیم کے ذریعہ) یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں۔

مادی دنیا ہی سب کچھ ہے! فطرت کی چوری اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے جو سیاست دشمن اسلام نے اتخاذ کی ہے وہ یہ کہ ظاہری طور پر یہودی، نصرانی بھی نہ بنیں، انھیں اسلام کے لباس میں ہی رہنے دیں، رہ گیا دھیرے دھیرے ان کے بنیادی عقائد اس کی دینی ہویت وحساسیت اور بیداری کو ختم کر دیا جائے، ان کے ذہنوں کو اتنا ماڈرن بنا دیا جائے تا کہ وہ مادی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھیں چنانچہ اسلام کی معنوی شناخت اور التفات کی ہر ممکن سرقت کر رہے ہیں، یہ بھی فطرت تبدیل کرنے کے مترادف ہے۔ اگر چہ خدا کا تصور ایک فطری امر ہے، لوگوں سے چھینا نہیں جا سکتا ہے، مدت مدید سے دشمن اپنی اس خصمانہ سازش پر حیران و پشیمان رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ قوم مختلف جماعتوں، مختلف خیالوں میں بٹی ہوئی ہے، مسلمانوں کو اہل سیاست عقائد کے جنجال میں الجھا کر ضرور تنگ کرتے رہے ہیں، نتیجہ میں بڑی تعداد میں مسلمان گمراہیوں کے آتش کدہ پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

باقی بچتا ہے معاشرہ کا نظم وانسجام اور سکیورٹی کا مسئلہ، جو بہت ہی اہمیت کا حامل ہے، یہی شعبہ ملک کے داخلی بیرونی اور صنف حکام کے محافظ ہیں، جس کے انحراف سے پورے شہروں، ملکوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے ان سب نظام کے بغیر زندگی مشکل ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں میں کون اور کس سسٹم کے تحت ان سب کو منظم اور ادارہ کر سکتا ہے؟

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ (۱)

ہم زبور میں پند ونصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے۔

وراثت کی حیثیت سے ولایت اور حکومت کے عہدہ پر ہمیشہ صالح افراد ہی سزاوار رہے ہیں۔ جو عین عقل کا تقاضا بھی ہے۔ ہر زمانہ میں یہی دیکھا بھی گیا ہے۔ ان حضرات انبیاء کی سرشت میں آشتی ہمدردی اور نیکی رچی بسی تھی۔ سیرت رسول اسلام ﷺ اور امیر المومنین علیہ السلام میں یہی دیکھا گیا کہ کبھی بھی ان حضرات نے اپنی بیعت منوانے پر کسی کو مجبور نہیں کیا ہے، یہ قوم کے اہل علم ومعرفت تھے کہ رسالت وامامت کے ہاتھوں بیعت کی خاطر اپنے دست بیعت بڑھاتے تھے، کہیں بھی ان حضرات نے کسی سے اپنی بات منوانے میں کوئی زبردستی نہیں کی ہے

۱۔ سورۂ انبیاء، آیت/۱۰۵۔

بلکہ جہاں ضرورت ہوئی ہے انھوں نے لوگوں کی دستگیری ضرور کی ہے، چاہے مدد لینے والا ان حضرات کا دشمن ہی کیوں نہ رہا ہو۔ یہاں ہم انسانی حریت اور وجدان کے محافظ امام علی علیہ السلام کا ایک جملہ نقل کرتے ہیں:

"اِنّی لَمْ اُرِدِ النّاسَ حَتّی أَرَادُونِی وَلَمْ اُبَایِعْهُمْ حَتّی بَایَعُونِی" (۱)

میں نے حکومت یا ولایت کو نہیں چاہا، یہاں تک لوگ خود میرے پاس آئے، میں نے ان کی بیعت کیلئے ہاتھ نہیں بڑھایا ہے مگر لوگوں نے اپنی مرضی سے میری بیعت کی ہے۔

کوئی انسان صبح آفرینش سے آخری لحہ حیات تک کوئی ایسی مثال لاسکتا ہے جیسی مثال ہمارے امام علی علیہ السلام نے قائم کی ہے۔ جہاں تک آزادی کا ذکر آیا ہے، امام نے ہر جگہ زر، زور اور تزویر سے پرہیز کیا ہے۔ فریب، مکاری، حرص، شاطرانہ تحریک اور کسی طرح کی بھی بغاوت کو باطل قرار دیا ہے۔

طلحہ اور زبیر کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"وَاِنّ الْعَامَّةَ لَمْ تُبَایِعنی لِسُلْطَانٍ غَالِبٍ وَلَا لِعَرَضٍ حَاضِرٍ" (۲)

عوام الناس نے میری بیعت نہ تو کسی خوف کی بناء پر کی ہے اور نہ ہی متاع دنیا کے حصول میں۔

"وَلَا تَقُولَنّ اِنّی مُؤمَّرٌ آمُرُ فَاُطَاعُ فَاِنَّ ذٰلِکَ اِدْغَالٌ فِی الْقَلْبِ، وَ مَنهَکَۃٌ لِلدِّینِ" (۳)

امام علی علیہ السلام نے جناب مالک اشتر سے فرمایا:

لوگوں سے مت کہو! مجھے حکم دیا گیا ہے، میں بھی تمہیں اسکا حکم دیتا ہوں لہذا پیروی کرنی چاہئے (۴)

یہ ایک نفی حکومت "Absolutism" ہے کیونکہ اسطرح کی خودنمائی دل کو فاسد اور دین کو پژمردہ اور نعمت کو زائل کردیتی ہے۔

میں نے اس مجمع کے اژدحام میں خوب غور وفکر کر کے دیکھا کہ اگر تمہاری درخواست کو قبول نہ کروں، تم کسی

۱۔ نہج البلاغہ، نامہ/۵۴۔

۲۔ نہج البلاغہ، نامہ/۵۴۔

۳۔ نہج البلاغہ، نامہ/۵۳۔

۴۔ محمد دشتی: حاشیہ نہج البلاغہ ص/۵۶۷

ایسے کو نہیں پا سکتے جو تمہارے اجتماعی امور میں خوب سمجھ کر علم وعدالت اور حقیقت کے ساتھ حکومت کرے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر تمہاری حکومت وخلافت کو قبول کرلوں اس صورت میں میری منزلت وفضیلت اور میرا حق ثابت ہوجائے تو یہ عمل اس سے بہتر ہے کہ دوسروں کی حکومت میں رہوں اور میرا مقام وفضل اور حق نامعلوم اور پوشیدہ رہے، اس لحاظ سے میں اپنے ہاتھ کو بڑھا کر بیعت لینے کو تیار وحاضر ہوگیا۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: اے گروہ مہاجرین، وانصار اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

تم سب میری پیروی کرو! کیا تم سب نے میری بیعت نہیں کی ہے؟

کیا میں نے تم سب سے عہد وپیمان نہیں لیا کہ ہمیشہ میری حکومت میں ثابت قدم اور پابرجا رہو اور میرے اوامر کی اطاعت کروگے اور تم لوگ دل کی سچائی اور گہرائی کے ساتھ اسلام سے خارج ہوجانے والوں اور قانون قرآن کے خلاف عمل کرنے والوں سے میرے ہمراہ جنگ اور جہاد کروگے؟

جو عہد وپیمان میں نے لیا، کیا وہ خدا سے معاہدہ اور محکم ترین پیمان نہ تھا جو کہ بیشتر افراد واشخاص سے لیا جاتا ہے؟ کیا تم نے اس عہد وپیمان کو قبول نہیں کیا تھا؟ کیا ان عہدوں میں خدا اور رسول کو گواہ نہیں بنایا تھا؟ کیا ان معاملات میں تم سب سے بعض کو بعض کا گواہ نہیں قرار دیا گیا تھا؟ کیا میں نے ان تمام معاملات میں خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل نہیں کیا ہے؟

مقام تعجب ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان خلافت کے لئے اٹھ کھڑا ہو!

اور مجھ سے اختلاف اور نزاع کرے پھر میری امامت کا منکر ہوجائے۔ معاویہ کا خیال تھا کہ مقام خلافت کا وہ مجھ سے زیادہ اہل وسزاوار ہے۔ اس مقام پر اس نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جرأت اور جسارت کی ہے، اپنے دعوی پر چھوٹی سے چھوٹی بھی دلیل نہیں رکھتا اور اس خلافت میں اس کا معمولی سا بھی حق نہیں ہے۔

اگر مہاجرین وانصار اور مسلمانوں کے سرداروں سے بیعت ثابت ہوتی ہے تو مہاجرین وانصار سے کسی نے بھی اس کی بیعت نہیں کی ہے۔

یہودی سیاست سے حفاظت

یہودیت کی چند علامتیں

دنیا کی قوموں میں ہر قوم کی کوئی نہ کوئی شناخت ہوتی ہے۔

جناب ابراہیم کی نسل تین بڑی قوموں میں تقسیم ہوگئی، عیسائی، یہودی اور مسلمان۔ جن سب کا دین؛ دین ابراہیمی ہے۔ جناب ابراہیم اور دوسرے نبیوں نے بشریت کو شرک و الحاد سے دور رہنے کا پیغام دیا پھر بھی یہودیوں نے جناب عزیر کو اور عیسائیوں نے جناب عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا مان کر شرک اختیار کیا۔

اسی بنیاد پر عیسائی عقیدہ تثلیث (خدا کے ساتھ روح قدس، جبرئیل اور حضرت عیسیٰ کی خدائی) کے قائل ہو گئے۔

جناب ابراہیم سے دو نسل چلی، آپ کی شریک حیات جناب ہاجرہ سے جناب اسماعیل پیدا ہوئے، انھیں کی نسل سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور جناب سارہ سے جناب اسحاق دنیا میں آئے، جن کے پوتے یہودا ابن یعقوب بن اسحاق کی نسل سے قوم یہود اور نسل بنی اسرائیل وجود میں آئی۔

اسلام سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان سخت اختلاف تھا، حضرت عیسیٰ نے بنی اسرائیل کی اصلاح وہدایت کی بہت کوشش کی لیکن خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوسکا، چنانچہ دھیرے دھیرے اصل دین ہی مسخ ہوتا گیا۔

۱) یہودی مال کی جمع آوری میں نہایت حریص تھے اور ہیں۔ اس بات کا قرآن سے استناد کرتے ہیں:

اے نبی! آپ ان یہودیوں کو" دنیاوی زندگی میں مشرکوں سے بھی زیادہ حریص پائیں گے۔ ان میں سے

ہر ایک ہزار ہزار سال کی عمر چاہتا ہے..."(۱)

۲) نہایت چال باز قوم: وہ چال بازی یا دوغلی پالیسی سے کام لینا چاہتے ہیں...(۲)

۳) نبیوں کا قتل: ان کے نزدیک پیغمبروں کا قتل ایک معمولی کام تھا، غیر یہود کیساتھ بے رحمی ان کا طرہ امتیاز ہے جسوقت یہودی لوگوں کو اسیر کرتے تو ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کے سامنے ڈال دیتے تھے۔

۴) قومی تعصب: یہودیوں میں قومی تعصب اور برتری کا اتنا احساس کہ دوسروں کو حیوانوں سے پست سمجھتے تھے، یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں...(۳)

۵) اختلاف: جھگڑا، تفرقہ اندازی، جنگ افروزی ان کی خاص عادت ہے۔

۶) لعنت: کفار بنی اسرائیل پر جناب داؤد اور جناب عیسیٰ کی زبانی لعنت ہوئی ہے کیونکہ وہ نافرمانی اور حد سے تجاوز کر گئے تھے(۴)

ربا اور سود خوری: ربا اور سود خوری ان کا بہترین مشغلہ تھا جبکہ خدا نے اس سے منع کیا ہے(۵)

ایسا ظالمانہ طور طریقہ اپنایا جو کسی دین و آئین میں نہیں، انھوں نے مفاد پرست مسلمانوں کو ہم شریک بنالیا، بنی امیہ نے بھی بالکل وہی کردار نبھایا۔ آج بھی بہت سے اسلامی ملکوں کے سربراہ وہی طریقہ اپنائے ہوئے ہیں۔

ابوجہل اور ابوسفیان جو ہمیشہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانی دشمن اور سخت مخالف تھے، جنھوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا، ظلم و ستم میں یہودیوں سے بھی آگے بڑھ گئے، ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ اسلام کی صحیح شکل و صورت مسخ ہو جائے، چنانچہ اپنی سازشوں کو عملی جامہ پہنانے میں سرگرم رہے اور اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت، شان و شوکت پر قبضہ جمائے رکھا جس کے ذریعہ روز بروز باطل سیاست استوار ہوتی گئی۔

۱۔ استفادہ از: سورۂ بقرہ آیت، ۹۶۔

۲۔ استفادہ از: سورۂ نساء آیت، ۱۴۱۔

۳۔ استفادہ از: سورۂ مائدہ آیت، ۱۸۔

۴۔ استفادہ از: سورۂ مائدہ آیت، ۷۸۔

۵۔ استفادہ از: سورۂ نساء آیت، ۱۶۱

آپ دقت فرمائیں! جب خلافت کے عہدے کو امام علیؑ نے اسلام وامت کی خیر خواہی کیلئے قبول فرمایا تو ان ہی لوگوں نے آپ کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کیا یہاں تک کہ معاویہ نے بارہا، امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کے خلاف بغاوت اور لشکر کشی کی، امام کے خلاف ہر سو پروپگنڈہ کیا گیا، حقوق کو پامال کیا، آخر کار امام علیؑ جیسا عدالت الہی کا مظہر حق وانصاف کے میزان کو اسی دنیا میں رہنے نہیں دیا۔ پھر امام حسنؑ کو شہید کروادیا، اور آخر میں فرزند رسول امام حسینؑ کے ہوتے ہوئے یزید جیسے بدکردار کو مسلمانوں کا خلیفہ بنادیا اور مسلمانوں کو مجبور کیا کہ اس فاسق وفاجر کی بیعت کریں۔ یہ سیاست ابوسفیان سے چلی آرہی تھی جس کی انتہا یزید پر ہوئی لیکن اس اہرمن کو امام حسینؑ نے معرکہ کربلا میں ہمیشہ کے لئے توڑ دیا۔

واقعہ کربلا کی تیاری میں تاریخی ثبوت، حکمراں جماعت اور ان کی منصوبہ بندیوں کا دقت سے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ کربلا جیسا حادثہ سقیفہ بنی ساعدہ کا ہی پس منظر تھا:

اب تلک منظر سے ہٹ کر ظلم کرتے تھے یزید
اک یزید آیا سر منظر تو پس منظر کھلا

عیسائیوں کی غلط منطق

یہ لوگ خود اپنے آئین مسیح کی درست پیروی نہیں کرتے ہیں۔ اس قوم نے اپنا شعار ضرور بنا رکھا ہے کہ ہم حقوق بشر کے پاسبان ہیں اور اسی بہانے دنیا کے ممالک پر اپنے منافع کی خاطر قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔ ان سے اگر سوال کیا جائے دیگر ممالک پر جو ظلم، ناانصافی اور قتل وغارت گری کر رہے ہو، یہ بتاؤ اگر حضرت مسیح موجود ہوتے، اور تم لوگوں نے افغانستان، عراق، فلسطین اور لبنان میں جو قتل وغارت اور قیامت برپا کر رکھی ہے، کیا اس سے راضی ہوتے؟ آج حضرت مسیح ان تین امر میں کس کا انتخاب کرتے؟

(۱) خاموش رہکر تمہارے قتل وغارت کا تماشا دیکھتے (۲) یا تمہارے ظلم میں تمہاری مدد کرتے (۳) یا پھر ان عراقی افغانی فلسطینی اور لبنانی مظلوموں کی مدد کرتے؟ یقیناً حضرت مسیح ان مظلوموں کی مدد کرتے۔

اگر یہ لوگ بھی حضرت مسیح کی سچی پیروی کرنے والے ہوتے تو تیسرے امر کا انتخاب کرتے اور ہرگز ان مظلوم قوموں پر ظلم وزیادتی اور قتل وغارت کو دیکھ کر خاموش نہ بیٹھتے۔

تمام ادیان پر غلبہ

﴿وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا کَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِیْرًا وَنَذِیْرًا وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾(۱)

اس آیت میں نبی کریم کی رسالت عامہ کا ذکر ہوا ہے کہ آپ کو پوری نوع انسانی کا رہنما، خوشخبری سنانے اور نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ دوسری آیت میں ہے کہ آپ کہہ دیجئے، میں تم سب کیلئے اللہ کیطرف سے بھیجا گیا ہوں:

﴿قُلْ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا﴾(۲)

اسلام کسی خاص جماعت یا گروہ کیلئے نہیں آیا ہے اور حقیقت میں ہوا بھی کچھ ایسا ہی کہ صرف جزیرۃ العرب کے لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ دیگر اقوام عالم نے بھی اسلام کو گلے لگایا ہے۔

﴿ھُوَ الَّذِی اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ﴾(۳)

اس طرح کی اور بھی آیتیں ہیں جو اسلام کی ایک عالمی قیادت اور حکومت پر دلالت اور اشارہ کرتی ہیں۔

پچھلی بحث سے بھی یہ بات واضح ہوئی کہ "اسلام؛ صلح وامنیت، حسن معاشرت، ہدایت وعدالت اور درست منطق وتعلیمات" کے سبب دوسرے ادیان پر غالب آیا ہے، چنانچہ اگر اہل انصاف دقت کریں تو اسلام کی بہت بڑی کامیابی اوراق تاریخ پر ملاحظہ کر سکتے ہیں منجملہ یہ کہ عیسائیت نے صدیوں سال تک خود کو چھپائے رکھا۔

۱۔ سورۂ سبأ، آیت ۲۸۔

۲۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۵۸۔

۳۔ سورۂ توبہ آیت ۳۳۔

کفار ومشرکین کی بت پرستی اور دیگر سیاسی ہتھکنڈوں سے فائدہ اٹھایا پھر بھی آج تک اسلام کے مقابل کوئی منظم آئین پر پائدار نہ رہ سکے اس کے مقابلہ میں رسول اسلام ﷺ نے اپنی حیات کے آخری حصہ میں اسلام کی تبلیغ کی اور چند سالوں میں لاکھوں دلوں میں اسلام ایسا نفوذ کر گیا کہ ہر چند کفر وشرک اور منافقت نے ان دلوں میں تزلزل پیدا کرنا چاہا مگر کامیابی نہیں ہوئی اور اسلام سرزمین عرب سے بڑھ کر قیصر وکسری اور شرق وغرب عالم پر چھاتا گیا۔ چند ایسے اسباب جنکی وجہ سے اسلام کی تبلیغ میں رسول اعظم ﷺ کا پیام مؤثر ثابت ہوا ہے:

۱. جناب ابوطالبؑ کی حمایت

محسن اسلام جناب ابوطالب کی رسول اللہ ﷺ سے شدید الفت ومحبت اور حمایت، اس بات کی تائید میں معروف قصیدہ کا شعر ملاحظہ فرمائیں:

"وَأَبيَض يَستَسقَى الغَمَامَ بِوَجهِهِ ثِمَالَ اليَتَامَى عِصمَةً لِلأَرَامِلِ"

آنحضرت کے چہرہ مبارک کی سفیدی کی برکت سے لوگ طلب باراں کرتے اور وہ یتیموں، بیواؤں کے ملجاء وپناگاہ ہیں (۱)

روایت میں ہے کہ بعد ہجرت مدینہ میں قحط پڑا، لوگوں نے رسول اعظم ﷺ سے خشک سالی کی شکایت کی، حضور منبر پر جلوہ افروز ہوئے، دعا فرمائی بغیر فاصلہ اتنی بارش ہوئی کہ کثرت باراں اور سیلاب کے خوف کی شکایت ہوئی۔ آنحضرت نے دست مبارک بلند کئے اور فرمایا، بارالہا ہم پر اور ہمارے اطراف میں باران رحمت نازل فرما۔ یہ کہنا تھا کہ بادل چھٹا اور پھر اطراف شہر حلقہ وار بارش کرتا ہوا چلا گیا۔

اس وقت رسول خدا ﷺ نے فرمایا: آج ابوطالب ہوتے اس ماجرا کو دیکھ کر نہایت خوش ہوتے، جس پر کچھ اصحاب نے کہا گویا اس شعر سے ابوطالب کو یاد کر رہے ہیں کہا، ہاں ابوطالب کو یاد کر رہا ہوں (۲)

۱۔ ابن ہشام: سیرہ النبی ج۱، ص ۲۷۲..(سید ہاشم رسولی: زندگانی پیامبر اسلام: ص ۱۷۰۔

۲. حوالہ مذکور ص ۱۷۵۔

۲. دعوت کا طریقہ کار

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ﴾(۱)

اپنے اللہ کی جانب حکمت اور اچھی باتوں کے ذریعہ لوگوں کو بلاؤ اور ان سے بہترین طریقہ سے گفتگو کرو۔

۳. مبلغین کا اعزام

سرکار رسالت نے تشکیل حکومت کے بعد بعض جگہوں میں اپنے مبلغ بھیجے۔ جن میں حبشہ، لبنان، مصر اور یمن قابل ذکر ہیں

۴. اخلاق و کردار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور کا مقصد بعثت ہی اخلاق انسانی کو پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔ اسلام کی تبلیغ و ترویج میں اخلاق و کردار رسول نہایت مؤثر رہا ہے۔

۵. قرآن جیسی معجز نما کتاب

جو نبوت کی صداقت کی گواہ، بے مثل و بے نظیر، ایسی کتاب کہ جس کے ایک سورے کا دنیا جواب لانے سے قاصر ہو، جس میں بعثت رسول اعظم سے پہلے کی غیبی باتوں کا ذکر، گذشتہ اور آئندہ قصص و حوادث کی خبر، ماوراء طبیعت کا بیان موجود ہو، ایران و روم کے غلبہ کی خبر اور اسی طرح سے رونما ہونا، اکثر لوگوں کی مخالفت کے باوجود تحریف سے محفوظ اور مرسل اعظم کا ذات خدا پر اعتماد اور قرآنی آئین پر عمل کرنا۔ آج بھی دنیا نے استعمار کے مظالم کو دیکھا کہ عوام الناس کے حقوق کو پامال اور شہروں کو تاراج کیا۔ عدل و انصاف اور امنیت کے نام پر ملکوں اور قوموں کو تباہ و برباد کیا جا رہا ہے، یہ سب ایسی صورت میں ہے کہ اسلام کے قانون پر اہل مملکت عمل نہیں کر رہے ہیں، زیادہ تر اسلامی ممالک سامراج کی خوشنودی اور مسلمانوں کی سرکوبی کیلئے کام کر رہے ہیں، اس کے باوجود دنیا بھر کے لوگ سیلاب کی طرح اسلامی تعلیمات کی جانب متوجہ ہیں اور اگر بڑی بڑی طاقتیں رکاوٹ پیدا نہ کریں پھر ساری دنیا پر اسلام کا پرچم لہرانے لگے۔ انشاءاللہ ان تمام بغض و عداوت اور قتل و غارت کے باوجود عنقریب سامراجی سازشیں ناکام ہو جائیں گیں۔ وعدہ حق پورا ہو جائیگا اور ہر گوشہ و کنار عالم میں دین مصطفیٰ ہوگا جس کو آنحضرت کے آخری جانشین امام بقیة (عج) اللہ ادارہ فرمائیں گے۔

۱۔ سورۂ نحل: آیت/۱۲۵۔

دانشوروں کا نظریہ

آج غربی دانشوروں کی تحقیقات اس فکر پر مرکوز ہو رہی ہیں کہ تمام عالم ایک قانون اور حکومت کے تحت کنٹرول اور کنڈکٹ کیا جائے۔ اسلام نے ہزاروں سال قبل اس نظریہ کو بیان کیا تھا، جو ان دانشوروں کے بقول تمام مسائل کے حل کے ساتھ لائق اجرا بھی ہے۔

مناسب ہوگا کہ یہاں پر چند نظریات کا ذکر کیا جائے تا کہ بحث اچھی طرح روشن ہو جائے کانٹ امانوئل جرمن کا معروف فلسفی کہتا ہے:

''نظم کائنات کیلئے عالمی پیمانہ پر ایک قانون وضع ہونے کو شرط جانا گیا ہے''

اس کے بقول: ''کائنات کا نظم و ضبط عالمی قانون کے منظّم کرنے پر منحصر ہے، اسی بات کو اہل مذہب نے بتایا ہے اور یہ وہی بات ہے جو نبیوں نے قدیم زمانہ سے اس کے محقق ہونے کو تلاش کیا ہے اور حتی المقدور کوشش کی ہے کہ وہ تاریکیوں میں روشنی دے سکیں'' (۱)

ہاں! اللہ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمایا ہے:

لوگوں میں جو ایمان والے ہیں اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ظہور امام قائم کے وقت زمین پر اپنا خلیفہ بنائے، جیسا کہ گذشتہ امتوں میں صالح نبیوں کو خلیفہ بنایا اور اپنے پسندیدہ دین کو سب پر غلبہ دیا نیز مومنین کو دشمنوں کے خوف و ہراس سے مکمل امان عطا کیا۔

۱۔ احمد قاضی زاہدی گلپایگانی: حضرت مہدی کی یاد سے، ص/۶۲۔

چنانچہ وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی کو بھی شریک قرار نہ دیں اور جو اس کے بعد بھی ناشکری کریں گے تو ایسے لوگ یقیناً فاسق و فاجر ہیں (۱)

حضرت امام مہدی (عج) کی عالمی حکومت کے بارے میں فرمایا ہے:

"اپنے نبی کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ دین حق کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے" (۲)

گنجی شافعی معتقد ہے کہ بیان شدہ آیت حضرت مہدی (امام زمانہ عج اللہ فرجہ الشریف) کی ایک عالمی حکومت کے بارے میں ہیں (۳)

(فوکویاما) (Foucault Yama)

جاپان کے محقق جو امریکہ کے دراصل رہنے والے ہیں، معتقد ہیں کہ تاریخ ا۔ نے کمال کی طرف بڑھ رہی ہے جو کمال معنوی اور مادی دونوں کی حامل ہے۔ جب آخری زمانہ آجائے گا تو معنوی اور ذاتی کمال حاصل ہوگا، اسکے نظریہ کے مطابق ایک عالمی حکومت آخری زمانہ کی ایک ضروریات ہے۔

(فوکویاما) نظریہ کے مطابق، لیبرال ڈموکراسی اپنے انتہائے بلندی پر پہنچنے کے بعد اسکو اپنے کچھ بنیادی اصول سے ہٹنا ہوگا (۴)

(ہاروارڈ) یونیورسٹی کے ایٹمی تخصص اور وانستیوتوی ٹکنالوژی ماسایو نے اعلان کیا کہ دنیا ۲۰۰۰ سنہ عیسوی سے پہلے تک ایٹمی جنگ سے مغلوب تھی مگر دینا کے سبھی مملکت میں اپنی ملی حاکمیت کو چھوڑ کر ایک عالمی حکومت تشکیل دیں لیکن ایسی حکومت کا تشکیل پانا دور حاضر میں ممکن نہیں لگتا (۵)

۱۔ سورۂ نور، آیت ۵۵۔

۲۔ سورۂ توبہ، آیت ۳۳۔

۳۔ گنجی شافعی: البیان فی اخبار صاحب الزمان، تحقیق محمد ہادی امینی ص ۵۵/۔

۴۔ بعض رائٹر: جامعہ ائیڈیل اسلامی ومبانی تمدن غرب، ص ۲۹۶/۲۹۴۔

۵۔ آیۃ اللہ لطف اللہ صافی گلپایگانی: امامت ومہدویت۔ یہ دانشمندوں کی پیش بینی کا ملا بجا تھی کیونکہ اقوام متحدہ (انرژی شعبہ) کی تلاش باعث ہوئی کہ تیسری جنگ جہانی واقع نہ ہو مگر ابھی یہ احتمال ہے۔

(نیوکولو ماکیاولی)(Niccolo Machiavelli) اعتقاد رکھتا ہے کہ نئی جمہوریت کی تاسیس یا قوانین منظم کرنے کے لئے کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے، ایک امر اور بھی لازم ہے وہ یہ کہ ایک شخص کے ہاتھ سے انجام پائے اور اس کلی قانون کو قبول کرنا چاہئے کیونکہ ایک بادشاہی جمہوری ملک کے ساتھ ہرگز ممکن نہیں ہے یا بہت کم ممکن ہے کہ شروع سے اچھا نظام رکھتا ہو یا پہلے کے قانون کامل طریقہ سے بدل جائے مگر صرف تنہا ایک شخص کے ذریعہ ایک قدرت کو اپنے اختیار میں رکھتا ہو اور وہ یہ کوشش کرے کہ غیر محدود طاقت حاصل کرے (۱)

(آرنولڈ ٹوین بی)(Toynbee Humbe)

نسل بشریت کو نجات پانے کے لئے ایک عالمی حکومت کو ضروری جانا ہے اور کہتا ہے: بشریت کی حفاظت کرنے کا تنہا راستہ ایک عالمی حکومت کی تشکیل اور ایٹمی اسلحوں کے پھیلاؤ سے روک تھام کرنا ہے (۲)

(اڈوارڈ ہامبر)(Edward Humber) بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ اس زمانہ میں دنیا کے غیر مطلوب حالات سے نجات حاصل کرنا اور صلح وصفا اور امنیت برقرار رکھنے کیلئے متحد اور قدرتمند قوموں کی ضرورت ہے۔

ابھی دسیوں لاکھ لوگ مظلوم، فقر اور ناامیدیوں کی کشمکش میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور نئے خطرات و مشکلات انسان کو گھیرے ہوئے ہیں، اس پرانے اور نئے مسائل کے مقابلہ کیلئے خاص طور سے صلح برقرار کرنے کیلئے متحد اور قدرتمند قوموں کی ضرورت ہے۔ حکومتوں کو چاہئے کہ اپنی حاکمیت کے دعوے کو چھوڑے اور دنیا کو ایک عالمی پیمانہ کی حکومت کی نظر سے دیکھیں (۳)

(زیو) یونان کا ایک فلسفی ہے جس نے ۳۵۰ سال قبل مسیح زندگی کی ہے، کہتا ہے:

بشر کی نجات وسعادت کا صرف ایک واحد راستہ ہے جو ایک نظام کی پیروی کرنے والا ہے (۴)

۱۔ نیکولو ماکیاولی: گفتارہا، محمد حسن لطفی کا ترجمہ، ص/۶۶-۶۵۔

۲۔ شعبانعلی لامعی: قدیس، ص/۲۵۳، روزنامہ اطلاعات شمارہ ۱۱۶۱۷۔

۳۔ حوالہ سابق، ص/۲۵/۴۔

۴۔ انتظار، فصلنامہ تخصصی

(پلوتاک،۶۴/۱۲۰ء) یونانی مؤرخ اور مصنف لکھتا ہے:

''لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ایک عالمی اجتماع سماج بنائیں اور قانون واحد کی پیروی کریں تا کہ سعادت حاصل ہو''(۱۵)

''توماس کامپلا'' اپنے مدینہ فاضلہ میں ''ملک خورشید'' کے نام متضاد مساوات معاشرہ کے ضمن میں برابری کے عنوان سے یعنی کام میں برابری، حقوق میں برابری، زندگی میں برابری...کو عالمی وسیاسی سطح پر عدالت درست و نادرست کی بنیاد پر بیان کیا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے مشہور دانشمند بشریت کو مشکلوں وسختیوں سے نجات دینے اور مادی ومعنوی بے سروسامانی کو مختلف برداشت کیساتھ ذکر کیا ہے، رہ گیا اکثریت نے سعادت مند زندگی بسر کرنے کیلیئے مناسب اور ایک عالمی حکومت کے زیر سایہ ہونے کی تاکید کی ہے۔

آج بہت وسیع تبدیلی کی تحریک دنیا میں چل پڑی ہے اور دانشمند حضرات بشریت کی نجات کیلیئے ایک عالمی حکومت پر یقین رکھتے ہیں کہ آج کے عالمی حالات باقی نہیں رہ سکتے اور آج بشریت دو راہے پر پہنچ چکی ہے۔ دانشمندوں کی توجہ خاص طور سے معنوی اور عالمی واحد حکومت کی طرف ہونے سے یہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ جو مادی علوم ودانش کے علمبردار ہیں اور دور حاضر کے تمدن، حکومتوں سے ناامید ومایوس ہو چکے ہیں۔ آج آزادی کے جھوٹے منادی اور بشر دوستی کے نکلے حامی دنیا کے محروم اور کمزور لوگوں کو ظالم کے ظلم و استبداد سے چھٹکارا دلاسکیں۔

آج کے خونخوار استکبار نے کمزوروں پر ظلم وستم کرنے میں فرعون وحجاج اور ہٹلر کو بھی پیچھے کر دیا ہے۔ بنی آدم کو کرامت انسانی اور شرافت نفسانی سے خالی کر دیا ہے۔ جس کی افغانستان وعراق زندہ دلیل ہے۔

ڈاکٹر کارل (Dr. Korel) لکھتا ہے:

مشینری تمدن جو چلا ہوا ہے، یہ جیتنے کے لائق نہیں ہے کیونکہ زوال کی طرف جا رہا ہے۔ علوم کی خوبیوں نے بے جان مادہ کو لیکر بشر کو اسطرح سے حیرت زدہ کر دیا ہے کہ انسان خود کو بھول گیا ہے کہ اس کی روح وبدن ایسے مقدس قوانین کی پیروی کرتے ہیں جو ستاروں کے قوانین کی طرح بدلتے نہیں ہیں، جس سے کسی کو کوئی خطرہ اور

نقصان نہیں ہے، یہ کسی کو پامال نہیں کر سکتے لہذا ایسے روابط کی جانکاری جو انسان دنیا والوں کو آپس میں ملاتے ہیں اسی طرح علم و دانش کے روابط میں دقت نظر کرنا چاہئے کیونکہ ہر چیز کی انسان شناخت کر کے پیش کرے خواہ وہ انحطاط ہو یا ہمارے تمدن کی خوبیاں، یہاں تک کہ کائنات کے ستاروں کی عظمت بھی ختم ہو جاتی ہے(۱)

''کنت ڈوثوئی'' (Licknet Douthoie) بھی آج کے مادی تمدن کی ترقی سے شکوہ کرتا ہے اور معتقد ہے کہ آج کے حالات میں، انسان کی اصل مشکل کا حل تلاش کرنے کیلئے کوئی دقت نہیں کی جارہی ہے، آگے کہتا ہے:

''تمدن اتنی تیزی میں ترقی کر رہا ہے کہ تمام لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے ہے اور دوسری حقیقی مشکل کو حل کرنے کیلئے وقت نہیں بچتا ہے۔ نئے اختراعات کا جلوہ جو ۱۸۸۰ء کے بعد سے مسلسل واقع ہو رہا ہے، لوگ بچے کی طرح جو پہلی بار سرکس دیکھنے جاتے ہیں اور اپنے خواب و خوراک کو بھول جاتا ہے، اسی طرح مجذوب بنالیا ہے۔ ظاہری نمائش واقعی ہو گئی ہے اور حقیقی اہمیت جو ان نئے ستاروں کے مقابل دکھائی دے رہی تھی دوسرے رتبہ میں پہنچ گئی ہے۔

بہت سے صاحب نظر اس غلط طریقے سے باخبر تھے اور خطرے کا اعلان کر دیا تھا لیکن کوئی توجہ نہیں کر رہا ہے کیونکہ عجیب وغریب بت آ گیا تھا اور خاص بت پرستی جو نئی چیزوں کی ستائش کے لائق ہے لوگ اس پر پابند ہو گئے ہیں، دنیا بدلتی جارہی ہے اور اپنے کل کے لباس کو زیادہ فاخرہ لباس سے بدل لیا اور بنی آدم علم کے بے حد و حساب طاقت پر مسلط ہو گئے ہیں۔ اور خیر خواہ اہل علم کے پند و نصائح کو گوش گزار نہیں کرتے (۲)

بیشک یہی تمدن آج بھی دنیا پر غالب ہے، جو انسان کی فطری طبیعت سے ہماہنگ نہیں ہے کیونکہ یہ تمدن حیوانیت کے تقاضہ کو پورا کرتا ہے اور معنویات سے غافل بنادیا ہے، اسی وجہ سے یہ تمدن اپنے سارے فروغ اور پروپگنڈہ کے باوجود انسان کو خوش بخت نہیں بنا سکا ہے، یہ تمدن سماج کے دردمندوں کا علاج نہیں کر سکتا ہے اور سعادت و کامیابی کو فراہم نہیں کر سکتا ہے۔

۱۔ گفتار فلسفی، اخلاق، ج ۲، ص ۳۔

۲۔ سابق حوالہ ص ۱۹۔

البتہ مکمل ناامیدی کے باوجود اس طرح کی نمائندگی کے خطرات سے آگاہی رکھیں اور دانشمند، خیرخواہ محروم وکمزور لوگوں کے ہم آواز رہیں تاکہ قافلہ بشری کو معنویات کی طرف ہدایت کریں، جس سے وہ لوگ اپنی سعادت و خوشبختی تک پہنچنے کیلئے آسمانی رہبروں سے فائدہ اٹھائیں۔ وہ تحریک پر برکت ہے کہ جو آج کی نسل کو راہ راست کی طرف ہدایت کرتی ہے اور ان لوگوں کو گمراہی کی تاریکیوں میں گم ہونے سے رہائی دلاتی ہے اور عام لوگوں کی فکر کو ایک عالمی حکومت کی قبولیت کیلئے امید بخشتی ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ غیر مسلم دانشمندوں کے ان نظریات کو بیان کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جو ایک عالمی حکومت کے بارے میں وہ کہہ رہے ہیں، یہ وہی ایک عالمی حکومت ہے، جس کا مسلمان اور خاص طور سے شیعہ اعتقاد رکھتے ہیں کیونکہ وہ حکومت جسکا سارے دانشمندوں نے اشارہ کیا ہے، نہ تو وجود میں آنے والی ہے اور اگر وجود میں آجائے تو اس کے اجرا کی کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔ بالفرض اگر ایسی حکومت ایک دن تاسیس پائے تو ساری عالمی تنظیمیں بے اثر و بے خاصیت ہو جائیں گیں اور کبھی بھی کمال و سعادت تک نہیں پہنچ سکے گی کیونکہ ایک عالمی حکومت اس وقت انسانوں کیلئے مفید اور نفع بخش ہوگی جبکہ مکتب الٰہی پر مبنی ہو اور ایک صالح، خیرخواہ، عدالت کو پھیلانے والا، خطاؤں سے پاک ہو، دوسرے لفظوں میں ان کے درمیان امام معصوم ہو اور وہ حکومت عدل کو توسیع دینے والے امام زمانہ - ہونگے جیسا کہ خداوند عالم نے اس حکومت کے محقق ہونے کا وعدہ کیا ہے۔ سورۂ توبہ، آیت ۳۳/۔ اس کے علاوہ اور آیتیں ہیں جو عالمی حکومت بنانے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

یہ آیت خاص طور سے عہد حاضر میں امام زمانہ بقیۃ اللہ کی حکومت سے متعلق ہے، جس کی ایک خصوصیت یہ ہوگی کہ اس عالم گیر حکومت اللہ پر ایمان رکھنے، اور اس کے رسول سے محبت کرنے والے ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد و کوشش کرنے والے ہوں گے۔ اللہ کے بارے میں کسی ملامت سے ڈرنے والے نہیں ہوں گے۔ اس حکومت میں عدل و انصاف اور مساوات ہوگا اور اس کو ادارہ کرنے کا طریقہ کار الٰہی دستور پر مبنی ہوگا قرآن و حدیث کی روشنی میں رسول ﷺ اور دیگر ائمہ معصومین ؑ کی عملی سیرت کا نفاذ ہوگا۔ اگرچہ عہد رسول میں منافقین نے یہ حکومت پائدار نہیں رہنے دی اور وہ دین سے پھر گئے۔

قائم آل محمد کی حکومت و نیابت

ہر انقلاب، تحریک اور مکتب فکر کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہوتی ہے، جیسا کہ کچھ حد تک بحث ہوئی، اور بہت سارے دانشمند حضرات کے نظریہ کا مطالعہ کیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جسوقت سے دنیا وجود میں آئی ہے کسی بھی تحریک انقلاب اور اس کی بنیادی فکر باقی نہیں رہ پاتی کیونکہ اس کی کوئی دائمی فکر، مستقل منصوبہ نہیں ہوتا اسوجہ سے عالمی حکومت ادارہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، چنانچہ جب تک غلط سیاست، دولت اور اسلحوں کی طاقت ہوتی ہے وہ حکومت رہتی ہے اور جیسے ہی زور و جلال ختم ہوا سارا کھیل درہم برہم ہوا۔ جو مکتب فکر اللہ نے اپنے رسولوں کو دیا ہے تا کہ اس کا نفاذ ہو اور عوام تک ابلاغ کریں چونکہ اس میں مستقل ایک فکر ہے، قیام ہے، اور حیات ہے۔ اگر نظام میں ایک استوار محکم دائمی توحیدی فکر نہ ہو جن قوانین کی بنیاد پر قیام باقی رہتا ہے تو وہ تحریک یا مکتب بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔

قُل یَا اَھلَ الکِتابِ لَستُم عَلیٰ شَیءٍ حَتّیٰ تُقِیمُوا التّوراۃَ وَ الانجِیلِ وَ مَا اُنزِلَ اِلَیکُم مِن رَبّکُم.

(۱) اے اہل کتاب! تم توحیدی اصل نہیں رکھتے ہو جس سے آسمانی کتاب توریت انجیل اور جو کچھ تمہارے پروردگار کی جانب سے نازل ہوئی ہے اقامہ کرسکو۔ اگر چہ یہ آیۂ کریمہ اہل کتاب کے بارے میں ہے لیکن اس کا مضمون مسلمانوں کو بھی شامل ہوتا ہے۔ اگر مسلمان چاہیں قرآن کریم کا اقامہ (اجرائے احکام) کریں تو انھیں چاہیے قائم ہوں تا کہ اس توحیدی مکتب کے اقامہ کی طاقت رکھ سکیں کیونکہ یا انسان قائم، استوار و اور ملجار کھتا ہوگا، اگر نہیں رکھتا ہوگا یا نہیں رکھتا ہوگا تو قائم ہی نہیں ہے۔ اگر قائم نہیں تو اقامہ کی قدرت بھی نہیں ہوگی ہمارے امام معصوم نے بھی قرآن کا اقامہ اسی شیء پر کیا ہے۔

آیۃ اللہ جوادی آملی کے بقول: ائمہ معصومین نے قرآن کریم کا اقامہ کیا ہے:

اَشھَدُ اَنّکَ قَد اَقَمتَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَیتَ الزَّکٰوۃَ.(۲)

اے مولا امام حسینؑ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز کو قائم کر دیا اور زکات کا حق ادا کر دیا۔

۱۔ سورۂ مائدہ/۶۸۔

۲۔ شیخ عباس قمی: مفاتیح الجنان، زیارت۔

اقامہ کیا کیونکہ امر کا اقامہ ایک شیء پر ہوتا ہے، جو مضبوط و مستقل اور غیر متزلزل فکری پائگاہ رکھتی ہو، امامت رسالت کی نیابت ہے، لہذا نبوت کی طرح،، بجب عن اللہ،، جہاں بشر کو خدا نے خلق کیا اور تربیت کرتا ہے، وہیں قانون گذار بھی خدا کی طرف سے ہونا چاہیئے، اسی وجہ سے امامت میں جو بحث ہے وہ خدا متعلق سے ہے نہ کہ مخلوق خدا سے ہے۔ اور وہ علم کہ جو خدا کے کام سے بحث کرتا ہے، وہ علم کلام ہے۔ جو اپنے امام کو لوگوں کی رائے سے بناتے ہیں وہ انتخابی اور سقیفہ کا امام ہوتا ہے۔ ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے کہ دشمن نے امام معصوم سے پہلے امامت اور ولایت خدا کو میدان سیاست سے باہر کھینچا ہے۔ اللہ پر واجب ہے امام کو معین کرے اور لوگوں پر واجب ہے کہ ولایت امام کو قبول کرے۔ امامت کو اصل میں نبوت کے ساتھ ہے اور فروع میں نماز و روزہ کے ساتھ بھی ہے۔

ولی فقیہ، حاکم شرع جامع الشرائط مجتہد کو دیکھ لیجئے، لوگوں کا منتخب شدہ، وکیل یا نمائندہ نہیں ہے بلکہ لوگوں کا ولی اور نمائندہ حضرت بقیۃ اللہ جو جانشین رسول اللہ ہیں۔

فقیہ جامع الشرائط کا کام فقط فتوی دینا، تالیف، ترجمہ اور شرح لکھ دینا نہیں بلکہ سب احکام کو زندہ اور وجود بخش دینا ہے، انبیاء ائمہ صرف مسئلہ بیان کرنے نہیں آئے تھے، نبوت و امامت کی بحث ہے کہ لوگوں کا حکومتی نظام اسلامی ہونا چاہئے۔ یہ ساری ان کی ذمہ داریاں تھیں مگر طاغوت زمانہ نے ان کے ہاتھوں کو باندھ دیا تھا:

اِنّ الّذِینَ یَکفُرُونَ بِآیَاتِ اللّهِ وَیَقتُلُونَ النّبِیّنَ بِغَیرِ حَقٍّ وَ یَقتُلُونَ
الّذِینَ یَامُرُونَ بِالقِسطِ مِنَ النّاسِ فَبَشّرهُم بِعَذَابٍ اَلِیمٍ. (۱)

جو لوگ اللہ تعالی کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور وہ لوگ جو عدل وانصاف کی باتیں کرتے ہیں انھیں بھی قتل کر ڈالتے ہیں، تو اے نبی انھیں دردناک عذاب کی خبر دیجئے۔ جس اسلام میں حدود، دیات، جنگ وصلح ہے تو اس کا کوئی مجری بھی تو ہوگا۔ ان حدود و قصاص وغیرہ کا اجرا لوگوں سے نہیں ہوگا، اگر لوگ قوانین الہی کے مجری ہوں گے پھر تو قیم اور قائم کا وجود اور نصب بے معنی ہوگا۔ لہذا قانون خدا کا ایک مجری ہوگا، جو معصوم ہوگا اور ان کی عدم موجودگی میں مجری ولی معصوم ہوگا۔

۱۔ سورہ آل عمران، آیت/۲۱۔

منابع کتب

۱۔ قرآن کریم

۲۔ سید رضی: نہج البلاغہ (ومکتوبات اور کلمات قصار کا مجموعہ)

۳۔ حافظ عاکف سعید، عراق: سرزمین انبیاء، فرید بک ڈپو لمیٹیڈ ۲۰۰۳ دہلی ہند۔

۴۔ اخبار: کیہان، بروز چہارشنبہ ۱۷ آبان مطابق ۸ نومبر ۲۰۰۶ء، ایران۔

۵۔ عزیز برنی سفرنامہ ایران اور المیۂ ہندوستان: روزنامہ راشٹریہ سہارا، ۱۱ لکھنؤ ۱۶ مارچ ۲۰۰۷ جمعہ۔

۶۔ قرآن کریم: ترجمہ وتفسیر، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، سعودی عرب۔

۷۔ دنیا دہشت گرد کے سائے میں ہفت روزہ ''آغاز صبح'' دہلی کی دستاویزی پیشکش، سن اشاعت ۲۰۰۱ء۔

۸۔ محمدی ری شہری: منتخب میزان الحکمۃ، تلخیص سید حمید حسینی قم، دار الحدیث، چاپ اول ۱۴۲۲ق۔

۹۔ سیاست خارجی: سال ہفتم، تابستان وپاییز ۱۳۷۲، شمارہ ۲ و ۳ قم ایران۔

۱۰۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ، ج ۱ ص ۳۵۲ ط جدیدۃ التراث العربی لبنان۔

۱۱۔ استاد جعفر سبحانی: فروغ ابدیت، طبع قم ایران۔

۱۲۔ نامہ ہا و پیمانہای سیاسی حضرت محمد و اسناد صدر اسلام'' تحقیق وگرد آورندہ: ڈاکٹر محمد حمید اللہ ترجمہ ڈاکٹر سید محمد حسینی، ص ۲۵۰ چاپ دوم سروش تہران ۱۳۷۷ء۔

۱۳۔ عبد الکریم مشتاق: یار رسول اور غار ثور، مطبع زم زم پرنٹرس، طبع اول، دہلی ہند۔

۱۴۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویہ، دار القلم، بیروت لبنان۔

۱۵۔ حضرت امام خمینی روح اللہ: صحیفہ نور، قم ایران۔

۱۶۔ تاریخ سیاسی اسلام داکٹر حسن ابراہیم حسن، ترجمہ ابو القاسم پایندہ، انتشار جاویدان، طبع ۸، ۱۳۷۳ء۔

۱۷۔ لغت نامہ دہخدا، مادہ سیاست، مبانی خدادادی، ایران۔

۱۸۔ غلام احمد پرویز: لغات القرآن، ناشر طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ ۱۱/لاہور پاکستان، ۱۹۹۸۔

۱۹۔ فرہنگ فارسی عمید: حسن عمید، مؤسسہ انتشارات امیر کبیر، تہران ۱۳۸۱/ش۔

۲۰۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، ط اول زیر اہتمام دانشگاہ پنجاب لاہور پاکستان۔

۲۱۔ ہانس ور۔ فرہنگ معاصر (عربی فارسی Isbn964-312.550.5)۔

۲۲۔ (۲) علامہ ابن منظور (۶۳۰۔۷۱۱ھ) لسان العرب (مادہ سوس) ۶۲۹ ۱۴۰۸ھ بیروت۔

۲۳۔ (القاموس المحیط) (مادہ سوس)۔

۲۴۔ (۵) ابی الحسین احمد بن فارس بن زکریا، م ۳۹۵ھ، مقاییس اللغۃ۔

۲۵۔ تحقیق عبد السلام محمد ہارون، ط دار الکتب العلمیہ اسماعیل نجفی۔

۲۶۔ علوم سیاسی، سال ششم، ش ۲۴/، زمستان ۱۳۸۲، قم ایران۔

۲۷۔ مجمع البحرین ج ۴/ مادہ سوس، ۔ لسان العرب۔

۲۸۔ محمد محمدی ری شہری، میزان الحکمۃ، طبع مکتب الاعلام الاسلامی، ۱۳۶۷ش۔

۲۹۔ مجمع البحرین۔ علامہ کلینی: اصول کافی، کتاب الحجۃ۔

۳۰۔ نہج البلاغہ: تالیف سید رضی، شرح وترجمہ: صبحی صالح۔

۳۱۔ علامہ مرزا حبیب اللہ الہاشمی الخوئی، منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغہ، موسسہ مطبوعاتی دار العلم۔

۳۲۔ السید محمد کاظم قزوینی، موسوعۃ الامام الصادق علیہ السلام، حاشیہ کتاب، ط ۱۴۱۸ھ۔

۳۳۔ شیخ مفید محمد بن محمد بن نعمان م ۴۱۳ھ: الاختصاص، جامعۃ المدرسین، قم، ایران۔

۳۴۔ رابرٹ دال، تجزیہ وتحلیل جدید سیاست، ترجمہ حسین ظفریان تہران نشر مترجم ۱۳۶۴۔

۳۵۔ عبد الرحمٰن عالم، بنیاد ہای علم سیاست، چاپ اول، تہران نشرنی، ایران۔

۳۶۔ رم مک ایور، جامعہ وحکومت، ترجمہ ابراہیم علی کنی، بنگاہ ترجمہ ونشر کتاب۔

۳۷۔ موریس دوورژہ، اصول علم سیاست (ڈاکٹر ابو الفضل شریعت پناہی) ط اول داد گستر نشر، ۹۰۴۳۸۔۹۶۴۔

۳۸۔ عبد العظیم بن عبد القوی المنذر الشامی: الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف ۶۵۶ھ، تحقیق، مصطفیٰ محمد عمارۃ، دار احیاء التراث بیروت طبع ۳/، ۱۳۸۸ھ۔

۳۹۔ ابن شعبہ الحرانی: تحف العقول عن آل الرسول، تحقیق علی اکبر غفاری ۱۴۰۴ھ۔

۴۰۔ محمد تقی جعفری: ترجمہ وتفسیر نہج البلاغہ، نشر فرہنگ اسلامی، ایران۔

۴۱۔ یحیی حسن درویش، ڈاکٹر امام سلیم، ڈاکٹر عبد المنعم شوقی، علی فواد احمد، السیاسۃ الاجتماعیۃ، مکتبۃ القاہرۃ الحدیثۃ، طبع اول ۱۹۶۲۔

۴۲۔ حسین جوان آراستہ: مبانی حکومت اسلامی، تبلیغات اسلامی، قم، ایران۔
۴۳۔ علوم سیاسی فصلنامہ تخصصی، سال نہم/۱۳۸۵، دانشگاہ باقر العلوم، قم ایران۔
۴۴۔ افق حوزہ سال ۴ شمارہ/۱۰۸ قم ایران۔
۴۵۔ ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ۔
۴۶۔ شبلی وسلیمان ندوی: سیرۃ النبی، طباعت، چہارم ۔
۴۷۔ علامہ سید محمد حسین طباطبائی تفسیر المیز ان، تہران، انتشارات محمدی ۱۳۶۴ھ۔
۴۸۔ محمد تقی مصباح یزدی نظریہ سیاسی اسلام/۴۲، مؤسسہ آموزشی امام خمینی ۱۳۷۸ش۔
۴۹۔ روح اللہ الموسوی خمینی، ولایت فقیہ، حکومت اسلامی، تہران ط امیر کبیر ۱۳۵۷ش۔
۵۰۔ ابونصر محمد فارابی: احصاء العلوم، ترجمہ حسین خدیو جم، انتشارات بنیاد فرہنگ ایران ۱۳۴۸ش۔
۵۱۔ محمد جواد نوروزی: نظام سیاسی اسلام۔
۵۲۔ (لغت نامہ دہخدا، فرہنگ معین، مادۂ سیاست۔
۵۳۔ سعید الخوری شرتونی، اقرب الموارد فی فصح العربیہ والشوار/۱۴۰۳ھ، مکتبہ آیۃ اللہ المرعشی النجفی، قم۔
۵۴۔ محمد تقی جعفری، حکمت اصول سیاسی اسلام ص/۴۱ نشر بنیاد نہج البلاغہ ۱۳۶۹ تہران۔
۵۵۔ روزنامہ اطلاعات ۴، ۱۰، ۱۳۵۹ش، فارسی تہران، ایران۔
۵۶۔ محمد تقی جعفری، حکمت اصول سیاسی اسلام، نشر بنیاد نہج البلاغہ ۱۳۶۹ش تہران۔
۵۷۔ عبدالرزاق لاہیجی، گوہر مراد، بے تا، تہران اسلامیہ۔
۵۸۔ بررسی مسائل کلی امامت، ابراہیم امینی، ط ۸، قم تبلیغات اسلامی/۱۳۶۱ش۔
۵۹۔ بحار الانوار: علامہ مجلسی، دار احیاء التراث، بیروت، طباعت، ۱۴۰۳ھ۔
۶۰۔ شیخ طوسی: الامالی، تحقیق موسسہ البعثہ، دار الثقافہ قم ۱۴۱۴ھ۔
۶۱۔ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی: حلیۃ الاولیاء، موسسہ الامام المہدی قم ۱۴۰۹ھ۔
۶۲۔ علامہ محمد باقر مجلسی: بحار الانوار، موسسہ الوفاء بیروت ۱۴۰۴ھ۔
۶۳۔ علامہ ابن شہر آشوب مازندرانی: المناقب، قم ۱۳۷۹ھ۔
۶۴۔ محمد بن محمد بن النعمان شیخ مفید ۴۱۳ھ: الاختصاص، جامعۃ المدرسین قم۔
۶۵۔ علی بن عثمان راجی طرابلسی ۴۴۹ھ: کنز الفوائد، کنز الفوائد، دار الذخائر، قم ۱۴۱۰ھ۔
۶۶۔ علامہ طبرسی: مجمع البیان۔
۶۷۔ اصول کافی، محمد بن یعقوب کلینی: الکافی ۔

۶۸۔ احمد بن محمد بن عبدربہ الاندلسی: م ۳۲۸ھ، العقد الفرید، تحقیق، برکات یوسف ھبود، الاعلمی لبنان۔
۶۹۔ امام خمینی: کتاب البیع، (بحث فقہی)۔
۷۰۔ سید غضنفر علی جعفری فائزی: سیاست خارجی پیامبر اسلام رقم زائر ۱۳۷۸۔ بحوالہ: محمد حمید اللہ حیدر آبادی، الوثائق النبویۃ، ترجمہ فارسی۔
۷۱۔ محمد جریر الطبری، تاریخ الطبری ردار المعارف بمصر ۱۹۱۸م۔
۷۲۔ دکتر حسین خنیفر، حجۃ الاسلام والمسلمین احمد خنیفر (ناصری): مدیریت در اسلام، دانشگاہ آزاد اسلامی واحد قم۔
۷۳۔ شہید مرتضی مطہری، امامت و رہبری، مجموعہ آثار، چاپ ۳ تہران، صدرا ۱۳۷۵۔
۷۴۔ زیر نظر ڈاکٹر صادق آیینہ وند: تاریخ اسلام، ناشر دفتر نشر معارف ط دوم ۱۳۸۲، شابک ۹۶۴۷۰۳۰۳۳۹)
۷۵۔ سلیم بن قیس: اسرار آل محمد، ترجمہ اسماعیل انصاری، قم انتشارات علامہ، ۱۴۱۳ق۔
۷۶۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، قم ۱۴۰۴ق۔
۷۷۔ امام خمینی، تہذیب الاصول رمطبع، دار الفکر۔
۷۸۔ علامہ طبری: تاریخ طبری، (تاریخ الامم والملوک الطبری) بیروت۔
۷۹۔ مرتضی عسکری: نقش ائمہ در احیای دین، ایران۔
۸۰۔ فصلنامہ نہج البلاغہ، فصلنامہ پژوہشی واطلاع رسانی ۹ر۱۰، نشر بنیاد نہج البلاغہ بہار ۱۳۸۳ش ایران۔
۸۱۔ فروغ عاشورا خطبہ امام سجاد تہیہ وتنظیم ہدی عبد الہی رناشر پیام امام ہادی قم۔
۸۲۔ ابوالقاسم پاینده: نہج الفصاحۃ، جاویدان۔
۸۳۔ شیخ عباس قمی: سفینۃ البحار، سنائی۔
۸۴۔ فرانسوا توال، ژئوپولیتیک شیعہ، ترجمہ علی رضا قاسم آقا، ..۱۳۷، تہران، نشر آمن، ط، اول۔
۸۵۔ فصل نامہ شیعہ شناسی سال اول ش ۲ر۱۳۸۲، قم۔
۸۶۔ عبداللہ جوادی آملی، حماسہ وعرفان، ط دوم، ۱۳۷۸، قم ایران۔
۸۷۔ محمد بن یعقوب کلینی: اصول کافی تحقیق نجم الدین آملی، تہران مکتبہ الاسلامیہ۔
۸۸۔ یوسف رامپوری، روزنامہ راشٹریہ سہارا، ۲۸ر جولائی ۲۰۰۲، ہندوستان۔
۸۹۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲ر۸، م النور للمطبوعات، بیروت لبنان۔
۹۰۔ المستشار عبد الحلیم الجندی مصری: امام جعفر الصادق۔
۹۱۔ ابن ہشام نے السیرۃ النبویۃ ج ۲ ص ۱۱۰۔ ط جدیدۃ التراث بیروت لبنان میں ذکر کیا ہے۔
۹۲۔ قاموس الرجال۔

۹۳۔ الدر المنثور۔

۹۴۔ عبد الحسین امینی: الغدیر، دار الکتاب العربی ۱۹۷۶م، بیروت۔

۹۵۔ محمد بن جریر طبری، تاریخ الطبری، بیروت الاعلمی بی تا۔

۹۶۔ المفید محمد بن محمد نعمان، الجمل، تحقیق علی میر شریفی، قم الاعلامی الاسلامی، ۱۳۷۶ش۔

۹۷۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ ج ۴/۱۰۷۔ قم کتابخانہ آیۃ اللہ العظمی مرعشی نجفی، ۱۴۰۴، قم۔

۹۸۔ مکتب اسلام، ش اول، ۱۳۸۵ش ربیع الاول ۱۴۲۷، قم۔

۹۹۔ علوم سیاسی: فصلنامہ تخصصی سال نہم، شمارہ ۳۵، ۱۳۸۵، دانشگاہ باقر العلوم ص ۱۴۳، قم۔

۱۰۰۔ سید امیر علی: روح اسلام، ترجمہ ایرج رزاقی، انتشارات آستان قدس رضوی، مشہد۔

۱۰۱۔ ابن ہشام: سیرہ النبی (بقلم سید ہاشم رسولی: شرح حال زندگانی)

۱۰۲۔ پیامبر اسلام: ط اسلامیہ ۱۳۴۸، خیابان ابوذر جمہری تہران، ایران۔

۱۰۳۔ احمد قاضی، زاہدی گلپایگانی: حضرت مہدی کے یاد سے، انتشارات معارف اسلامی، ط اول، ۱۹۸۴۔

۱۰۴۔ گنجی شافعی: البیان فی اخبار صاحب الزمان، تحقیق محمد ہادی امینی بیروت۔

۱۰۵۔ اسلامی و مبانی تمدن غرب: سازمان تبلیغات اسلامی، ۱۹۹۸، تہران۔

۱۰۶۔ آیۃ اللہ لطف اللہ صافی گلپایگانی، امامت و مہدویت، پیشین، ط قم، ایران۔

۱۰۷۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ: جلد ۲۔ از ثروت صولت، ناشر اسلامک پبلیکیشر لاہور پاکستان۔

۱۰۸۔ شعبان علی لامعی، قدیس، انتشارات رامند تہران، بہار ۱۳۸۰، روزنامہ اطلاعات شمارہ ۱۱۶۱۷۔

۱۰۹۔ انتظار، فصلنامہ تخصصی امام مہدی (عج) کے مخصوص، شمارہ ۴، مرکز تخصصی مہدویت، قم۔

۱۱۰۔ محمد بن یعقوب کلینی، الکافی، ج ۱، کتاب الحجۃ باب النص علی امیر المومنین، پبلیشر انصاریان قم۔

۱۱۱۔ ابن ہشام: زندگانی پیامبر اسلام، ترجمہ: سیرۃ النبوی۔ قم ایران

۱۱۲۔ ڈاکٹر علی اصغر حلبی: تاریخ نہضت ہای دینی سیاسی، انتشارات زوار، طبع اول ۱۳۸۲ش۔

۱۱۳۔ شیخ راضی آل یاسین: صلح امام حسن –، ترجمہ: آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای، تہران نشر فرہنگ اسلامی۔

۱۱۴۔ نیکولو ماکیاولی، گفتارہا، محمد حسن لطفی کا ترجمہ، شرکت سہامی انتشارات خوارزمی، ۷۷ھ ق، تہران۔

۱۱۵۔ عبد اللہ ناصری طاہری: فاطمیان در مصر، پژوہشکدہ حوزہ و دانشگاہ، ۱۳۷۹ش، قم ایران۔

امام جعفر صادق (علیہ السلام)
زاہد علی ہندی
سید رضی
حیات اور کارنامے
اجتہاد کے جلوے
مؤلف
ناشر
علم اور تجربہ
بعثت رسول کا مقصد
زاہد علی ہندی جلالپوری
بقیۃ اللہ
بقیۃ اللہ
کل یوم عاشورا